رسالتِ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم

جلد دوم

تالیف

سید عبد الحمید الخطیب

شائع کردہ

خان بہادر حاجی وجیہ الدین

ایم۔بی۔ای

قدرت کا لافانی معجزہ
یعنی

رسالتِ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم

جلد دوم

تالیف

سید عبدالحمید الخطیب مندوب خاص و وزیر مختار دولتِ سعودیہ عربیہ برائے پاکستان
سابق معلم مدرسہ حرم کعبہ

ترجمہ

مولانا محمد عادل صاحب قدوسی گنگوہی
ناظم شعبۂ اسلامیات سفارتِ سعودیہ کراچی
سابق رکن "دائرۃ المعارف" حیدرآباد۔ دکن

شائع کردہ

خان بہادر حاجی وجیہ الدین (ایم بی۔ای)

ملنے کا پتہ

ہولی قرآن سوسائٹی پوسٹ بکس نمبر ۲۵۰، کراچی صدر ۳

(قیمت چار روپے پاکستانی)

فہرست مضامین "رسالت خاتم النبیین"

(جلد دوم)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

آنحضرتؐ کے غزوات و سرایا

عام سیرت نگار اس عنوان کے تحت بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں اپنی تشریف آوری کے بارھویں مہینہ کے شروع میں بمعہ صفر قریش سے جہاد کے لئے کوچ فرمایا۔ مگر پھر جنگ کئے بغیر واپس تشریف لے آئے۔ اور آپ نے "عبیدہ بن حارث" کو مہاجرین میں سے ساٹھ یا اسی سوار دے کر اک مہم پر روانہ فرمایا۔ جب یہ صحابی حجاز میں "ثنیۂ مرہ" کی وادی کے زیریں حصے کے ایک کنوئیں پر پہنچے تو وہاں قریش کی ایک جمعیت سے مڈبھیڑ ہوئی لیکن ان میں کوئی مقابلہ نہیں ہوا بلکہ حضرت "سعد بن ابی وقاص" نے اس دن دشمن پر صرف ایک تیر پھینکا تھا اور یہی زمانہ اسلام میں سب سے پہلی تیراندازی تھی۔

نیز آپ نے حضرت حمزہ بن عبدالمطلب کی سرکردگی میں عیص کی سمت والے دریائی ساحل کی جانب تیس مہاجر سواروں کو روانہ فرمایا۔ اس ساحل پر ان کا ابوجہل بن ہشام اور اُس کے ہمراہ اہل مکہ کے تین سو سواروں سے آمنا سامنا ہوا۔

---

(۱) سرایا۔ سریہ کی جمع ہے۔ سریہ ان چھوٹی جنگی مہمات کو کہا جاتا ہے۔ جن میں آنحضرتؐ خود شریک نہیں ہوتے، بلکہ آپ نے دوسرے صحابہ کی سرکردگی میں کچھ جنگی یا طلائع گرد دستے روانہ کئے۔ م

مگر وہ لوگ لوٹ گئے اور کوئی لڑائی نہیں ہوئی۔

عام سیرت نگاروں کے برخلاف اس مسئلہ میں میرے بعض خاص افکار وخیالات ہیں، جو ذیل میں درج کئے جاتے ہیں۔

اول:۔ لوگوں سے جنگ کرنا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سرشت میں داخل نہ تھا اور نہ خدا نے آپ کو بہ نفسِ نفیس جنگ کرنے کا حکم دیا تھا۔

دوم:۔ یہ امر ناقابل فہم ہے کہ آپ قریش سے جنگ کے لئے تنِ تنہا تشریف لے جائیں کیونکہ مورخین آپ کے ساتھیوں کی تعداد بیان نہیں کرتے حالانکہ عام طور سے وہ لڑائیوں میں جانے والوں کی تعداد بیان کرنے کا بہت اہتمام کرتے ہیں

سوم:۔ رسول اللہؐ کا ان سریوں میں قریش سے جنگ کرنے یا ان کے اموال چھین لینے کی عظیم مہم پر اتنے تھوڑے مجاہدین کو روانہ فرمانا آپ کی وقتِ نظر اور دوراندیشی کے سراسر خلاف تھا۔

چہارم:۔ وہ سریے جو آپ نے جنگ کے لئے روانہ کئے تھے۔ ان کا جنگ کئے بغیر واپس ہو جانے کا مقولہ بظاہر مسلمانوں کی کمزوری اور ہوا خیزی کو ثابت کرتا ہے

پس بوجوہ بالا میرے نزدیک یہ کہنا زیادہ قرین صواب ہوگا کہ ابتدائی دور میں رسول اللہؐ نے جو جنگی تدابیر فرمائیں وہ غزوات سے متعلق نہ تھیں، بلکہ ان کی حیثیت محض ان طلائع گردستوں کی سی تھی جنھیں حکامِ وقت عام طور سے رائے عامہ معلوم کرنے کی غرض سے اندرونِ ملک پھیلا دیتے ہیں۔

رہے "سریے" سو وہ ایک قسم کے جنگی مناورے تھے جن کا مقصد اپنی بیداری وقوت کے ثبوت نیز اندرون وبیرونِ ملک لوگوں کو مرعوب کرنے کی غرض سے مظاہرہ کرنا ہوتا ہے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مدینہ سے تیئس میل کے فاصلہ پر "ابوار" اور "ودان" کے مقام تک تشریف لے جانے کا یہی مقصد تھا جہاں

آپ "بنو حمزہ" تک پہنچ گئے۔ جس کے نتیجہ میں "مخشی بن عمر ضمری" نے، جو اپنے زمانہ کا بڑا شخص تھا۔ آپ سے صلح کرلی۔ اس طرح آپ شادکام و بامراد مدینہ واپس تشریف لے آئے۔

علیٰ ہٰذا مورخین نے جن فوجی دستوں کی مہم کو غزوات کا نام دیا ہے ان سب کا یہی موقف تھا۔ یعنی غزوۂ بواط، غزوۂ عشیرہ، غزوۂ سفران یا غزوۂ بدر اولیٰ، غزوۂ بنی سلیم، غزوۂ ذی امر، غزوۂ فرع، غزوۂ ذات الرقاع، یہ سب کے سب اس لائق نہیں کہ انھیں غزوات کہا جائے بلکہ درحقیقت یہ ایک قسم کے سیاسی طلائع گردستے تھے۔ جن کے مفید نتائج بعد میں ظاہر ہوئے۔

یہی حال ان سریوں کا تھا جنھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم روانہ فرمایا کرتے تھے یہ کسی جنگ و مقابلہ کے ارادہ سے نہ بھیجے جاتے تھے، بلکہ محض قبائل کی حالت معلوم کرنے اور بیرونِ ملک مسلمانوں کی شان و شوکت کے اظہار نیز اندرونِ ملک یہود و منافقین کو مرعوب رکھنے کی غرض سے بھیجے جاتے تھے، چنانچہ ان جنگی دستوں نے کما حقہٗ اپنی مہم ادا کی اور ہمیشہ اپنے گشت سے کامیاب و بامراد لوٹے۔ یہ کامیابیاں نہ ہوتیں تو لوگ ان مہمات میں ان پر کمزوری اور بزدلی کا عیب لگاتے۔

اس دعوے کی تائید میں یہ واقعہ پیش کیا جا سکتا ہے کہ جب نبی کریمؐ نے عبداللہ بن جحش کی سرکردگی میں آٹھ مہاجرین پر مشتمل ایک دستہ روانہ فرمایا تو عبداللہ کو ایک تحریر لکھ کر دی اور حکم دیا کہ وہ دو دن کی مسافت پر جاکر اسے کھولیں جب وہ موقع آیا اور عبداللہ نے اسے کھول کر پڑھا تو اس میں یہ مضمون درج تھا۔

اذا نظرت فی کتابی هذا	جب تم میری یہ تحریر پڑھو تو اپنا سفر برابر جاری
فامض حتی تنزل نخلة	رکھو یہاں تک کہ مکہ اور طائف کے درمیان
بین مکة والطائف	کھجوروں کے باغ میں پہنچ کر پڑاؤ ڈالو اور

فتوصد قریشاً و تعلم لنا من اخبارھم۔ وہاں قریش کے حالات کی ٹوہ میں رہو اور ہمیں ان کے حالات کی اطلاع دیتے رہو۔

جب عبداللہ بن جحش نے یہ تحریر دیکھی تو کہا۔ میں بخوشی حکم بجالانے کو تیار ہوں" پھر اپنے ساتھیوں سے کہا کہ رسول اللہؐ نے مجھے حکم فرمایا ہے کہ میں کھجور کے فلاں باغ تک پہنچ کر وہاں قریش کے حالات کا پتہ لگاؤں اور ان کی خبریں آپ تک پہنچاؤں۔ اس حکم میں کسی کو مجبور کرنے سے مجھے منع فرمایا ہے پس جو شہادت کا خواہش مند و مشتاق ہو وہ میرے ساتھ چلے، اور جو نہ چاہے وہ لوٹ جائے۔ بہرحال میں تو رسول اللہؐ کے ارشاد کی تعمیل میں ضرور آگے جاؤں گا۔ چنانچہ عبداللہ اپنے تمام ساتھیوں سمیت آگے روانہ ہو گئے اور پارٹی میں سے کوئی ایک شخص بھی واپس نہیں ہوا۔ عبداللہ حجاز کی طرف روانہ ہوئے۔ حتی کہ جب مقام "بحران" پر پہنچے تو وہاں حضرت سعد بن ابی وقاص، اور عتبہ بن غزوان، کا ایک اونٹ جس پر وہ باری باری سواری کرتے تھے، راہ سے بھٹک گیا یہ دونوں حضرات اس کی تلاش میں پیچھے رہ گئے، اور حضرت عبداللہ بن جحش اور ان کے بقیہ ساتھی چلتے رہے یہاں تک کہ کھجور کے اس باغ میں جا اترے۔ ادھر قریش کا ایک تجارتی قافلہ کشمش اور چمڑا اور دوسرا تجارتی سامان اونٹوں پر لادے ہوئے ان کے پاس سے گذرا جس میں "عمرو بن حضرمی" بھی تھا۔ جب انھیں ان حضرات نے دیکھا تو انھیں خود پر ان کے حملہ آور ہونے کا خطرہ پیدا ہوا۔ پس انھوں نے باہم سب کو ان کے مقابلہ کے لئے آمادہ کیا اور ہمت دلائی ـــ اور ممکنہ حد تک ان کو قتل کر ڈالنے اور ان کا سامان لوٹ لینے پر سب کا اتفاق رائے ہو گیا۔ چنانچہ" واقد بن عبداللہ لیثی "نے" عمرو بن حضرمی "کو اپنے تیر کا نشانہ بنا کر مار ڈالا اور "عثمان بن عبداللہ" حکم بن کیسان" اور اپنی قوم کے بہادر اور قوی ترین شخص" نوفل بن عبداللہ" کو گرفتار کر کے مجبور و بے بس کر دیا۔ اور "عبداللہ بن جحش"

اور ان کے ساتھی اس تمام قافلہ اور قیدیوں کو لے کر رسول اللہ کی خدمت میں مدینہ میں پہنچے تو آپ نے فرمایا کہ میں نے تمہیں حرمت کے مہینوں میں جنگ کا حکم نہیں دیا تھا پس آپ نے اس قافلہ اور قیدیوں کو روک لیا۔ مگر ان میں سے کوئی چیز لینے سے احتراز فرمایا۔ جب رسول اللہ نے یہ فرمایا تو اس مسلمان جماعت کے ہاتھ خوف سے کانپنے لگے اور انھیں خیال پیدا ہوا کہ وہ تباہ ہو گئے اور ان کی اس حرکت پر اُن کے مسلمان بھائیوں نے بھی انھیں ملامت کی۔ ادھر قریش نے کہا کہ محمد اور اس کے ساتھیوں نے حرمت کے مہینے کو حلال کر لیا اور اس میں خوں ریزی کی، مال چھینے اور آدمیوں کو اسیر کر لیا۔ جب اس معاملہ میں لوگ بہت چہ می گوئیاں کرنے لگے تو خدا نے رسول اللہ پر یہ آیت نازل فرمائی۔

یسئلونک عن الشھر الحرام قتال فیہ، قل قتالٌ فیہ کبیر۔ وصدٌّ عن سبیل اللہ و کفرٌ بہ والمسجد الحرام۔ واخراج اھلہ منہ اکبر عند اللہ " پ ۲ - ع "	لوگ آپ سے حرمت والے مہینے میں لڑائی کرنے کے متعلق دریافت کرتے ہیں۔ ان سے فرما دیجئے کہ بے شک اس ماہ میں جنگ کرنا بڑا گناہ ہے۔ لیکن لوگوں کو راہ خدا سے روکنا۔ خدا کو نہ ماننا۔ نیز لوگوں کو مسجد حرام سے باز رکھنا وہاں والوں کو نکال باہر کرنا اللہ کے نزدیک اس سے بھی کہیں زیادہ بڑا گناہ ہے۔

یعنی اگر تم نے حرمت والے مہینے میں انھیں قتل کر ڈالا تو کوئی بات نہیں اس لئے کہ کفار تو اس سے قبل خود شدت کے ساتھ کفر پر قائم رہ کر تمھارے دینی راستے میں روڑے اٹکا چکے مسجد حرام کے داخلہ سے روک چکے اور تمھیں وہاں سے نکال باہر

کر چکے ہیں۔ حالانکہ تم وہیں کے باشندے تھے۔ پس ان کا یہ فعل اللہ کے نزدیک ان لوگوں کے حرمت والے ماہ میں قتل کئے جانے سے کہیں زیادہ قبیح اور سنگین جرم ہے۔

وَالْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ — اور بلاشبہ فتنہ فساد پھیلانا تو قتل سے بھی کہیں زیادہ بڑھکر سنگین جرم ہے۔

یعنی کفار مسلمانوں کو طرح طرح کی تکالیف میں مبتلا کرتے تھے تاکہ ایمان لانے کے بعد انھیں پھر کفر کی طرف لوٹالیں۔ یہ جرم خدا کے نزدیک ان کے قتل سے زیادہ شدید ہے۔

وَلَا يَزَالُونَ يُقَاتِلُونَكُمْ حَتّٰى يَرُدُّوكُمْ عَنْ دِينِكُمْ اِنِ اسْتَطَاعُوا — اور کفار تو تم سے ہمیشہ ہی لڑتے رہیں گے یہاں تک کہ اگر ان کا بس چل جائے تو وہ تمھیں اپنے دین ہی سے مرتد کر دیں۔

پ ۲ ۔ ع ۱۱

یعنی کفار قتل سے بھی زیادہ خبیث اور بڑے شدید جرم پر جمے ہوئے ہیں۔ نہ وہ اس حرکت سے توبہ کرتے ہیں نہ باز آتے ہیں۔ جب اس معاملہ میں یہ آیات قرآنی نازل ہوئیں اور خدا نے مسلمانوں سے رنج و غم اور دہشت رفع فرمادی، تب رسول اللہ نے قافلہ اور قیدیوں پر قبضہ فرمایا۔ جب قریش نے آپ کی خدمت میں "عثمان بن عبداللہ" اور "حکم بن کیسان" کا فدیہ بھیجا تو رسول اللہ نے فرمایا کہ ہم تم سے ان کا فدیہ قبول نہ کریں گے۔ جب تک کہ ہمارے ہر دو صحابی یعنی "سعد بن ابی وقاص" اور "عتبہ بن غزوان" واپس نہ آجائیں گے کیونکہ ہمیں تم سے ان کی جانوں کا خطرہ ہے۔ اگر تم ان کو قتل کر دوگے تو ہم بھی تمھارے ان دونوں ساتھیوں کو قتل کر ڈالیں گے۔ پھر جب "سعد اور عتبہ" ہر دو صحابی بخیر واپس پہنچ گئے۔ تب رسول اللہ نے ان ہر دو کا فدیہ قبول فرمایا زاں بعد "حکم بن کیسان" تو اسلام لے آئے اور پختہ مسلمان رہے اور آنحضرت ہی کی خدمت میں رہ پڑے۔ یہاں تک کہ "غزوہ بیر معونہ" کے دن شہید ہوگئے۔ لیکن "عثمان بن عبداللہ" مکہ کو واپس چلا گیا اور وہیں کفر پر مرا۔

تحویلِ قبلہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بزمانۂ قیام مکہ جب پہلی مرتبہ نماز فرض ہوئی تو آپ کعبہ کی طرف رخ کر کے نماز ادا فرماتے تھے اور خانہ کعبہ ہی وہ مقدس گھر تھا جسے خدا نے روئے زمین کے تمام انسانوں کی جائے قرار بنایا تھا۔ آپ اپنے مکہ کے طویل زمانۂ قیام میں حضرت ابراہیم، اسمٰعیل علیہما السلام کی متابعت میں کعبہ ہی کی طرف منہ کر کے نماز ادا فرماتے رہے۔ لیکن جب آپ بتاریخ ۱۲ ربیع الاول یوم دوشنبہ مدینہ میں تشریف لائے تو آپ پر یہ وحی نازل ہوئی کہ اب آپ اپنی نماز میں بیت المقدس کی طرف رخ کیا کریں۔ چنانچہ آپ اس حکم کے بموجب سولہ یا سترہ ماہ تک برابر "بیت المقدس" کی طرف منہ کر کے نماز ادا فرماتے رہے جیسا کہ صحیح بخاری میں مذکور ہے۔

چنانچہ اس پر یہودی اپنی جہالت کی بنا پر یہ کہنے لگے کہ یہ کیسی عجیب بات ہے کہ یہ شخص دین میں تو ہماری مخالفت کرتا ہے۔ لیکن نماز میں ہمارے ہی قبلہ کا اتباع کرتا ہے۔ اگر ہم نہ ہوتے تو اسے اتنی بھی خبر نہ ہوتی کہ کدھر رخ کر کے نماز ادا کی جائے۔ پھر حق تعالیٰ نے اس حکم کو منسوخ فرما کر آپ کو دوبارہ کعبہ ہی کی طرف رخ کرنے کا حکم فرمایا جیسا کہ قیام مکہ کے دوران میں تھا۔ اور دراصل کعبہ ہی وہ قبلہ تھا جسے آپ چاہتے تھے پسند فرماتے تھے اور امید رکھتے تھے کہ بالآخر پھر مدینہ میں بھی نماز میں اسی قبلہ کی طرف رخ کرنے کی وحی نازل ہوگی۔ چنانچہ ہجرت کے دوسرے سال شعبان کے آخر میں یہ

وحی نازل ہوئی۔

قد نرٰی تقلب وجهك فی السماء یعنی ہم حسب سابق قبلہ کا رخ کعبہ کی طرف کرنے سے متعلق نزول وحی کے انتظار میں آپ کے بار بار آسمان کی طرف نظر اٹھا اٹھا کر دیکھنے کو دیکھ رہے ہیں۔

فلنولینك قبلۃ ترضاها — اور ہم عنقریب ہی آپ کو اس قبلہ کی طرف
فول وجهك شطر المسجد — پھر جانے کا حکم دینے والے ہیں جسے آپ پسند کرتے ہیں
الحرام۔ — پس اب آپ اپنا رخ مسجد حرام کی سمت ہی پھیر لیجئے۔

جب قبلہ کا رخ کعبہ کی طرف پھیر دیا گیا تو اس پر یہود نے اپنی دنارت اور قبلہ کے معاملہ میں رسول کے اختلاف سے ناگواری کی بنا پر یہ کہنا شروع کر دیا کہ۔

ما ولٰهم عن قبلتهم التی کانوا علیها — مسلمان پہلے جس قبلہ کا رخ کیا کرتے تھے انھیں اس سے کس چیز نے منحرف کر دیا ہے۔

یہی نہیں بلکہ اس واقعہ پر انھوں نے ایک نیا فتنہ کھڑا کرنے کی تدبیر سوچی اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے کہنے لگے کہ "آپ پھر ہمارے قبلہ کا اتباع شروع کر دیں تو ہم آپ کا اتباع کرنے لگیں گے اور آپ پر ایمان لے آئیں گے"۔ حالانکہ حق تعالیٰ کو اس کا بخوبی علم تھا کہ وہ اپنے اس دعوے میں جھوٹے ہیں۔ ادھر مشرکوں نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ محمد پہلے تو اپنے آبائی قبلہ سے پھر گئے تھے لیکن پھر اسی کی طرف لوٹ آئے بس اب عنقریب ہی وہ اپنے آبائی دین کی طرف بھی لوٹ آئیں گے۔

ادھر نامراد منافقین نے عوام کو فتنہ اور گمراہی میں ڈالنا شروع کر دیا اور انھوں نے صحیح قبلہ کے اختیار کرنے میں آنحضرتؐ کی طرف تردد و تذبذب کی نسبت کرنی شروع کر دی — اور یہ سب کچھ کمینہ پن اور گمراہی تھی جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

سیقول السفهاء من الناس — اب نادان لوگ کہیں گے کہ مسلمانوں کو اپنے سابقہ

ما ولّاهم عن قبلتهم التي كانوا عليها قل لله المشرق والمغرب يهدي من يشاء الى صراط مستقيم۔

قبلہ (بیت المقدس) سے جس کی طرف وہ رخ کرتے تھے کس چیز نے روک دیا ہے۔ ان سے کہدیجے کہ مشرق و مغرب سب خدا ہی کے ہیں۔ وہ جسے چاہتا ہے اس کی سیدھی راہ کی طرف رہبری فرما دیتا ہے۔

نیز ارشاد فرمایا:-

وما جعلنا القبلة التي كنت عليها الا لنعلم من يتبع الرسول ممن ينقلب على عقبيه وان كانت لكبيرة الا الذين هدى الله۔

جس قبلہ (بیت المقدس) کی طرف آپ پہلے رخ کیا کرتے تھے ہم نے اسے تو محض اس لئے آپ کا قبلہ بنایا تھا کہ ہم ان لوگوں کو جان سکیں جو اس بارے میں رسول کا اتباع کرتے ہیں اور ان لوگوں کو بھی جان لیں جو اس حکم کی تعمیل سے سرتابی و روگردانی کرتے ہیں۔ اگرچہ یہ تبدیلی ان کے سوا جنہیں حق تعالیٰ نے ہدایت عطا فرمائی بھی اور سب پر گراں اور شاق گذری۔

غزوۂ بدر کبریٰ

جب حضرت محمد بن عبداللہ مدینہ میں امت مسلمہ کی تکوین اور حکومت اسلامیہ کی تاسیس فرما چکے مختلف سیاسی و جنگی جماعتوں کی تنظیم اور طلائع گروستوں کے بھیجنے سے فراغت پا چکے اور آپ کی حسب خواہش خدا نے آپ کو بیت المقدس کے قبلہ کو چھوڑ کر اس مسجد حرام کو قبلہ بنانے کی اجازت عطا فرما دی جسے آپ کے مورثِ اعلیٰ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے لوگوں کے ملجا و مامن کی حیثیت سے تعمیر فرمایا تھا۔ تو اب آپ یہ سوچنے لگے کہ کسی طرح اس بیت اللہ کو قریش کے نصب کردہ بتوں سے پاک صاف کر دیں، اسے اس کی پہلی حالت پر لوٹا دیں اور اسے موحدین کا قبلہ اور طواف، اعتکاف اور رکوع و سجدہ کرنے والوں کا مرکز بنا دیں، لیکن آپ کی یہ آرزو اس حالت میں کیسے پوری ہو سکتی تھی۔ جب کہ اس کے اطراف قریش کی مرکزیت قائم تھی اور اس کے اندر بت پرستی پھیلی ہوئی تھی۔ اور طاقت کے ذریعہ مقدس مقام سے ان کا استیصال کرنا بھی ممکن نہ تھا۔ اس لئے کہ مکہ مقدس اور حرمت والا شہر تھا جس میں خوں ریزی حرام تھی۔

تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تدبیر سوچی کہ قریش کو متاثر کرنے اور مسلمانوں اور ان کے قبلہ کے درمیان حائل نہ ہو سکنے کی غرض سے انھیں اپنے سامنے جھکنے پر مجبور کرنے کے لئے دوسرا ہی ہتھیار استعمال کیا جائے۔ اور یہ مکہ کے اطراف وسیع محاصرہ اور قریش کے شام سے آنے والے سامان تجارت کی ناکہ بندی کا ہتھیار تھا۔ یہ رائے قائم فرما کر رسول اللہ نے اس رائے کو عملی جامہ پہنانے کی غرض سے ۸ رمضان سنہ ۲ھ م۔

جنوری ۶۲۴ء کو تین سو انیس صحابہ کو ہمراہ لے کر جن میں تین چوتھائی انصار تھے مکہ کی طرف کوچ فرمایا۔ اس راستے سے گذرنے والے سامان تجارت کی ناکہ بندی کے سوا اس جماعت کا اور کچھ ارادہ نہ تھا، نہ انھیں کسی جنگ کی توقع تھی، نہ کسی مقابلہ کی اُمید۔

ادھر ابوسفیان قریش کا تقریباً پچاس ہزار دینار مالیت کا عظیم الشان تجارتی سامان لے کر مکہ آرہا تھا جب اسے حضرت محمدؐ کی ناکہ بندی کی اطلاع ملی تو اس نے ضمضم بن عمر غفاریؓ کی خدمت معاوضہ پر حاصل کر کے اسے جلدی سے مکہ روانہ کیا تاکہ وہ وہاں جاکر قریش کو اپنے سامان کی حفاظت کے لئے آمادہ کرے اور انھیں مطلع کردے کہ محمدؐ نے ان کے سامان کی ناکہ بندی کا فیصلہ کرلیا ہے۔ چنانچہ ضمضم وہاں سے روانہ ہوکر مکہ پہنچا اور لوگوں میں پکار پکار کر منادی کرنے لگا۔

اے اہلِ قریش! بڑا ظلم ہوگیا۔ بڑا ظلم ہوگیا۔ تمھارا سامان ابوسفیان کے ساتھ ہے اور محمدؐ اس کی راہ میں حائل ہوگیا ہے۔ میں نہیں سمجھتا کہ تم اپنا سامان پاسکو گے۔ فریاد ہے 'فریاد ہے'۔ یہ سنتے ہی ابوجہل نے کعبہ کے پاس کھڑے ہوکر بار بار چیخ چیخ کر اور پکار پکار کر قوم کو اپنے مال کی حفاظت کے لئے جمع ہوجانے کو کہا۔

ایک لحظہ نہیں گذرنے پایا تھا کہ قریش اپنے سامان کی حفاظت کے لئے نکل کھڑے ہوئے۔ جب حضرت محمدؐ کو اس عظیم لشکر کی خبر پہنچی تو آپ نے اپنے صحابہ سے اس معاملہ میں مشورہ فرمایا کہ ان کی کیا رائے ہے۔ حضرت ابوبکرؓ اور عمرؓ نے بدستور اپنا پروگرام جاری رکھنے کی رائے دی۔ مہاجرین میں سے مقداد بن عمر نے عرض کیا۔ یارسول اللہ! اللہ کی رضا کے مطابق اپنا پروگرام جاری رکھئے۔ ہم آپ کے ساتھ ہیں۔ خدا کی قسم ہے ہم آپ سے ایسا ہرگز نہ کہیں گے جیسا کہ بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ سے کہا تھا۔

اذهب انت و ربك فقاتلا
انا ههنا قاعدون

اے موسیٰ! آپ اور آپکا رب جائیں اور تنہا آپ دونوں ہی جاکر کفار سے لڑیں۔ ہم تو یہیں بیٹھے ہیں۔

بلکہ ہم تو یہ عرض کریں گے کہ

اذھب انت وربک فقاتلا انا معکما مقاتلون۔

اے محمدؐ آپ اور آپ کا خدا ہر دو میدانِ جنگ میں تشریف لے چلیں اور دونوں جنگ کا آغاز کردیں ہم بھی آپ کے دوش بدوش جنگ کریں گے۔

اس ذات کی قسم ہے جس نے آپ کو نبی برحق بنا کر بھیجا ہے اگر آپ ہمیں یمن کے آخری گوشے یعنی برک غماد تک لے کر چلیں گے تو ہم وہاں تک پہنچ کر بھی دشمنانِ اسلام سے لڑیں گے۔ یہاں تک کہ آپ کے مقصد کی تکمیل ہو جائے۔ پھر انصار میں سے سعد بن معاذ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! ہم آپ پر دل سے ایمان لا چکے۔ آپ کی تصدیق کر چکے، اس پر گواہی دے چکے کہ آپ جو لائے ہیں وہ سب برحق ہے۔ اور اسی بنیاد پر ہم نے آپ سے آپ کی کامل وفاداری واطاعت کا عہد وپیمان کیا ہے۔ پس آپ کا جو ارادہ ہو وہ بے تکلف پورا فرمایئے ہم ہر طرح آپ کے ساتھ ہیں۔ اس ذات کی قسم ہے جس نے آپ کو نبی برحق بنا کر بھیجا ہے۔ اگر آپ ہم سے اس دریا کو عبور کرنے کا مطالبہ فرمائیں اور اس میں کود پڑیں تو ہم بھی آپ کے ساتھ ہی کود پڑیں گے۔ ہم میں سے ایک فردِ واحد بھی پیچھے نہ رہے گا۔ اور نہ ہی ہم دشمن کے مقابلہ سے ہچکچائیں گے ہم جنگ میں ڈٹنے والے اور دشمن کا مقابلہ کرنے میں پختہ کار ہیں۔ ممکن ہے خدا ہماری طرف سے آپ کو وہ کارنامے دکھا دے۔ جن سے آپ کی آنکھیں ٹھنڈی ہو جائیں۔ بس آپ ہمیں اللہ کے نام پر لے چلئے۔ یہ مؤثر تقریریں سنکر رسول اللہؐ بے حد محظوظ ہوئے اور فرمایا۔ آگے بڑھے چلو اور خوش خبری سن لو کہ اللہ نے مجھ سے فریقین میں سے ایک کے غلبہ کا وعدہ فرمالیا ہے۔ خدا کی قسم ہے گویا میں اس قوم کے مقتل کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں۔

پھر رسول اللہؐ اور آپ کے صحابہ آگے چلے اور قافلہ کے راستہ میں اپنا پڑاؤ ڈال دیا۔ ابو سفیان کو اس کی خبر پہنچ گئی اور اس نے راستہ بدل کر تیزی سے دریا کا ساحلی

راستہ اختیار کرلیا۔ یہاں تک کہ اس کے اور حضرت محمدؐ کے درمیان کافی فاصلہ ہوگیا اس طرح وہ بچ کر نکل گیا اور اس نے قریش کو پیام بھیجا کہ تم صرف اپنے قافلہ اور سامان کی حفاظت کے لیے نکلے تھے۔ اب کہ میں بچ نکلنے میں کامیاب ہوچکا ہوں تم بھی واپس ہوجاؤ۔ اس پر اکثر قریش نے تو واپسی کا ارادہ کرلیا۔ لیکن خدا نے ان کا سامان تو ضبط ہونے سے بچالیا۔ مگر ان کی جانوں کو قتل و تباہی سے نہ بچایا اس لئے ابوجہل کے دل میں یہ بات ڈال دی کہ اس نے اپنا سر بلند کرکے اپنی قوت پر فخر کرتے ہوئے قسم کھائی کہ وہ بدر کو دیکھے بغیر واپس نہ ہوگا اور وہاں تین دن تک مقیم رہ کر مسلم عرب میں اپنے کوچ کرنے اور وہاں جمع ہونے کی تشہیر کرے گا۔ تاکہ ان پر دہشت طاری ہوجائے اور محمد بھی جان لیں کہ آج وہ اپنا مقصد حاصل نہ کرسکیں گے۔ اس کے بعد قریش آگے روانہ ہوگئے اور جاکر وادی کے آخری سرے پر پہونچ کر پڑاؤ ڈال دیا۔ ادھر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے صحابہ بھی آگے بڑھکر پانی کے ایک کنوئیں کے قریب جا اُترے۔ تب "خباب بن منذر" نے حاضر خدمت ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ! کیا خدا نے آپ کو اس جگہ پڑاؤ کرنے کا حکم فرمایا ہے؟ اگر ایسا ہے تو پھر ہماری نہ آگے بڑھنے کی مجال ہے نہ پیچھے ہٹنے کی۔ یا یہ صرف ایک ذاتی رائے اور ایک جنگی تدبیر و چال ہے؟

رسول اللہؐ نے فرمایا یہ صرف شخصی رائے اور ایک جنگی تدبیر ہے۔ انھوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! ایسا ہے تو یہ جگہ پڑاؤ کے لئے مناسب نہیں۔ یہاں سے سب کو اٹھا کر لے چلئے تاکہ ہم اس پانی پر پہنچکر خیمہ زن ہوں جو دشمنوں سے قریب تر ہو اور پانی اور دشمن کے درمیانی حصہ زمین پر قبضہ کرکے اس پر حوض تعمیر کرلیں جسے پانی سے بھرلیں پھر دشمن سے جنگ شروع کردیں اس طرح ہم تو پانی پی سکیں گے مگر دشمن نہ پی سکیں گے۔ رسول اللہؐ نے سن کر فرمایا بے شک تم نے یہ صحیح مشورہ دیا۔ چنانچہ آپ اپنے صحابہ کو وہاں سے اٹھا کر آگے روانہ ہوگئے حتی کہ جب فریق مخالف کے قریبی پانی تک

پہنچے تو وہیں خیمہ زن ہو گئے اور تجویز کے مطابق تیار کردہ حوض میں وافر پانی جمع کر لیا۔ حضرت سعد نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا ہم آپ کے لئے اک جھونپڑا نہ بنا دیں جس میں آپ راحت فرمائیں اور ہم اپنی سواریاں آپ کے پاس چھوڑ دیں پھر ہم دشمن سے مشغول پیکار ہو جائیں۔ اگر خدا نے ہمیں عزت بخشی اور غلبہ عطا فرمایا تو بہتر ہے اور اگر خدانخواستہ دوسری صورت پیش آئی تو آپ اپنی سواریوں پر سوار ہو کر اپنی قوم سے تو جا ملیں گے۔ اے نبی اللہ! آپ اپنے پیچھے وہ قبیلے چھوڑ آئے ہیں کہ ہم آپ کی محبت میں ان سے کچھ زیادہ نہیں ہیں اگر انھیں (آپ کی روانگی کے وقت) ذرا بھی خیال ہوتا کہ آپ کو یہ معرکہ پیش آ جائے گا۔ تو وہ کبھی بھی آپ کو چھوڑ کر پیچھے نہ رہتے۔ اللہ ان کے ذریعہ آپ کی حفاظت فرمائے گا وہ آپ کی کامل اطاعت کریں گے اور آپ کی ساتھ مل کر کفار سے پھر جہاد کریں گے۔ اس پر آنحضرتؐ نے حضرت سعد کی تعریف کی اور ان کے حق میں دعائے خیر فرمائی۔ پھر حضرت سعد نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے جھونپڑا تیار کر دیا۔ دوسرے دن صبح سویرے قریش ایک ہزار سے زیادہ جنگجوؤں کو لے کر میدان میں نکلے۔ جب رسول اللہؐ نے اس لشکر کو دیکھا تو جنابِ باری میں عرض کیا۔

اللّٰھم ھذہ قریش قد	اے میرے خدا! یہ قریش بڑے فخر و غرور کے ساتھ
اقبلت بخیلائہا و فخرھا	حملہ آور ہوئے ہیں جو تیری دشمنی اور تیرے رسول
تحادّک وتکذب رسولک	کی تکذیب پر تلے ہوئے ہیں۔ اے میرے خدا! پس
اللھم فنصرک الذی وعدتنی	میں آج تجھ سے تیری وہ مدد چاہتا ہوں جس کا تو نے
اللھم احنھم الغداۃ۔	مجھ سے وعدہ فرمایا ہے اے خدا انھیں صبح ہوتے ہی ہلاک کر دے۔

پھر فریقین کا ہجوم گیا اور وہ ایک دوسرے کے قریب آ گئے۔ رسول اللہؐ نے اپنے صحابہ کی صفیں سیدھی فرمائیں اور فرمایا کہ جب تک آپ حکم نہ دیں تب تک وہ حملہ آور نہ ہوں۔ نیز ہدایت فرمائی کہ اگر دشمن تمھیں گھیرے میں لے تو اُن پر تیروں کی بوچھار کر دینا

پھر یہ فرما کر رسول اللہ اپنے جھونپڑے میں تشریف لے گئے حضرت ابو بکرؓ آپ کی ہمراہ تھے یہاں آپ اپنے رب سے دعا میں مصروف ہو گئے اور عرض کرنے لگے۔

اللھم ان تھلک ھذہ	اے میرے خدا! اگر آج مسلمانوں کی یہ مختصری
العصابۃ من اھل الاسلام	جماعت ہلاک ہو گئی تو پھر کبھی روئے زمین پر تیری
الیوم لا تعبد فی الارض	عبادت نہ ہو سکے گی۔

پس آپ قبلہ رو ہو کر دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے ہوئے دیر تک اپنے رب سے مناجات میں مشغول رہے حتیٰ کہ حق تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

اِذْ تَسْتَغِیْثُوْنَ رَبَّکُمْ فَاسْتَجَابَ لَکُمْ اَنِّیْ	جب تم اپنے پروردگار سے فریاد کر رہے تھے تو اس
مُمِدُّکُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِکَۃِ مُرْدِفِیْنَ	نے تمہاری پکار سن لی کہ تسلی رکھو میں تمہاری مدد
پ ۹۔ ع ۱۵	کے لئے پے بہ پے ایک ہزار فرشتوں کو بھیجوں گا۔

تب آپ نے فرمایا۔ اے ابو بکر! خوش خبری سن لو۔ اللہ کی مدد تمہارے لئے آگئی۔ پھر آپ نے مجاہدین کی صفوں میں تشریف فرما ہو کر انھیں جہاد پر ابھارا جس پر سب تلواریں سونت کر جنگ میں گتھ گئے۔ کفار کو شکست ہوئی اکابر و سردارانِ قریش میں سے بہت سے قتل ہوئے اور معززینِ قریش میں سے بہت سے گرفتار ہوئے۔ پھر آپ نے مقتولین کی نعشوں کو اک پرانے خشک کنوئیں میں ڈال دینے کا حکم فرمایا۔ جب وہ اس میں ڈال دی گئیں تو آپ نے اس کے کنارے کھڑے ہو کر یوں خطاب فرمایا۔

اے کنوئیں والو! اے عتبہ بن ربیعہ، اے امیہ بن صلت، اے ابو جہل بن ہشام!۔

اسی طرح اور بہتوں کا نام لے لے کر پکارا پھر فرمایا۔

ھَلْ وَجَدْتُمْ مَا وَعَدَ رَبُّکُمْ حَقًّا فَاِنِّیْ	اے مردہ کافرو! تم سے تمہارے رب نے جو وعدہ
قَدْ وَجَدْتُّ مَا وَعَدَنِیْ رَبِّیْ حَقًّا	فرمایا تھا کیا تم نے اسے صحیح پایا؟ کیونکہ مجھ سے تو میرے

! پروردگار نے جو وعدہ فرمایا تھا میں نے تو اسے ویسا ہی سچ پایا

اس پر مسلمانوں نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! کیا آپ اک مردہ جماعت سے خطاب فرماتے ہیں؟ فرمایا۔ میں ان سے جو خطاب کر رہا ہوں تم بھی ان سے کچھ زیادہ نہیں سن سکتے لیکن فرق اتنا ہے کہ وہ صرف مجھے جواب نہیں دے سکتے۔ پھر قیدی آپ کے سامنے لاتے گئے جن کے متعلق رسول اللہؐ نے اپنے صحابہ سے مشورہ فرمایا۔ حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا یہ آپ کی قوم اور آپ ہی کے لوگ ہیں۔ ان سے فدیہ لے کر چھوڑ دیجئے شاید آئندہ خدا انھیں توبہ کی توفیق عطا فرماوے۔ حضرت عمرؓ نے عرض کیا۔ انھوں نے آپ کو وطن سے نکالا اور آپ کو جھٹلایا بہتر ہے کہ آپ ان کی گردنیں اڑوا دیں۔ ابن رواحہ نے عرض کیا۔ ایک گھنی جھاڑیوں والی گھاٹی دیکھ کر ان سب کو اس میں داخل کر کے اوپر سے اس میں آگ لگا دی جائے۔ یہ سب سن کر رسول اللہؐ نے حضرت ابوبکرؓ کی رائے پر عمل فرمایا۔ اور ہر قیدی کا فدیہ چار سو درہم مقرر فرمایا۔ ان قیدیوں میں رسول اللہؐ کی صاحبزادی زینب کا شوہر "ابوالعاص بن ربیع" بھی تھا جب مکہ والوں نے اپنے اپنے قیدیوں کے فدیے خدمتِ اقدس میں ارسال کئے تو زینبؓ نے ابوالعاص کے فدیہ میں جو مال بھیجا اس میں اپنا وہ ہار بھی بھیجا جو حضرت خدیجہؓ نے شادی کے وقت ان کے گلے میں ڈالا تھا۔ جوں ہی رسول اللہؐ نے اسے دیکھا آپ پر رقت طاری ہو گئی اور آپ نے فرمایا اگر تم مناسب سمجھو تو اس کے قیدی کو چھوڑ دو اور اس کا مال اسے واپس کر دو۔ سب نے عرض کیا بہت اچھا۔ چنانچہ ابوالعاص کو چھوڑ دیا اور حضرت زینب کا مال واپس کر دیا۔ اس نے مکہ واپس جاتے ہی رسول اللہؐ کی صاحبزادی کو عزت و احترام کے ساتھ آنحضرتؐ کی خدمت میں بھیج دیا کیونکہ حضرت زینب کے اسلام لے آنے کی وجہ سے شرع نے ان میں از خود علیحدگی پیدا کر دی تھی پھر ایک مرتبہ یہ واقعہ پیش آیا کہ کسی موقع پر مسلمانوں نے ابوالعاص کا سامانِ تجارت روک لیا تب وہ مدینہ آیا اور حضرت زینب کی پناہ چاہی انھوں نے پناہ دے دی اور ان کا سامان انھیں واپس دلوا دیا۔ جسے لے کر وہ مکہ کو واپس ہو گئے اور اپنے سب قرضے ادا کر کے مدینہ

حاضر ہوکر اسلام قبول کر لیا تب ان کی اہلیہ انھیں واپس کر دی گئیں۔

یہ معرکہ سب سے پہلا معرکہ تھا جو حضرت محمدؐ اور ان کے صحابہ کے کسی ارادہ اور کسی سابق جنگی تیاری کے بغیر اچانک پیش آگیا۔ اس میں مسلمانوں کی اعانت ایک اعجوبہ بلکہ ان معجزات میں سے ایک معجزہ تھی جن سے اللہ نے اپنے نبی اور مومنوں کو ان کے خدا پر اعتماد اور کسی خوف و دہشت کے بغیر جہاد فی سبیل اللہ کے اقدام کے نتیجہ میں نوازا تھا۔ حتی کہ ان اعمال کے بعد خدا نے اپنے نبی کو اس آیت میں مطلع فرمادیا کہ اس نے اپنے رسول کی دعا قبول فرمالی ہے۔

اِنِّیْ مُمِدُّکُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِکَۃِ مُرْدِفِیْنَ میں ہزار جنگجو فرشتے پے بہ پے تمھاری مدد کو بھیجوں گا

یہ صرف انکے دلوں سے خوف زائل کرنے کی غرض سے فرمایا ورنہ اگر خدا کسی فریق کی مدد کا ارادہ فرمائے تو اس کے لئے ویسے ہی اسباب مہیا فرمادیتا ہے کہ پھر دنیا کی کوئی طاقت اسے رسوا نہیں کرسکتی جیسا کہ ارشاد باری ہے۔

وَمَا جَعَلَہُ اللّٰہُ اِلَّا بُشْرٰی وَلِتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُکُمْ بِہٖ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰہِ الْعَزِیْزِ الْحَکِیْمِ۔ پ ۹ ع ۱۵۔

اور اللہ نے فرشتوں کی یہ مدد تو محض تمھارے اطمینان و دلجمعی اور بشارت کے طور پر دی تھی۔ لیکن حقیقی مدد تو صرف اسی خدا کی طرف سے تھی جو قوی اور حکمت والا ہے۔

یہ معرکہ ایک عظیم الشان مثالی نمونہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ جو مسلمان کو اس پختہ یقین پر آمادہ کر دیتا ہے کہ مدد در حقیقت اللہ ہی کے قبضۂ قدرت میں ہے اور وہ اپنی قدرت سے اپنے مومن بندوں میں سے جسے چاہے اس مدد سے نوازتا ہے۔ چنانچہ حق تعالیٰ نے اپنی کتاب کریم میں مومن بندوں کو اپنی یہ امداد یاد دلائی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔

وَلَقَدْ نَصَرَکُمُ اللّٰہُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّۃٌ فَاتَّقُوا اللّٰہَ لَعَلَّکُمْ تَشْکُرُوْنَ۔ پ ۴ ع ۴

اور اللہ اس سے پہلے غزوہ بدر میں تمھاری مدد کرچکا ہے جب تم بے سروسامان اور کمزور تھے۔ پس اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ تم اسکے شکر گذار و احسان مند بندے بن جاؤ۔

واقعۂ احد

مسلمانوں کی طرف سے مکہ کی مسلسل ناکہ بندی جاری رہی یہاں تک کہ قریش شام کے سفر سے بھی ڈرنے لگے۔ اس لئے طے پایا کہ اب تجارت کے لئے عراق کا سفر اختیار کیا جائے بعض تجار جن میں ابوسفیان بن حرب بھی تھا تجارتی سفر پر نکلے۔ ابوسفیان کے ساتھ کثیر مقدار میں چاندی تھی کیونکہ اس وقت ان کی سب سے بڑی تجارت یہی تھی۔ ان تجار نے بنو بکر بن وائل کے ایک شخص 'فرات بن حیان' نامی کی خدمات عراق کا راستہ بتلانے کے لئے معاوضہ پر حاصل کیں۔ جب یہ قافلہ "قردہ" نامی مقام پر پہنچا تو وہاں حضرت زید بن حارث نے اسے آگھیرا انھیں دیکھکر سب قافلہ والے بھاگ کھڑے ہوتے۔ حضرت زید نے قافلہ کے جانوروں اور ان پر لدے ہوئے سب سامان پر قبضہ کر لیا اور اسے ہانک کر رسول اللہؐ کی خدمت میں لے گئے۔ اس عمل سے قریش بہت عاجز آچکے تھے چنانچہ ابوسفیان بن حرب نے مکہ واپس ہوکر کہا کہ اے اصحاب قریش! محمدؐ نے تم پر بہت ظلم کئے اور تمھارے بہترین اکابر کو قتل کر ڈالا۔ پس تم سب مل کر ان سے لڑنے میں ہماری مدد کرو تاکہ ہم ان سے اپنے مقتولین کا انتقام لے سکیں۔ اس پر قریش اہلِ قافلہ اور قریش کے طرف دار قبائل کنانہ اور تہامہ والے سب کے سب جمع ہو گئے اور ابوسفیان کی سرکردگی میں اپنے تمام تر وسائل ہتھیار اور مکمل ساز و سامان کے ساتھ جنگ کے ارادہ سے نکلے ان کے پیچھے ہودجوں پر سوار ہوکر عورتیں بھی نکلیں تاکہ مردوں کو جنگ پر اُبھارتی رہیں اور انھیں راہِ فرار اختیار کرنے سے روکتی رہیں۔

لہ نجد کے ایک چشمہ کا نام ہے۔ م

یہاں تک کہ ان لوگوں نے مدینہ کے مقابل وادی کے کنارے کی نہر کے قریب بطن سبخہ کے ایک پہاڑی مقام "عینین" پر جا کر پڑاؤ ڈالا۔ جب رسول اللہؐ نے ان کی آمد کی خبر سنی تو اس کے متعلق مسلمانوں سے مشورہ کیا۔ اہل شوریٰ میں عبداللہ بن ابی بن سلول بھی تھا آپ نے اس سے بھی مشورہ کیا حالانکہ اس سے قبل کبھی اس سے مشورہ نہ فرمایا تھا۔ عبداللہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ مدینہ ہی میں رہیئے باہر نہ نکلئے، اللہ کی قسم ہے ہم نے جب کبھی باہر نکل کر دشمن کا مقابلہ کیا ہے اس نے ہم پر غلبہ پا لیا ہے، اور جب کبھی کوئی دشمن ہمارے شہر میں ہم پر حملہ آور ہوا ہے تو ہم نے ہمیشہ اس پر فتح پائی ہے۔ پس باہر نکل کر جنگ کرنا کیوں کر مناسب ہو سکتا ہے۔ جبکہ آپ بھی ہم میں موجود ہوں؟ لہٰذا انھیں اپنے حال پر چھوڑ دیجئے۔ اگر وہ مدینہ کے باہر ہی ٹھیرے رہے تو بہت خطرناک مقام پر ٹھیریں گے؛ اور اگر اندر گھس آئے تو مرد تو سب کے سب ان سے دو بدو لڑیں گے اور عورتیں اور بچے ان پر پتھراؤ کریں گے اور اگر وہ باہر سے ہی لوٹ گئے تو نامراد و ناکام لوٹیں گے۔

اس رائے سے اکثر انصار نے اتفاق کیا۔ مگر مہاجرین اور بعض انصار نے عرض کیا کہ ہمیں ان کے مقابلہ میں باہر نکلنے کا حکم دیجئے تاکہ وہ یہ گمان نہ کریں کہ ہم ان سے خوف زدہ ہو گئے ہیں حضرت رسول اللہؐ نے فرمایا کہ میں نے ایک خواب دیکھا تھا جس میں ایک بات تو یہ دیکھی تھی کہ میرے قریب ایک گائے ذبح کی جا رہی ہے۔ میں نے اس کو بھلائی سے تعبیر کیا۔ دوسری یہ تھی کہ میری تلوار کی دھار میں دندانہ پڑ گیا ہے۔ اس کی تعبیر میں نے شکست سے کی۔ تیسری یہ تھی کہ گویا میں نے ایک مضبوط و مستحکم زرہ میں اپنا ہاتھ ڈالا ہے۔ اس سے میں نے مدینہ کے شہر کو تعبیر کیا۔ پس اگر تم مناسب سمجھو تو مدینہ ہی میں رہ کر انھیں مقابلہ کی دعوت دو۔ مہاجرین نے عرض کیا۔ نہیں بلکہ ہمیں شہر سے باہر نکل کر اپنے دشمن سے مقابلہ کرنے کی اجازت دیجئے۔ غالباً نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن ابی بن سلول، کی گفتگو سے کمزوری اور قدیم دیہی ورسمی باتوں کی پابندی کا احساس فرما لیا تھا جو اللہ پر یقین، اس کی مدد پر بھروسہ اور

نہایت سرعت و مستعدی سے جہاد فی سبیل اللہ کی طرف اقدام کرنے کے وجوب سے ذرا بھی میل نہیں کھاتیں۔ اور اغلب ہے کہ آپ نے عبداللہ بن سلول کے دلی نفاق کو بھی تاڑ لیا ہو۔ اس لئے آپ نے اس کی رائے سے اتفاق نہیں فرمایا۔ مکان میں تشریف لے گئے، اپنی وہ زرہ جسے آپ لڑائیوں میں پہنا کرتے تھے زیب تن فرمائی، باہر تشریف لائے اور مقام احد پر مشرکین سے جہاد کا عزم لئے ہوتے اپنے صحابہ کو ہمراہ لے کر جن میں عبداللہ بن سلول اور اس کی جماعت بھی شامل تھی وسط شوال ۳ھ م ۶۲۵ء کو نماز جمعہ کے بعد مدینہ سے کوچ فرمایا اور شنبہ کے روز صبح سویرے ہی احد کی گھاٹی میں جا پہنچے۔ یہاں آپ نے پاپیادہ چل کر جنگ کے لئے صحابہ کی صفیں منظم فرمائیں اور یہ ہدایت فرمائی کہ اس مقام پر جمے رہنا اگر کفار تمہیں دیکھ لیں گے تو الٹے پیروں بھاگیں گے۔ مگر تم نہ ان کا تعاقب کرنا نہ اپنی جگہ سے ہٹنا۔

اَلَنْ یَّکْفِیَکُمْ اَنْ یُّمِدَّکُمْ رَبُّکُمْ بِثَلٰثَۃِ اٰلَافٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِکَۃِ مُنْزَلِیْنَ بَلٰٓی اِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا وَیَاْتُوْکُمْ مِّنْ فَوْرِھِمْ ھٰذَا یُمْدِدْکُمْ رَبُّکُمْ بِخَمْسَۃِ اٰلَافٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِکَۃِ مُسَوِّمِیْنَ پ ۴ - ع ۴	کیا تمہارے لئے یہ کافی نہیں کہ اللہ تعالیٰ تمہاری مدد کے لئے آسمان سے تین ہزار فرشتے نازل کر دے ہاں کیوں نہیں! اگر تم استقامت کے ساتھ جمے رہو اور حکم الٰہی کی مخالفت سے بچتے رہو۔ اور دشمن ایک دم حملہ کر دے تو حق تعالیٰ اسی وقت پانچ ہزار خاص وضع کا نشان رکھنے والے فرشتوں سے تمہاری مدد فرمائے گا

یہاں عبداللہ بن سلول کے دل میں کینہ کی آگ بھڑک اٹھی اور ایمانی کمزوری کی بنا پر اس پر یہ امر بہت شاق گذرا کہیں رسول اللہ اس کے مشورہ کے خلاف عمل کر کے کامیابی سے ہمکنار نہ ہو جائیں۔ اس جذبہ کے تحت اس نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ محمدؐ تمہاری مدد سے ہی دشمن پر فتح پا سکیں گے۔ انھوں نے اپنے صحابہ کو یہ اطمینان دلایا ہے کہ ان کے دشمن انھیں یہاں دیکھتے ہی پس پا ہو جائیں گے۔ اس لئے میری رائے ہے کہ جب تم مسلمانوں کے دشمنوں کو آتا دیکھو تو تم خود پس پا ہو جاؤ تاکہ وہ تمہارا تعاقب کریں اس طرح معاملہ محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مقولہ کے برعکس

ہوجائے گا۔ چنانچہ جب فریقین میں مڈبھیڑ ہوئی تو عبداللہ بن ابی سلول منافقوں کی جماعت کو لے کر پیچھے ہٹ گیا اس طرح آنحضرتؐ کا ابتداءً عبداللہ سے مشورہ لینے کا الٹا نتیجہ سامنے آگیا ان منافقین کی تعداد مسلمانوں کے پورے لشکر کی ایک تہائی تھی۔ ان کے علاوہ باقی مسلمان جن کی تعداد سات سو رہ گئی تھی برابر اپنے مقام پر جمے رہے اور مشرکین کو شکست دے دی مگر یہ ایک ناگوار واقعہ پیش آیا کہ جب انھوں نے دشمن کی پسپائی دیکھی جس کی خوش خبری پہلے ہی حق تعالیٰ نے ان کو دے دی تھی تو انھیں یہ خیال پیدا ہوگیا کہ اس فتح میں ان کی اپنی ذاتی جنگی قابلیت کو دخل تھا اور رسول اللہؐ نے پسپا ہونے والوں کے تعاقب سے جو منع فرمایا تھا اسے یک سر نظرانداز کردیا اور ان پر حملہ آور ہوکر دور تک انھیں دباتے چلے گئے اور جن مقامات پر جمے رہنے کا رسول اللہؐ نے انھیں حکم فرمایا تھا انھیں چھوڑ گئے! اس لئے حق تعالیٰ نے ارادہ فرمایا کہ انھیں یہ جتلادیا جائے کہ انھیں جو فتح نصیب ہوئی تھی اس میں ان کی ذاتی تاثیر کو کوئی دخل نہ تھا۔ بلکہ وہ صرف رسول اللہؐ کے احکام کے اتباع اور آپ کے بتائے ہوئے جنگی خطوط کی پابندی کا نتیجہ تھی لیکن جوں ہی انھوں نے احکام رسول کی مخالفت کی تو خدا نے مشرکوں کے دلوں سے ان کی ہیبت مٹادی اس لئے انھوں نے ان پر پلٹ کر پھر حملہ کردیا نتیجہ یہ ہوا کہ رسول اللہؐ کو تنہا چھوڑ کر اسلامی لشکر تتر بتر ہوگیا۔ آپ کا روئے مبارک زخمی ہوگیا۔ اور اوپر کے چار دندان مبارک شہید ہوگئے۔ آپ کی مدافعت کرتے کرتے حضرت طلحہ کا ہاتھ شل ہوگیا اور آپ کے ساتھ حضرت ابوبکرؓ علیؓ، عباسؓ، طلحہ اور سعد رہ گئے۔ یہاں تک کہ لوگوں میں مشہور ہوگیا کہ (خدانخواستہ) حضرت محمدؐ شہید ہوگئے۔

اِس افواہ نے اکثر مسلمانوں کے دلوں پر غیر معمولی اثر کیا وہ پسپا اور دل شکستہ ہوگئے بعض بھاگ کر مدینہ تک جا پہنچے مگر شہر کے اندر داخل نہیں ہوئے۔

شکست خوردہ جماعتوں کے باقی ماندہ اصحاب میں سے انس بن نضر نے پکار کر اعلان کیا کہ محمدؐ کی شہادت کے بعد تم زندہ رہ کر کیا کروگے؟ اس لئے اٹھ کھڑے ہو اور جس مقصد کے لئے محمدؐ

نے جان دی ہے تم بھی اس کے لیے اپنی جان دے دو' پھر لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر کہا۔ کہ میں احد کی طرف سے جنت کی بو محسوس کر رہا ہوں۔ یہ کہکر وہ دشمنوں پر لوٹ پڑے حتیٰ کہ شہید ہو گئے رسول اللہؐ جب اس طرف تشریف لائے تو سب سے پہلے حضرت کعب بن مالک نے آپ کو خود کے نیچے دبا ہوا دیکھکر پہچانا اور بلند آواز سے پکار کر کہا! اے مسلمانو! خوش خبری سن لو' رسول اللہؐ یہاں موجود ہیں اس آواز پر سب مسلمان وہاں جمع ہو گئے اور جس وادی میں آپ خیمہ زن تھے آپ کو وہاں اٹھائے گئے اور وہیں جم گئے۔ وہاں ابو سفیان پہاڑ پر چڑھ کر بلند آواز سے پکار پکار کر کہنے لگا۔ لڑائی دو دن پہلو رکھتی ہے کبھی کے دن بڑے کبھی کی رات۔ اے ہبل بلند ہو' یعنی اپنے دین کا بول بالا کر' یہ سنکر رسول اللہؐ نے فرمایا اے عمر کھڑے ہو کر ابو سفیان کا جواب دو اور کہو کہ

اللہ اعلیٰ واجل۔ لا سواء	خدا بہت بلند اور بہت عظمت وجلال والا ہے
قتلانا فی الجنۃ وقتلاکم	ہم تم کبھی برابر نہیں ہو سکتے' ہمارے مقتول جنت
فی النار۔	میں ہیں اور تمہارے دوزخ میں۔

ابو سفیان نے حضرت عمر کی آواز سنکر انھیں اپنے پاس بلایا آنحضرتؐ نے فرمایا کہ جاؤ اور اس کے حال کا جائزہ لو۔ ابو سفیان نے حضرت عمر سے کہا۔ اے عمر! میں خدا کی قسم دے کر تم سے پوچھتا ہوں۔ کیا ہم نے واقعی محمدؐ کو قتل کر ڈالا ہے؟

حضرت عمر نے جواباً کہا۔ خدا کی قسم ہرگز نہیں بلکہ وہ تو یہاں سے ابھی ابھی تمہاری باتیں سماعت فرما رہے ہیں۔ ابو سفیان نے کہا۔ تم میرے نزدیک' ابن قمیہ سے زیادہ راست گو ہو جس نے آکر مجھے اطلاع دی تھی کہ اس نے اپنے ہاتھ سے محمدؐ کو قتل کیا ہے۔

پھر ابو سفیان نے کہا کہ اگر تمہارے مقتولین میں کچھ لوگ مُثلہ (۱) پائے جائیں تو خدا کی قسم ہے نہ میں ایسا کرنے والوں سے راضی ہوں نہ ناخوش' نہ میں نے کسی کو ایسا کرنے سے روکا ہے نہ اس کا حکم ہی دیا ہے' پھر دوسری مرتبہ پکار کر اعلان کیا کہ اے مسلمانو! ہماری طرف سے

---

(۱) کسی کے کان ناک وغیرہ کاٹ کر اس کا حلیہ مسخ کر دینے کو مثلہ کہا جاتا ہے۔ م

آئندہ سال مقام بدر پر تمھیں جنگ کا الٹی میٹم ہے، جوابًا رسول اللہؐ نے ایک صحابی کو یہ اعلان کرنے کا حکم دیا کہ بے شک ہمیں بھی مقام بدر پر تمھارا جنگی چیلنج منظور ہے۔ تاہم رسول اللہؐ نے اسے سچ نہ سمجھا کہ دشمن مسلمانوں کو اس کمزور حالت میں یوں ہی چھوڑ کر چلے جائیں گے اور ان کا تعاقب نہ کریں گے یا وہ خاص مدینہ کے شہر پر حملہ آور نہ ہوں گے جس کے ارادہ سے وہ نکلے تھے۔ پس آپ نے حضرت علی بن ابی طالب سے فرمایا۔ ذرا ان کی نقل و حرکت پر نظر رکھو کہ یہ لوگ کیا کرتے اور کیا ارادہ رکھتے ہیں؟ اگر یہ لوگ اونٹوں پر سوار ہوتے اور گھوڑوں کو کوتل رکھا تو سمجھنا کہ یہ مکہ جا رہے ہیں۔ اور اگر گھوڑوں پر سوار ہوتے اور اونٹوں کو کوتل رکھا تو سمجھ لینا کہ وہ مدینہ کا رخ کریں گے۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر انھوں نے مدینہ کا رُخ کیا تو میں بھی ضرور مدینہ پہنچ کر ان کے بالمقابل صف آرا ہوں گا اور ان کا مقابلہ کروں گا۔ یہ حکم پا کر حضرت علی ان لوگوں کے پیچھے پیچھے چلے اور دیکھا کہ یہ لوگ اونٹوں پر سوار ہوئے اور گھوڑوں کو کوتل لے چلے اور مکہ کی طرف رخ کیا۔ ان کی رپورٹ پر آنحضرتؐ نے جان لیا کہ مشرکین جو مسلمانوں کے کلی استیصال کا ارادہ رکھتے تھے۔ خدا نے انھیں اس فاسد ارادہ سے روک دیا ہے۔ اس لئے انھوں نے مسلمانوں کا تعاقب نہیں کیا، اور جس راستے سے آئے تھے اسی راستے سے واپس چلے گئے ہیں اس اطمینان کے بعد نبی کریمؐ اور آپ کے صحابہ میدانِ جنگ کی طرف گئے اور اپنے شہدار کو جمع کر کے انھیں غسل دیا ان کی نماز پڑھے بغیر انھیں دفن کر دیا۔ ان ہی شہدا میں نبی کریمؐ کے چچا حضرت حمزہ بھی تھے۔ جنھیں مسلمانوں نے نہ صرف مقتول بلکہ مثلہ بھی پایا۔ اور عبد بن حجش نامی ایک غلام نے انھیں دفن کیا۔ ہندہ بنت عتبہ نے شدتِ غیظ و کینہ کی وجہ سے ان کا جگر نکال کر چبا ڈالا تھا۔ اس پر رسول اللہؐ حد درجہ غمگین ہوئے یہ آپ کے خواب کی ایک تعبیر تھی جو اس صورت میں ظاہر ہوئی۔

پھر نبی کریمؐ اپنے گھوڑے پر سوار ہوئے مسلمانوں کو صف بستہ ہونے کا حکم دیا چنانچہ سب مردوں نے آپ کے پیچھے اور عورتوں نے مردوں کے پیچھے اپنی صف بنائی۔ پھر آپ نے

فرمایا کہ شانہ بشانہ قدم بہ قدم سیدھے کھڑے رہو تاکہ میں اپنے پروردگار کی حمد بیان کرلوں چنانچہ سب قدم ملاکر کھڑے ہو گئے آپ نے اللہ کی حمد و ثنا بیان فرمانی شروع کی اور ایک جامع و رقت انگیز دعا فرمائی۔ پھر اس معرکہ کے دن ہی شنبہ کی شب کو سب کوچ کر کے مدینہ کی طرف روانہ ہو گئے اور صحیح و سالم وہاں پہنچ گئے۔ یہ خدا کی طرف سے ایک کھلی ہوئی مدد تھی۔ حتیٰ کہ حضرت ابن عباس نے فرمایا۔ کہ:-

"رسول اللہؐ کی کسی مقام پر ایسی مدد نہیں فرمائی گئی جیسی کہ احد کے دن فرمائی گئی۔"

بعض لوگوں نے ان سے اس رائے میں اختلاف کیا تو انھوں نے فرمایا کہ میرے اور تمھارے درمیان اللہ کی کتاب فیصلہ کرنے والی ہے۔ حق تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:-

وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗ اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ بِاِذْنِهٖ	اے مسلمانو! اللہ نے تم سے اپنا وعدہ سچا کر دکھایا جبکہ تم ابتداءً غزوۂ احد میں اس کے حکم سے دشمن کو کاٹ کاٹ کر پھینک رہے تھے۔
پ ۴ - ع ۷	

اس میں کوئی شک نہیں کہ اس غزوہ میں اللہ کی طرف سے مندرجہ ذیل متعدد مواقع پر نبی کریمؐ کی نصرت و تائید واضح صورت میں ظاہر ہوئی۔

۱۔ رسول اللہؐ کے عبداللہ بن ابی بن سلول اور اس کی منافق جماعت کا مشورہ قبول نہ فرمانے میں جو در حقیقت اس کی اہل ہی نہ تھی کہ مومنین کی بجائے وہ مشیر کا منصب و مقام حاصل کرسکے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ کے اپنے نبیؐ پر منافقین کی بدنیتی اور مخلص مسلمانوں کے مقابلہ میں ان کے سوچے سمجھے ہوئے حیلوں کو پہلے سے منکشف فرما دینے میں نیز مجاہدین کی صفوں سے ان کے علیحدہ ہو جانے میں بہت بڑی بھلائی مضمر تھی۔

۳۔ جنگ میں ثابت قدم رہنے والے مومنوں کے مقابلہ میں ان کی قلتِ تعداد کے باوجود مشرکین کے شکست کھا جانے میں۔

۴۔ ہدایتِ رسول پر عمل نہ کرنے پر مسلمانوں کے شکست پا جانے میں۔

۵۔ بقیہ مسلمانوں کی جانوں کی خدا کی طرف سے حفاظت اور ان کے صحیح و سالم مدینہ کو پہنچ جانے میں "اور در حقیقت نبی کریمؐ اور آپ کے لشکر کا زندہ بچ نکلنا جنگی اعجوبوں میں سے ایک نادر اعجوبہ تھا۔ وہ کون سی مجبوری تھی، جو مشرکین کو مسلمانوں کا تعاقب کرکے ان کے کلی استیصال سے روک دیتی جبکہ شکست خوردہ مسلمان بالکل انکی نگاہوں کے سامنے ہی تھے اگر خدا کی وہ قدرت کاملہ مسلمانوں کے شامل حال نہ ہو جاتی جس نے مشرکین کے دلوں کو مسلمانوں کے بالکلیہ فنا کے گھاٹ اتار دینے کی پختہ رائے سے ہٹا دیا۔ جس کا عزم لے کر وہ آئے تھے۔ حالانکہ بظاہر مشرکین کا سابقہ رائے سے ہٹ جانے کا کوئی رسمی سبب بھی نہ پایا جاتا تھا۔ اس صورتِ حال نے رسول اللہؐ کو مزید حزم و احتیاط پر آمادہ کر دیا چنانچہ آپ نے دوبارہ حد واپس ہونے کی رائے قائم فرما کر لوگوں میں اعلان کرا دیا کہ سب لوگ دشمن کے مقابلہ کے لئے چل کھڑے ہوں اور ہمارے ساتھ صرف وہ حضرات چلیں جو پہلے اس معرکہ میں شریک ہو چکے ہیں۔ مسلمانوں نے اپنے شدید زخموں اور خوف کی کیفیت کے باوجود اسے قبول کر لیا اور کہا "بسر و چشم ہمیں منظور ہے"۔ پس آپ جنگ احد والے دن ۱۶ شوال کو انھیں ہمراہ لے کر روانہ ہو گئے۔ حتیٰ کہ مدینہ سے آٹھ میل پر بمقام "حمراء الاسد" پہنچے تھے کہ یہاں "معبد خزاعی" رسول اللہؐ سے آکر ملے اور اسلام قبول کر لیا۔ انھیں رسول اللہؐ نے فرمایا کہ ابو سفیان سے جا ملو اور اسے دوبارہ کسی حملہ کے ارادہ سے روکنے کی سعی کرو۔ چنانچہ یہ فوراً پلٹ گئے اور مکہ سے چالیس میل ادھر مقام 'روحاء' پر اس سے جا ملے۔ اس نے پوچھا اے معبد! کیا خبر لائے ہو؟ انھوں نے کہا کہ محمدؐ اور ان کے ساتھی تم پر حملہ آور ہونے کے لئے جمع ہو گئے ہیں اور اب کی مرتبہ اتنی بھاری فوج لے کر نکلے ہیں کہ اس سے قبل کبھی نہ نکلے تھے۔ احد میں ان کے پیچھے رہ جانے والے صحابہ بھی ان سے آملے ہیں۔ اس پر مشرک ایک دوسرے کو ملامت کرنے لگے اور باہم کہنے لگے کہ تم نے کچھ بھی نہ کیا۔ ان کی طاقت اور حدود پر غلبہ پاکر بھی انھیں چھوڑ دیا۔ اب ان میں ایسے افراد باقی رہ گئے ہیں جو پھر تمھارے خلاف جمع ہو گئے ہیں پس مناسب ہے کہ تم لوٹ چلو حتیٰ کہ انھیں جڑ بنیاد سے ہی اکھاڑ پھینکو۔ لیکن چونکہ معبد خزاعی کی خبر بھی سن چکے تھے۔ اس سے بھی پوچھنے لگے کہ

اس مسئلہ میں تمھاری کیا رائے ہے۔ معبد نے کہا میری رائے تو جنگ کے لئے تمھارا کوچ کرنا مناسب نہیں ہے۔ جب تک کہ ان کا مقدمۃ الجیش اس سامنے والے پہاڑی ٹیلہ پر سے آتا ہوا نظر نہ آجائے۔ اس پر ابوسفیان نے کہا۔ اللہ کی قسم ہم نے بالاتفاق انھیں پوری طرح فنا کردینے کی غرض سے ان پر دوبارہ حملہ کرنے کا تہیہ کر لیا ہے۔ معبد نے کہا میں تمھیں ہمدردانہ نصیحت کرتا ہوں کہ ایسا نہ کرو۔ پس کفار پچھلے پیروں مکہ لوٹ گئے۔ جب رسول اللہؐ کو کفار کے مکہ لوٹ جانے کی خبر ملی تو آپ بھی اپنے ساتھیوں سمیت مدینہ واپس ہو گئے۔ وہاں پہنچ کر مسجد میں تشریف فرما ہوتے اور مسلمان آپ کے گرد جمع ہو کر آپ سے اظہار ہمدردی کرتے اور آپ کو مبارک بادپیش کرنے لگے۔ اسی اجتماع میں عبداللہ بن ابی بن سلول جو احد میں جنگ کے شباب سے قبل ہی سب سے پہلے شکست کھانے والوں میں تھا۔ کھڑے ہو کر تقریر کرنے لگا کہ اے لوگو! تمھارے درمیان یہ رسول اللہؐ کی ذاتِ گرامی موجود ہے انہی کے ذریعہ سے خدا نے تمھیں غالب اور سربلند فرمایا ہے۔ پس تم ان کی ہر طرح مدد اور عزت کرو ان کی پوری پوری اطاعت کرو۔ مسلمان اس کی اس منافقانہ حرکت کو برداشت نہ کر سکے اور اُس کا دامن کھینچ کر اس سے کہا کہ اے خدا کے دشمن بیٹھ جا۔ تو اس تقریر کا اہل نہیں ہے۔ تو اس سے قبل بدر میں کیسی کیسی مخالفانہ حرکتیں کر چکا ہے۔ مجمع کا یہ رنگ دیکھکر اس سے اس کے سوا کچھ بن نہ پڑا کہ لوگوں کی گردنوں کو پھاندتا ہوا۔ باہر بھاگا۔ مسجد کے دروازے پر ایک انصاری سے اس کا سامنا ہو گیا انھوں نے پوچھا تمھیں یہ کیا ہوا؟ کہنے لگا میں رسول اللہ کے معاملہ کو اور مستحکم کرنے کی نیت سے کھڑا ہوا تھا کہ آپ کے صحابہ میں سے کچھ لوگ مجھ پر جھپٹ پڑے۔ مجھے جھٹلانے لگے، خاموش کرنے لگے اور لعنت ملامت کی بوچھاڑ کرنے لگے، جیسا کہ میں نے کوئی بہت ہی بُری بات کہہ دی ہو ان انصاری نے کہا تیری حالت پر افسوس ہے۔ چل واپس چل، رسول اللہؐ تیرے لئے خدا سے معافی کی دعا فرما دیں گے۔ اس پر عبداللہ نے کہا۔ واللہ میں ان سے دعائے مغفرت کرانا نہیں چاہتا۔ واقعہ یہ تھا کہ اس کے نفاق کا حال عام مسلمانوں میں پھیل چکا تھا اور اسے "منافقین کے سردار"

کے نام سے پکارا جانے لگا تھا۔

نبی کریم نے اس موقع پر اپنی امت کو چند عملی سبق دیئے ہیں جن کا اتباع لازمی ہے۔ اور وہ یہ ہیں کہ اس زندگی میں مسلمان کے لئے اسباب کا اختیار کرنا، جنگ کے لئے پوری تیاری کرنا، معرکہائے جنگ میں غور و خوض کرنا، افسران کے احکام کی اطاعت کرنا ضروری ہے اور ان ظاہری اسباب کے ساتھ ہی اللہ پر کامل بھروسہ بھی رکھنا ضروری ہے۔ جو غیبی طاقتوں کو بھیج کر جنگی موقف بدل ڈالنے پر قادر ہے اور وہ ان غیبی قوتوں کے ذریعہ جس کی چاہے مدد فرما سکتا ہے جو اس انسان کو اس کے برتر دشمن پر بھی فتح دلا سکتی ہیں۔

ان غیبی قوتوں میں دشمنوں کے قلوب میں ہیبت بٹھا دینا اور ان کے سردار سے ایسی غلطی سرزد کرا دینا بھی شامل ہے جس کی وجہ سے وقت گذر جانے کی وجہ سے اس غلطی کی تلافی نہ ہو سکے۔ اسی لئے رسول اللہؐ تلوار لے کر اپنی قوم کے ہمراہ عملی طور پر جہاد میں شرکت فرماتے تھے اور ساتھ ہی اللہ سے اعانت طلبی کے لئے انتہائی خشوع و انکسار سے دعا بھی فرماتے جاتے تھے۔

معمولی جنگی جھڑپیں اور مختلف فتنے

قریش کی احد سے واپسی اور کفارِ عرب کے دلوں پر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کا رعب چھا جانے کے بعد اطراف واکناف کے تمام عرب آنحضرتؐ کی دعوت کی عام اشاعت اور آپ کے دین کے داعیوں کی روز افزوں طاقت کو دیکھکر دہشت زدہ ہوگئے اور وہ تدابیر سوچنے لگے جن کے ذریعہ وہ خون بہائے بغیر دوسرے طریقوں سے کام لے کر اس دعوتِ الٰہیہ کا مقابلہ کرسکیں اور حضرت محمدؐ کے صحابہ کو خوف زدہ کر دینے والی اور عبرت ناک تکالیف پہنچا سکیں پس شیطان نے انھیں رسول اللہؐ کو مغالطہ دینے اور آپ کے صحابہ سے چال بازی وعیاری کرنے کی ایک تدبیر سجھائی وہ یہ کہ مقامات 'عضل وقارہ' کے کچھ لوگوں نے خدمت اقدس میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ہم میں اسلام پھیل گیا ہے اس لئے آپ ہمارے ہمراہ اپنے چند صحابہ کو بھیج دیں تاکہ وہ ہمیں دینی مسائل بھجائیں قرآن پڑھائیں اور شریعت اسلامیہ کی تعلیم دیں۔ رسول اللہؐ نے ان کی اس درخواست کو بطیبِ خاطر قبول فرمالیا اور فوراً اس مہم کی انجام دہی کے لئے جو آپ کو ہر چیز سے زیادہ عزیز تھی اکابرِ صحابہ میں سے چھ اصحاب پر مشتمل ایک نمائندہ وفد نامزد فرماکر، مرثد بن ابی مرثد غنوی کو اس کا رئیس مقرر فرمادیا یہ حضرات ان کے ہمراہ روانہ ہوگئے ابھی یہ سب لوگ حجاز ہی میں عسفان و مکہ کے درمیان قبیلۂ ہذیل کے چشمہ کے کنارے مقام "رجیع" پر پہنچے پائے تھے۔ کہ انھوں نے اس وفد سے عہد شکنی کی بعض کو قتل کر ڈالا اور باقی اصحاب کو قیدی بناکر مکہ لے گئے اور انھیں قریش کے بعض سرداروں کے ہاتھ فروخت کر دیا تاکہ وہ ان سے خوب

انتقام لیں یہ حادثہ اواخر ۳ھ مارچ ۶۲۵ء میں پیش آیا۔

پھر صفر ۴ھ مئی ۶۲۵ء میں ابو براء عامر بن مالک بن جعفر نے رسول اللہؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ کے سامنے یہ تجویز پیش کی کہ آپ اپنے بعض صحابہ کو دعوتِ اسلام کی تبلیغ کے لئے نجد کی طرف روانہ فرما دیں آنحضرتؐ نے فرمایا مجھے اہل نجد کی طرف سے صحابہؓ کی ہلاکت کا خطرہ ہے اس نے عرض کیا کہ میں ان کا پشت پناہ رہوں گا آپ بلا خوف و خطر انھیں بھیج دیجئے تاکہ لوگوں میں آپ کے اسلام کی تبلیغ کریں۔ اس یقین دہانی پر آپ نے اس کی رائے سے اتفاق فرما لیا۔ اور حضرت منذر بن عمرؓ کو اپنے صحابہ میں سے ستر چیدہ و بہترین منددبین کا رئیس بنا کر اس مقصد کے لئے روانہ فرما دیا۔

چنانچہ یہ حضرات روانہ ہو کر جب "بئر معونہ" پر پہنچ کر ٹھیرے جو عامر کی اراضی اور بنو سلیم کے پتھریلے میدان کے درمیان واقع ہے تو انھوں نے "حرام بن ملحان" کو رسول اللہؐ کا نامہ نامی دے کر اللہ کے دشمن اور اپنی قوم کے سردار "عامر بن طفیل" کے پاس بھیجا جب یہ نامہ مبارک اس کے پاس پہنچا تو اس نے اس خط کی طرف دیکھا بھی نہیں اور "قاصد" پر وار کر کے اسے اسی وقت قتل کر ڈالا۔ ادھر بنو سلیم کے قبیلے والے باقی صحابہ پر ٹوٹ پڑے اور ایک ایک کر کے سب کو قتل کر ڈالا۔ صرف کعب بن زید بچ گئے۔ یہ بھی انہی مقتولین میں تھے لیکن ان کی زندگی تھی کہ بچ رہے اور اس کے بعد عرصہ تک زندہ رہ کر غزوۂ خندق میں شہید ہوئے۔

اسی سال قبیلہ "بنو نضیر" کے حوادث پیش آئے جیسا کہ ہم رسول اللہ کے اہل نجد سے تبلیغی ارتباط کے موقع پر اسے بالتفصیل بیان کر چکے ہیں۔

اسی سال ربیع الآخر کے مہینہ میں رسول اللہؐ اپنے چھ صحابہ کو ہمراہ لے کر نجد کی طرف روانہ ہوئے یہاں تک کہ مقام نخل" پر پہنچے جو نجد میں قبیلہ غطفان کی اراضی پر واقع ایک مقام کا نام ہے۔ راستہ میں انھیں سخت تکلیف پہنچی۔ یہاں تک کہ سب کے پیر پھٹ گئے اور انھوں نے اپنے پیروں کو چیتھڑے لپیٹ لئے۔

یہاں آپ نے غطفان کو بڑی بھاری تعداد میں جمع پایا۔ چنانچہ آپ نے یہاں اپنے صحابہ سمیت پہلی مرتبہ نمازِ خوف ادا فرمائی اور مدینہ کی طرف واپس ہو گئے جہاں آپ جمادی الاولیٰ کے مہینے میں پہنچ گئے اور یہ سفر "ذات الرقاع" (پیتھڑوں والے) کے نام سے مشہور ہو گیا۔ آخر رجب تک آنحضرتؐ مدینہ ہی میں مقیم رہے پھر ابتدائے شعبان ۴ھ میں اپنے صحابہ کو لے کر مقام "بدر" پر پہنچے۔ جہاں ابوسفیان کے مبارزت نامہ (چیلنج) کے مطابق جو اس نے احد میں دیا تھا اس کے مقابلہ کا انتظار فرمانے لگے۔ آپ یہاں آٹھ دن تک قیام فرما رہے۔ اس عرصہ میں ابوسفیان بھی اپنی قوم کی جمعیت کو لے کر مکہ سے باہر نکلا مگر پھر اس نے رائے بدل دی اور اپنی قوم سے کہا۔ اے اہلِ قریش! جنگ کے لئے خوش حالی کا سال تمہارے لئے مناسب ہو گا۔ جس میں تم لہلہاتی چراگاہوں میں جانوروں کو چرا سکو اور فراغت سے دودھ پی سکو۔ لیکن یہ تو خشک سالی کا سال ہے۔ اس لئے میں تو واپس ہوتا ہوں مناسب ہے کہ تم بھی واپس لوٹ چلو۔ پس سب واپس لوٹ گئے۔ اہلِ مکہ نے اس مناسبت سے اس لشکر کا نام "جیش السویق" (ستو پینے والا لشکر) رکھا اور کہنے لگے کہ تم تو صرف ستو پینے کے لئے باہر نکلے تھے۔

جب رسول اللہؐ کو اس واقعہ کا علم ہوا تو آپ بھی مدینہ شریف واپس ہو گئے۔ پھر ربیع الاول ۵ھ جون ۶۲۶ء میں "دومۃ الجندل" نامی مقام کی طرف کوچ فرمایا جو مدینہ کے اضلاع میں مدینہ سے پندرہ دن کی مسافت کے فاصلے پر واقع ہے لیکن وہاں تک پہنچنے سے پہلے ہی واپس تشریف لے آئے کیونکہ وہاں کوئی خطرہ نظر نہ آیا۔

اسی سال ماہ شوال میں غزوۂ خندق اور بنو قریظہ کا واقعہ پیش آیا اور شہر مدینہ کے یہودی منافقین سے پاک ہو جانے پر مسلمانوں کو پوری راحت و اطمینان نصیب ہوا۔ اس کے بعد رسول اللہؐ خانہ کعبہ کی زیارت کی تدبیر سوچنے لگے۔ پس آپ کی یہ رائے ہوئی کہ مکہ کے راستے پر چل پڑیں اور اس کے اطراف و اکناف کے بیرونی قبائل کو آزمائیں اور ان کے حالات معلوم فرمائیں یہ سوچ کر جمادی الاولیٰ ۶ھ اکتوبر ۶۲۷ء کو کوچ فرمایا۔ ابتداءً شام کے راستے پر تشریف

لے چلے پھر بائیں طرف پھر کر مکہ کے راستے پر واقع مقام "مجہ" پر پہنچے پھر تیزی سے چل کر بنو لحیان کے مقامات میں سے ایک مقام "غران" پر جا اترے جہاں کے باشندوں نے پہاڑوں میں جاکر پناہ لی اور آپ سے کوئی تعارض نہیں کیا یہاں سے چل کر آپ "عسفان" پہنچے اور اپنے صحابہ میں سے دو سواروں کو آگے روانہ فرمایا جو "کراع الغمیم" تک پہنچ کر واپس آئے اور انھوں نے کوئی خطرہ محسوس نہیں کیا، پس رسول اللہؐ مطمئن ہوکر مدینہ منورہ واپس ہو گئے۔ اثناء سفر میں آپ یہ فرماتے جاتے تھے۔

آئبون تائبون ان شاء اللہ	ہم انشاء اللہ عنقریب اپنے سفر سے واپس ہوکر
لربنا حامدون اعوذ باللہ من	اپنی لغزشوں سے جناب باری میں توبہ کریں گے اور
وعثاء السفر وکآبۃ المنقلب	اپنے پروردگار کی حمد وثنا بیان کریں گے۔ میں سفر کی
وسوء المنظر فی الاھل	دشواری و شدت سے اپنے وطن کے غم انگیز و رنج دہ امور اور اپنے
والمال :-	متعلقین و اموال کے متعلق ہر قسم کی برائی دیکھنے کی پناہ مانگتا ہوں

آپ کو مدینہ پہنچ کر چند ہی دن گذرے تھے کہ "عیینہ بن حصن فزاری" نے اپنے ساتھیوں سمیت چراگاہ میں آپ کے اونٹوں پر تاخت کی چرواہے کو قتل کر ڈالا اور اس کی بیوی اور اونٹوں کو لے کر چلتے بنے ان کی تلاش میں رسول اللہؐ نے اپنی ایک جماعت کو دوڑایا جس کا رئیس "سعد بن زید" کو مقرر فرمایا انھوں نے اس گروہ کو جا پکڑا اور کچھ اونٹ بھی ان سے چھڑا لیے۔ ادھر خود آنحضرتؐ بھی بنفس نفیس ان کے پیچھے پیچھے تشریف لے چلے اور رجب ۶ھ مطابق نومبر ۶۲۷ء کو "ذی قرد" نامی ایک پہاڑ پر خیمہ زن ہوئے یہاں "سلمہ بن اکوع" نے حاضر خدمت ہوکر باقی اونٹوں کو چھڑا لانے کی غرض سے کفار کا تعاقب کرنے کی اجازت چاہی مگر آپ نے اجازت نہیں دی۔ پھر آپ کے چرواہے کی بیوی آپ ہی کی ایک اونٹنی پر سوار ہوکر حاضر خدمت ہوئی اور آپ کو حالات سے آگاہ کیا پھر عرض کیا۔ یا رسول اللہ! میں نے خدا کی نذر مانی ہے کہ اگر اللہ اس اونٹنی کے ذریعہ مجھے کفار سے نجات دلائے گا تو میں اسے اس کے نام پر ذبح کردوں گی آپ نے تبسم فرمایا اور فرمایا

تیرا اس کے ذبح کرنے کا فیصلہ بہت برا فیصلہ ہے اگر خدا اس پر تجھے سواری کا موقع دے اور اسی کے ذریعہ تجھے دشمنوں سے چھٹکارا دلائے تو کیا پھر تو اسی کو ذبح بھی کر ڈالے گی؟ اللہ کی معصیت میں کوئی نذر صحیح نہیں اور نہ اس حال میں نذر صحیح ہے جو تیری ملک نہو، یہ تو میرے اونٹوں میں کی ایک اونٹنی ہے پس اسے میری طرف سے اپنے بال بچوں میں لے جا اللہ اس میں برکت دے گا پھر رسول اللہ نے ہر سو آدمیوں میں ایک ذبح شدنی اونٹ تقسیم فرمایا اور مدینہ واپس ہو گئے جہاں رجب کے باقی ایام تک مقیم رہے۔ پھر شعبان ۶ھ م دسمبر ۶۲۷ء میں آپ کو خبر ملی کہ "بنو مصطلق" حارث بن ضرار کی سرکردگی میں آپ پر حملہ کرنے کی تیاری کر رہے ہیں۔ اس خبر پر آپ نے ان کی سرزنش کرنے اور ان کو پھر مطیع بنانے کی غرض سے ان کے مقابلہ کے لئے کوچ کا حکم صادر فرمایا پ ان کے ایک چشمہ تک پہنچنے ہی والے تھے کہ انھوں نے بڑھ کر آپ پر حملہ میں پہل کر دی اور دونوں فریق دست بدست گھمسان کی جنگ میں گتھ گئے حتیٰ کہ بنو مصطلق کو شکست فاش ہو گئی اور ان کی اولادیں عورتیں اور مال سب تقسیم کر دیئے گئے۔ کچھ مسلمان پانی کے چشمہ پر تھے کہ کسی مہاجر و انصاری میں باہم جھگڑا ہو گیا جو بڑھتے بڑھتے فریقین میں جنگ کی صورت اختیار کر گیا اور ہر ایک فریق نے اپنی اپنی جماعت کو پکارا، عبداللہ بن ابی بن سلول نے جو اپنی قوم میں معزز محترم تھا مگر دل میں نفاق رکھتا تھا اس موقع کو غنیمت سمجھا اور وہ مسلمانوں میں باہم فساد ڈلوانے اور اختلاف کی خلیج کو وسیع کرنے کی سعی میں لگ گیا اور انصار سے مخاطب ہو کر کہنے لگا۔ مہاجرین نے کیا کچھ نہیں کیا! وہ ہمارے دیس میں رہ کر ہم سے نفرت کرنے لگے اور ہم پر چھا گئے۔ ہم نے انھیں ایسا ہی پایا جیسا پہلے کہہ گئے ہیں " اپنے کتے کو کھلا کھلا کر موٹا کر، آخر وہ تجھے ہی کاٹ کھائے گا" خدا کی قسم ہے جب ہم مدینہ واپس ہوں گے تو ہم میں کا ہر شریف ہر ذلیل کو نکال باہر کرے گا۔ پھر اپنی قوم کے حاضرین سے متوجہ ہو کر کہنے لگا تم نے ہی یہ سب کچھ اپنے ہاتھوں سے کیا ہے، تم نے ہی انھیں اپنے وطن میں آباد کیا، اپنے تمام اموال ان میں تقسیم کر دیئے واللہ اگر تم اپنے ہاتھ روک لیتے تو مجبور ہو کر یہ لوگ کسی اور جگہ چلے جاتے۔ حضرت زید بن ارقم نے یہ تمام بات

سُن لی اور اس خبر کو لے کر آنحضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کو یہ پورا واقعہ کہہ سنایا۔ یہ دشمن کے مقابلہ سے فراغت کے بعد کا واقعہ ہے۔ حضرت عمرؓ آپ کی خدمت میں حاضر تھے انھوں نے عرض کیا یا رسول اللہؐ عباد بن بشرؓ کو ابھی حکم دیجئے کہ وہ عبداللہ کا سر قلم کردیں۔ آپ نے فرمایا۔ اے عمرؓ یہ کیونکر ممکن ہے؟ ایسا کردوں تو لوگ چہ میگوئیاں کریں گے کہ محمد اپنے ہی ساتھیوں کو قتل کروانے لگے۔ نہیں یہ مناسب نہیں، اس فتنہ کو دبانے کے لئے سردست تو خاموشی سے کوچ کر جانا ہی بہتر ہے۔ جب آپ اپنی سواری پر سوار ہو گئے تو "اسید بن حضیر" نے حاضر ہو کر پہلے نبوت کے شایانِ شان تحیۂ اسلامی پیش کیا، پھر عرض کیا، یا نبی اللہؐ! آپ ایسے بے وقت سفر فرما رہے ہیں کہ اس سے قبل کبھی ایسے وقت آپ نے کوچ نہ فرمایا تھا۔ رسول اللہؐ نے فرمایا کیا تمھیں معلوم نہیں ہوا کہ تمھارے دوست نے کیا کہا ہے؟ انھوں نے عرض کیا۔ اے رسول اللہؐ کون سا دوست؟ فرمایا، عبداللہ بن ابی، عرض کیا کہ اس نے کیا کہا ہے؟ آپ نے فرمایا اس کا خیال ہے کہ مدینہ لوٹ کر معزز ذلیل کو نکال باہر کرے گا۔ انھوں نے عرض کیا۔ یا رسول اللہؐ! اگر آپ چاہیں گے تو آپ ہی اسے نکال باہر کریں گے۔ خدا کی قسم ہے وہی ذلیل ہے۔ اور آپ یقیناً معزز و محترم ہیں۔ یہ کہکر عرض کیا کہ یا رسول اللہ! اس سے نرمی کا برتاؤ کیجئے۔ واللہ خود خدا نے آپ کی ہستی کو ہم میں بھیجا ہے۔ خود اس کی قوم کے لوگ اس کا مقابلہ کر کے۔ جہاں موقع پائیں گے اسے ختم کردیں گے۔ وہ بے وقوف یہ خیال کر رہا ہے کہ شاید آپ نے اس سے اس کا ملک چھین لیا ہے۔

ادھر سن گن پاکر عبداللہ بن ابی بن سلول اپنی طرف منسوبہ مقولہ کا انکار کرنے لگا۔ اس لئے خدا نے اس کی تکذیب میں یہ آیت نازل فرمائی۔

هُمُ الَّذِينَ يَقُولُونَ لَا تُنْفِقُوا	وہی منافقین کہتے ہیں کہ رسول اللہ کے صحابہ پر کچھ خرچ
عَلَىٰ مَنْ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ حَتَّىٰ	مت کرو یہاں تک کہ وہ تنگ آکر منتشر ہو جائیں حالانکہ
يَنْفَضُّوا وَلِلَّهِ خَزَائِنُ السَّمَاوَاتِ	حقیقت واقعہ یہ ہے کہ زمینوں اور آسمانوں کی دولت

والارض ولکن المنافقین لا
یفقھون. یقولون لئن رجعنا
الی المدینۃ لیخرجن الاعز منھا
الاذل. وللہ العزۃ ولرسولہ و
للمؤمنین ولکن المنافقین لا یعلمون

= پ ۲۸ - ع ۱۳

کے تمام خزانے تو صرف خدا ہی کے قبضۂ قدرت میں ہیں
لیکن منافقین یہ بات نہیں سمجھتے۔ وہ یہ بھی کہتے ہیں
کہ مدینہ پہنچکر ہم میں کا عزت والا ذلیل کو نکال باہر کرے
گا حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ حقیقی عزت تو صرف خدائے
قدوس اس کے رسول اور مومنوں ہی کو حاصل ہے لیکن
منافقین یہ بات نہیں جانتے۔

جب عبداللہ بن ابی بن سلول کے فرزند عبداللہؓ بن عبداللہ کو ان تفصیلات کا علم ہوا تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا۔ یا رسول اللہ! مجھے خبر پہنچی ہے کہ آپ عبداللہ بن ابی کی طرف منسوبہ اطلاع کی بنا پر ان کے قتل کرانے کا ارادہ رکھتے ہیں اگر آپ ایسا کرنے ہی والے ہیں تو مجھے ہی اس کا حکم دیجئے میں خود ان کا سر کاٹ کر خدمت میں حاضر کردوں گا کیونکہ خدا کی قسم ہے قبیلۂ خزرج کو اچھی طرح علم ہے کہ اس کا کوئی شخص کبھی مجھ سے زیادہ اپنے باپ سے حسن سلوک کرنے والا نہیں ہے اس لئے مجھے ڈر ہے کہ کہیں آپ میرے سوا کسی اور کو میرے باپ کے قتل کا حکم دیں اور میرا نفس اپنے باپ کے قاتل کو لوگوں میں بدستور چلتا پھرتا ہوا دیکھنے کی تاب نہ لاسکے اور کہیں جذبۂ انتقام میں اسے قتل نہ کر ڈالوں اور اس طرح ایک مومن کو ایک کافر کے مقابلہ میں قتل کرکے جہنمی نہ بن جاؤں۔ رسول اللہ نے فرمایا ایسا نہیں ہے بلکہ ہم ان سے نرمی سے پیش آئیں گے اور جب تک وہ ہمارے ساتھ رہیں گے ہم ان سے اچھی طرح ہی پیش آتے رہیں گے۔ جب رسول اللہ نے بنو مصطلق کے اسیروں کو مجاہدین میں تقسیم فرمایا تو جویریہ بنت حارث ثابت بن قیس بن شماس کے حصہ میں آئی اس نے حضرت ثابت سے مکاتبت[1] کا معاملہ طے کرلیا۔ یہ ایک خوبصورت اور ملیح عورت تھی جو بھی اسے دیکھتا دل گرفتہ ہو جاتا۔ یہ اپنی مکاتبت کے سلسلہ میں مدد خواہی کے لئے آنحضرتؐ کی خدمت میں بھی حاضر ہوئی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ

---

(۱) آقا و غلام میں باہم طے شدہ مال کی ادائی کی شرط پر غلام کو آزاد کردینے کے معاہدہ کو مکاتبت کہا جاتا ہے۔ م

عنہا فرماتی ہیں کہ مجھے اسے اپنے حجرہ کے دروازہ پر دیکھنا ناگوار گذرا اور میں اسے دیکھتے ہی تاڑ گئی کہ رسول اللہؐ اسے دیکھتے ہی عقد پر آمادہ ہو جائیں گے۔ چنانچہ وہ آنحضرتؐ کی خدمت میں پہنچی اور عرض کیا یا رسول اللہ! میں اپنی قوم کے سردار حارث بن ابی ضرار کی بیٹی "جویریہ" ہوں، میں جس مصیبت میں گرفتار ہو گئی ہوں وہ آپ سے مخفی نہیں، میں ثابت بن قیس بن شماس کے حصہ میں آگئی ہوں اور میں نے اس سے اپنی آزادی کے لئے مکاتبت کا معاہدہ کر لیا ہے اور اسی سلسلہ میں امداد طلبی کے لئے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی ہوں۔ آپ نے فرمایا کیا تم اپنے لئے اس سے بہتر صورت قبول کر سکتی ہو؟ عرض کیا یا رسول اللہ وہ کون سی صورت ہے؟ فرمایا یہ کہ میں تمہاری طرف سے کتابت کی رقم ادا کر کے تم سے خود عقد کر لوں۔ عرض کیا۔ یا رسول اللہ۔ بے شک یہ صورت مجھے منظور ہے۔ فرمایا تو میں نے یہ رقم ادا کر دی۔

یہ خبر آناً فاناً لوگوں میں پھیل گئی کہ رسول اللہؐ نے جویریہ بنت حارث بن ابی ضرار سے عقد کا قصد فرما لیا ہے۔ اس پر لوگوں نے کہنا شروع کیا کہ یہ آنحضرتؐ کی سسرال والے ہیں اور اپنے اپنے حصہ کے غلاموں کو آزاد کر دیا جویریہ کہتی ہیں کہ آنحضرتؐ کے ان سے عقد فرمانے کی وجہ سے "بنو مصطلق" کے سو گھرانے آزاد ہو گئے۔ جب جویریہ کے والد کو اس واقعہ کا علم ہوا تو وہ خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر مشرف بہ اسلام ہو گئے اور اپنی صاحبزادی کا آپ سے عقد کر دیا۔ جن کا چار سو درہم آنحضرتؐ نے فوراً ادا فرما دیا۔

واقعۂ افک

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اشاعتِ حق کی راہ میں مشرکینِ قریش سے بہت سی تکلیفیں برداشت کیں۔ علی ہذا یہود کی طرف سے وہ مصائبِ شاقہ جھیلے جنھوں نے اس فراخ حوصلہ ہستی کو انتہائی آزردہ و دل تنگ کر دیا تھا۔ اور آپ نے یہ سب کچھ بطیبِ خاطر برداشت فرمایا کیونکہ آپ جانتے تھے کہ ہر مصلح کو یہ سب مشکلات ضرور پیش آتی ہیں۔ لیکن ایک بات کا آپ کو وہم و گمان تک نہ تھا اس لئے اس کا پیش آنا آپ پر بہت ہی شاق گذرا کیوں کہ آپ اپنے حسن اخلاق کی بنا پر لوگوں میں ہر دل عزیز تھے اور اپنے خدا کا فریضہ رسالت ادا کرنے کی وجہ سے مسلمانوں کی نظر میں مقدس ترین ہستی سمجھے جاتے تھے، اور چونکہ خدا نے آپ کی دل آزاری و ایذا رسانی کرنے والوں کے متعلق دردناک عذاب کا وعید فرمایا تھا اس لئے آپ لوگوں کی زباں درازیوں سے محفوظ تھے۔ اس بنا پر آپ کو یہ تصور بھی نہ ہوتا تھا کہ آپ کے رفقاء و محبین میں سے کوئی شخص آپ کے قلبِ صافی کو مکدر کر دے گا اور جسے آپ محبوب رکھتے ہوں اسی کی نسبت آپ کو رنج و صدمہ دے گا۔ لیکن یہ سب کچھ ہوا اور بعض لوگوں نے آپ کی عزیز اور محبوب ترین ہستی آپ کی زوجہ حضرت عائشہؓ پر بہتان گھڑنے کی دل آزار و ناروا حرکت کی جو ایک پاک باز، عفت مآب دوشیزہ اور آنحضرت کے مخلص ترین رفیق حضرت ابو بکر صدیقؓ کی صاحبزادی تھیں۔ یہ افترا پرداز کون لوگ تھے ایک حضرت عائشہ کے والد محترم حضرت ابو بکر صدیق کی خالہ کے نواسے "مسطح بن اثاثہ" تھے جو حضرت ابو بکرؓ کے مقرر کردہ

وظیفہ پر زندگی گذارتے تھے اور آپ ہی کے زیر بارِ احسان تھے۔ دوسری رسول اللہؐ کی سالی یعنی آپ کی زوجہ زینب بنت جحش "کی بہن۔ حمنہ بنت جحش" تھیں اور تیسرے رسول اللہؐ کے شاعر حضرت حسان بن ثابت تھے۔ یہ سب رسول اللہؐ کی اپنی زوجہ حضرت عائشہؓ سے غایت درجہ محبت سے واقف تھے۔ اور آپ دل سے چاہتے تھے کہ ممکن ہو تو ہر سفر میں انھیں ہمراہ رکھیں۔ لیکن تمام ازواج میں عدل و مساوات کی رعایت اس خواہش میں حائل تھی اور آپ کا طریقۂ عمل یہ تھا کہ جب سفر کا ارادہ ہوتا تو اپنی بیویوں میں قرعہ اندازی فرماتے اور جن کے نام پر قرعہ نکلتا انھیں ہی ساتھ لے جاتے۔ چنانچہ بنو مصطلق کے تادیبی حملہ میں قرعہ حضرت عائشہؓ کے نام پر نکلا اس لیے انھیں ہمراہ لے لیا اور جب فتنۂ منافقین کو دبانے کی غرض سے خلاف عادت شدید دوپہر کے وقت جلدی سے کوچ کا حکم فرمایا تو اس وقت حضرت عائشہؓ قضائے حاجت کے لئے باہر گئی ہوئی تھیں پھر آکر سفر کے لیے اپنے ہودج میں سوار ہو گئیں۔ لیکن اتفاق سے ان کے گلے کا ہار کہیں قضاءِ حاجت کی جگہ ہی رہ گیا۔ جس کا خیال آتے ہی اسے تلاش کرنے کی غرض سے جلدی سے پھر واپس گئیں چنانچہ تلاش کرتے کرتے وہ آپ کو مل گیا۔ اس اثنا میں ہودج اٹھانے والے آئے اور انھوں نے اسے اُٹھا کر اونٹ پر کس دیا اور یہ خیال کرتے ہوئے کہ حضرت عائشہؓ اس میں موجود ہیں اسے لے کر چل پڑے۔ جب حضرت عائشہؓ واپس لوٹیں۔ یہ دیکھتی کیا ہیں کہ قافلہ جا چکا ہے وہ ششدر وہ حیران کھڑی رہ گئیں اور وہ ابھی اس سوچ ہی میں تھیں کہ ادھر سے "صفوان بن معطل سلمی" آنکلے جنھیں لشکر کے پیچھے رہ کر مجاہدین کے گرے پڑے سامان کو اٹھا کر بحفاظت تمام قافلہ تک پہنچانے کی خدمت سپرد تھی۔ انھوں نے حضرت عائشہ کو دیکھتے ہی پہچان لیا اور ان کے قریب آکر عرض کیا۔ خدا آپ پر رحم فرمائے آپ کس لئے پیچھے رہ گئیں۔ حضرت عائشہؓ نے کوئی جواب نہ دیا۔ پس وہ اپنا اونٹ ان کے نزدیک لائے اور عرض کیا کہ اس پر سوار ہو جائیے خود اس کی نکیل پکڑی اور پاپیادہ اسے تیز دوڑاتے ہوئے نبی کریمؐ کے مدینہ پہنچنے کے کچھ ہی دیر

بعد دن کے چار بجے مدینہ پہنچ گئے۔ اس پر ان منافقوں نے یہ شہرت دے دی کہ (نعوذباللہ)
حضرت عائشہؓ اپنے اور صفوان کے درمیان پہلے سے طے شدہ قرارداد کے مطابق دانستہ پیچھے
رہ گئی تھیں۔ اس خبر بد کا رسول اللہؐ کے دل پر بہت برا اثر پڑا جس کے سبب آپ انتہا درجہ
دل گیر و غمزدہ ہوئے اس شہرت سے آپ کی شرافت کو بٹہ لگا۔ ہر جگہ اس بات کا چرچا ہونے
لگا۔ آپ گہری سوچ میں پڑ گئے کہ اب آپ کیا کریں اور اس دھبہ کو مٹانے کے لئے کیا طریقہ
اختیار کریں؟ کیا خود عائشہ سے اس کی تحقیق کریں؟ مگر وہ یقیناً انکار ہی کریں گی۔ پھر کیا انھیں
طلاق دے دیں؟ لیکن طلاق دینے سے کیا حاصل ہوگا؟ بلکہ اس میں تو اپنے مخلص دوست
حضرت ابوبکرؓ صدیق کی شرافت کو بھی دھبہ لگے گا اور یہ ایسی بدنامی ہوگی جو کبھی نہ مٹ
سکے گی۔ پس یہ موقف کتنا کٹھن اور یہ مصیبت کتنی شدید تھی جس میں رسول اللہؐ مبتلا ہو گئے
تھے۔ جس نے آپ کے ہوش و حواس بھی بجا نہ رکھے تھے۔ آپ کو خود حضرت عائشہؓ کی پاکیزگی
میں شبہ نہ تھا۔ اور آپ کا دل نہ مانتا تھا کہ ان سے ایسا مکروہ فعل سرزد ہوا ہو لیکن مشکل یہ آ گئی
تھی کہ آپ کا مقابلہ ایک ایسی عام افواہ سے تھا جو خود آپ کے بعض متعلقین کی طرف سے
مشہور ہوئی تھی۔ اس معاملہ میں مزید پیچیدگی اس سے پیدا ہو گئی کہ حضرت عائشہؓ مدینہ پہنچتے ہی
بیمار پڑ گئیں ان کی والدہ محترمہ عیادت کے لئے تشریف لائیں تو انھوں نے رسول اللہؐ کی
وہ توجہ اور رجحانِ قلبی نہ دیکھا جو پہلے آپ کو حضرت عائشہؓ سے رہتا تھا۔ خصوصاً ان کی بیماری
کے موقع پر۔ بلکہ آپ جب گھر میں تشریف لاتے تو ان کی صحت کے متعلق صرف اتنے استفسار
پر اکتفا فرماتے۔

(کیف تیکم) یہ کیسی ہیں، بس اس سے زیادہ کچھ نہ فرماتے، پس آپ کے اس لاپروائی
طرزِ عمل نے حضرت عائشہؓ کی بیماری میں اور اضافہ کر دیا اور وہ سمجھنے لگیں کہ شاید جویریہ بنت حارث
سے عقد کی وجہ سے آنحضرت کو ان سے سابقہ تعلق باقی نہیں رہا ہے۔ بالآخر انھوں نے آنحضرت
سے عرض کیا کہ اگر آپ اجازت دیں تو میں اپنی والدہ کے گھر چلی جاؤں مگر یہ سنکر آپ نے کوئی

واضح اور موافق جواب نہیں دیا۔ ازاں بعد حضرت عائشہؓ اپنی والدہ کے گھر چلی گئیں لیکن ان کے متعلق جو افواہ اڑ رہی تھی اس کا انھیں مطلق علم نہ ہو سکا۔ جب تک کہ وہ بیس بائیس دن کے بعد شفایاب نہ ہو گئیں۔

اس کا واقعہ یوں ہوا کہ ایک رات وہ قضائے حاجت کے لئے باہر نکلیں تو مسطح کی والدہ ان کے ہمراہ تھیں، ان کا کہیں غلاظت میں پیر بھر گیا۔ ان کے منہ سے نکلا "مسطح کا ستیاناس ہو" حضرت عائشہؓ نے فرمایا۔ خدا کی قسم ایک ایسے مہاجر شخص کی نسبت یہ کلمہ کہنا بہت معیوب ہے جو غزوۂ بدر میں شریک ہوا ہو، تب ام مسطح نے کہا۔ اے صدیقؓ کی بیٹی! کیا تمھیں خبر نہیں کہ اس نے تمھاری طرف سے کیسی خراب شہرت دے رکھی ہے؟ آپ نے کہا نہیں مجھے تو کچھ بھی معلوم نہیں ۔

پس انھوں نے آپ کو بہتان تراشی کا سب واقعہ کہہ سنایا جسے سنکر حضرت عائشہؓ روتی پیٹتی اپنے گھر لوٹیں اور والدہ سے عرض کیا۔ خدا آپ پر رحم فرمائے۔ میرے متعلق لوگوں نے ایسی ایسی افواہ اڑا دی اور آپ نے مجھ سے ایک بات بھی بیان نہ کی۔ آپ کی والدہ ماجدہ نے فرمایا۔ اے میری بچی! اپنے دل پر میل نہ لاؤ۔ خدا کی قسم ہے جب کسی شخص کے حرم میں کوئی حسین عورت ہو اور وہ اس سے محبت بھی کرتا ہو اور اس کی سوکنیں بھی ہوں تو ایسا ہوتا ہی ہے کہ وہ اس پر بکثرت اتہام تراشیاں کیا کرتی ہیں۔ اور لوگ بھی اس پر طرح طرح کے بہتان لگایا کرتے ہیں۔

ادھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تمام عرصہ شدت رنج و غم اور سخت پریشان حالی میں گزارا اور آپ کو کوئی بات سجھائی نہ دی کہ اس کی کیا تدبیر کریں۔ آخر کچھ غور فرما کر ایک روز حضرت علی بن ابی طالب اور اسامہ بن زید کو بلا کر ان سے مشورہ فرمایا۔ حضرت اسامہ نے تو حضرت عائشہ کی بہت تعریف بیان کی اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! یہ آپ کی زوجہ مطہرہ ہیں جن میں بجز بھلائی کے ہم کچھ نہیں پاتے اور یہ سب افواہ کذب محض اور غلط ہے۔ حضرت علیؓ نے عرض

کہا یارسول اللہ! عورتیں اور بہت ہیں آپ ان کی جگہ دوسری سے عقد فرما سکتے ہیں ۔ پھر بھی گھر کی لونڈی سے دریافت فرمایئے وہ صحیح بات بتائے گی ۔ چنانچہ آپ نے حضرت عائشہؓ کی خادمہ "بریرہ" کو بلا کر پوچھا تو اس نے عرض کیا ۔ خدا کی قسم ہے میں ان کو بھلا ہی بھلا جانتی ہوں اور ان پر کسی قسم کا عیب نہیں لگا سکتی ۔ بجز اس کے کہ میں آٹا گوندھ کر رکھتی تھی اور انھیں اس کی نگرانی کو کہہ دیتی تھی مگر وہ سو جاتی تھیں اور بکری آکر آٹا کھا جاتی تھی ۔ حضرت علیؓ کھڑے ہو گئے اور انھوں نے اسے سخت مار ماری اور کہا کہ رسول اللہ سے صحیح بات بیان کر دے لیکن اس نے اپنے سابقہ بیان میں ایک حرف کی بھی ترمیم یا اضافہ نہیں کیا ۔

جب لوگوں میں اس موضوع پر نت نئی فتنہ انگیزیوں اور جھوٹی بناوٹی باتوں کا بہت زیادہ چرچا ہونے لگا تو رسول اللہؐ نے ایک مجمع عام میں کھڑے ہو کر پہلے خدا کی حمد و ثنا بیان کی پھر یوں خطاب فرمایا ۔ اے لوگو! لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ میرے متعلقین کے بارے میں میری دل آزاری کرتے ہیں اور ان پہ جھوٹا بہتان لگاتے ہیں ۔ خدا کی قسم ہے ۔ میں نے ہمیشہ انھیں اچھا ہی پایا ۔ اور اس میں وہ ایسے پاک باز شخص (صفوان) کو ملوث کرتے ہیں ۔ حالانکہ میں نے انھیں بھی ہمیشہ نیک ہی پایا ۔ اور جب کبھی وہ میرے کسی گھر میں داخل ہوتے تو میرے ہمراہ ہی ہوتے ۔ یہ سنکر حضرت اسید بن حضیر کھڑے ہوئے اور عرض کیا یارسول اللہ! اگر یہ افترا پرداز لوگ اوس میں سے ہیں تو آپ کی طرف سے ہم ان سے بدلہ لینے کو کافی ہیں ۔ اور اگر ہمارے خزرجی بھائیوں میں سے ہیں تو ان کے متعلق جو مناسب سمجھیں ہمیں حکم دیجئے ۔ خدا کی قسم ہے یہ لوگ اس لائق ہیں کہ ان کی گردنیں اڑا دی جائیں ۔

اس پر حضرت سعد بن عبادہ کھڑے ہوئے جو اس سے قبل ایک نیک شخص مانے جاتے تھے انھوں نے کہا خدا کی قسم تم نے غلط کہا ہم ان کی گردنیں نہ ماریں گے ۔ خدا کی قسم، تم نے یہ بات جب ہی منہ سے نکالی ہے جب تمھیں یقین ہو چکا ہوگا کہ افترا پرداز لوگ خزرجی ہیں ۔ اگر وہ تمھاری قوم کے لوگ ہوتے تو تم ہرگز ایسا نہ کہتے ۔ اس پر اسید نے کہا ۔ خدا کی قسم تم نے

غلط کہا بلکہ تم منافق ہو اور منافقوں کی طرف سے جھگڑ رہے ہو۔

اس پر لوگوں میں سخت ہیجان و انتشار پیدا ہو گیا۔ قریب تھا کہ اوس و خزرج میں فتنہ برپا ہو جائے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر سے اتر کر ابو بکر صدیقؓ کے مکان میں تشریف لے گئے وہاں حضرت عائشہ کو روتا ہوا اور ان کے والد ماجد کو ان کے پاس بیٹھا ہوا پایا۔ پس آپ بھی وہیں بیٹھ گئے۔ خدا کی حمد و ثنا بیان فرمائی۔ پھر فرمایا۔

اما بعد۔ اے عائشہؓ مجھ تک تمھاری طرف منسوب کردہ لوگوں کی یہ یہ افواہیں پہنچی ہیں تم خدا سے ڈرو۔ اگر واقعی لوگوں کے کہنے کے مطابق تم سے کسی غلطی کا ارتکاب ہو گیا ہے تو اللہ کی جناب میں توبہ کر لو خدا اپنے بندوں کی سچی توبہ کو یقیناً قبول فرما لیتا ہے۔ حضرت عائشہؓ نے اپنے والدین سے مخاطب ہو کر عرض کیا۔ کیا آپ حضرات رسول اللہ کو جواب نہیں دیتے ؟ ۔ دونوں نے کہا واللہ ہماری کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ ہم آپ کو کیا جواب دیں۔ پس حضرت عائشہؓ خود سنبھل کر بیٹھ گئیں اور یوں عرض پرداز ہوئیں۔

یا رسول اللہ! خدا کی قسم ہے جس بات کے متعلق آپ نے فرمایا ہے میں اس کے متعلق خدا سے کبھی توبہ نہ کروں گی۔ خدا کی قسم ہے میں اچھی طرح جانتی ہوں کہ اگر میں نے لوگوں کی افواہوں کا اقرار کر لیا۔ حالانکہ خدا علیم ہے کہ میں ان سے بالکل بری ہوں تو گویا ان ہوئی بات کا اقرار کروں گی۔ اور اگر میں ان کی افواہوں کی تردید کروں تو آپ حضرات مجھے سچا نہ سمجھیں گے۔ پس میرے لئے اس کے سوا چارہ کار نہیں کہ میں وہ ہی کہوں جو ایسے ہی موقع پر حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا تھا۔

فَصَبْرٌ جَمِيلٌ ۔ وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ

پس ہر حال میں صبر جمیل ہی بہتر ہے اور جو اتہام تم مجھ پر لگاتے ہو اس پر صرف خدا ہی سے امداد خواہ ہوں۔

حضرت عائشہؓ نے یہ آیت تلاوت ہی کی تھی اور اہل قوم کی ان پر تہمت لگانے پر خدا سے اعانت طلب ہی کی تھی کہ فوراً ان کو اس بہتان سے بری ثابت کرنے کے لئے وحی نازل ہوئی

اور رسول اللہؐ نے فرمایا اے عائشہ! خوش خبری سُن لو کہ اللہ تعالیٰ نے تمھاری برائت نازل فرمادی ہے۔ پھر مجمعِ عام میں تشریف لے جاکر حاضرین کو مخاطب فرماکر یہ جدید آیت ان کے سامنے تلاوت فرمائی۔

اِنَّ الَّذِیْنَ جَآءُوْا بِالْاِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنْكُمْ لَا تَحْسَبُوْهُ شَرًّا لَّكُمْ بَلْ هُوَ خَیْرٌ لَّكُمْ لِكُلِّ امْرِیٍٔ مِّنْهُمْ مَّا اكْتَسَبَ مِنَ الْاِثْمِ وَالَّذِیْ تَوَلّٰى كِبْرَهٗ مِنْهُمْ لَهٗ عَذَابٌ عَظِیْمٌ۔	جنھوں نے حضرت عائشہ پر تہمت رکھی ہے بلا شبہ وہ تم ہی میں کے کچھ لوگ ہیں مگر تم اسے اپنے لئے برا نہ سمجھو بلکہ یہ تمھارے حق میں بہتر ہے کیونکہ اس کی وجہ سے خدا نے قرآن میں حضرت عائشہ کی برائت نازل کرکے ان کا مرتبہ و شرف اور بھی بڑھادیا۔ ان میں سے ہر شخص کے لئے اس کے جرم کی سزا مقرر ہے اور اس بڑی تہمت کے ذمہ دار و بانی (عبد اللہ بن ابی منافق) کو آخرت میں بہت بڑا عذاب ہوگا۔
پ ۱۸۔ ع ۸	

پھر آپ نے "مسطح بن اثاثہ حسن بن ثابت اور حمنہ بنت جحش" کے خلاف فیصلہ صادر فرمایا چنانچہ ان تینوں پر تہمت لگانے کی شرعی حد نافذ کردی گئی۔ حضرت عائشہؓ نے خدا کی حمد و ثنا کی اور کہا، خدا کی قسم ہے۔ میں خود کو حقیر ترین سمجھتی تھی اور اپنی شان اس سے کہیں زیادہ کمتر سمجھتی تھی کہ حق تعالیٰ میرے معاملہ میں آیت نازل فرمائے گا۔ جسے ہمیشہ مساجد میں پڑھا جاتا رہے گا البتہ خدا سے اتنی توقع ضرور رکھتی تھی کہ رسول اللہؐ خواب میں کوئی ایسی بات دیکھ لیں گے جس کے ذریعہ حق تعالیٰ اس گناہ سے میری صفائی اور اس افواہ کے جھوٹ کو آپ پر واضح فرمادے گا۔ یا آپ کو صراحۃً حقیقتِ واقعہ پر مطلع فرمادے گا۔ لیکن یہ کہ میرے بارے میں قرآن نازل ہو۔ خدا کی قسم ہے میرے نزدیک میری ذات اس سے کہیں کمتر تھی مگر خدا کی مشیت یہ ہوئی کہ وہ آپ کی صفائی کو دائمی فرمادے تاکہ اس سے ہر انسان واقف ہوجائے اور کوئی معاند آپ کو پھر مطعون نہ کرسکے۔ یہ سب حضرت عائشہؓ کی صرف اپنے خدا سے مخلصانہ اعانت طلب کرنے کا نتیجہ تھا۔ کہ لوگوں کے ذہنوں میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے متعلقین کے متعلق

ادنیٰ شک و شبہ بھی باقی نہ رہ جائے۔ اور ہمیشہ آپ کی ازواجِ مطہرات وامہاتِ مومنین کی زندگی پاک صاف اور بے عیب رہے۔

اس باعزت صفائی کے بعد حضرت عائشہؓ سربلند و سرخ رو اور معزز و محترم ہو کر کاشانۂ نبوت پر واپس آئیں اور ان کی طرف ناشائستہ فعل کی نسبت شہرت دینے والے ہمیشہ کے لئے ذلیل و رسوا ہو گئے۔ ادھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ جو اُن ہی مسطح کو ان سے قرابت اور ان کی غربت کی وجہ سے مستقل وظیفہ دیا کرتے تھے۔ فرمانے لگے۔ کہ خدا کی قسم ہے مسطح کے عائشہ پر تہمت لگانے اور ہمارے گھرانہ میں فتنہ برپا کرانے کے بعد آئندہ سے نہ اس کا وظیفہ جاری رکھوں گا اور نہ ہی اسے اور کسی قسم کا کوئی فائدہ پہنچاؤں گا۔ پس اس پر فوراً یہ آیت نازل ہوئی۔

وَلَا يَأْتَلِ أُولُو الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ أَنْ يُؤْتُوا أُولِي الْقُرْبَىٰ وَالْمَسَاكِينَ وَالْمُهَاجِرِينَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلْيَعْفُوا وَلْيَصْفَحُوا۔ أَلَا تُحِبُّونَ أَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ۔

پ ۱۸ - ع ۹

اور تم میں سے دین دار بزرگوں اور حیثیت و مقدرت رکھنے والی ہستیوں کو اپنی قرابت والوں مسکینوں اور راہِ خدا میں ہجرت کرنے والوں کی امداد بند کرنے کی قسم نہ کھانی چاہیے۔ بلکہ ایسے ساکین کی غلطیوں پر معافی اور درگذر سے کام لینا چاہیے۔ کیا تم اس بات کو پسند نہیں کرتے ہو کہ (اس کے صلہ میں) حق تعالیٰ تمہاری مغفرت فرمادے۔ بلاشبہ وہ بہت بخشنے والا اور بہت رحم فرمانے والا ہے۔

یہ سنکر حضرت ابوبکرؓ نے کہا۔ بے شک خدا کی قسم ہے میں دل سے آرزو رکھتا ہوں کہ خدا مجھے بخش دے اور مسطح کو جو وظیفہ دیا کرتے تھے وہ بدستور جاری کردیا اور فرمایا خدا کی قسم ہے میں اس کا وظیفہ کبھی بھی بند نہ کروں گا۔ جب حضرت عائشہؓ کی صفائی کی وحی نازل ہوئی تو صفوان بن معطل کو جوش آیا اور انھوں نے حسان بن ثابت کے ان اشعار کی بنا پر جن میں انھوں نے صفوان کی ہجو کی تھی انھیں تلوار سے زخمی کردیا۔ حسان کے والد ثابت بن قیس بن شماس سے

اچک کر صفوان کو اپنی گرفت میں لے لیا اور رسی سے ان کے دونوں ہاتھ ان کی گردن میں باندھ کر انھیں خدمتِ اقدس میں گھسیٹ لائے اور آپ سے یہ واقعہ بیان کیا۔ صفوان نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! انھوں نے میری دل آزاری کی اور میری ہجو کی۔ پس غصہ کی وجہ سے مجھ سے نہ رہا گیا اور میں نے انھیں زخمی کر دیا۔ اس پر رسول اللہؐ نے نہ تو صفوان پر کچھ عتاب فرمایا۔ اور نہ حسان پر ہی دلی غصہ کا اظہار فرمایا بلکہ یہ فرمایا کہ وہ اسی کے مستحق تھے۔ اور حسان سے صرف اتنا جملہ فرمایا کہ اے حسان جس نے تمھیں تکلیف پہنچائی ہے اس سے بھلائی سے پیش آؤ اور ان کی چوٹ کے بدلے میں انھیں مدینہ منورہ میں بیرحا مقام عطا فرما دیا جس میں بنو حدیلہ کا محل تھا۔ نیز سیرین نامی اک قبطی باندی عطا فرما دی جس سے ان کے فرزند عبدالرحمٰن بن حسان تولد ہوئے۔ پھر حسان نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی شان میں گستاخی کی معذرت کے طور پر یہ شعر کہے۔

حصان رزان ما تزنّ بریبۃ	وہ پاکباز و عفت مآب اور باوقار و باعزت خاتون ہیں
وتصبح غرثیٰ من لحوم الغوافل	جن کی طرف کوئی بری بات منسوب نہیں کی جا سکتی اور وہ خود بھی
عقیلۃ حیّ من لؤی بن غالب	پاکبازوں کی غیبت و بدگوئی کرنے سے اجتناب فرماتی
کرام المساعی مجدھم غیر زائل	ہیں وہ قبیلہ لوی بن غالب کی اک صاحب عقل و فراست
مھذّبۃ قد طیّب اللہ خیمھا	خاتون ہیں جن کا خاندان اپنے بہترین کارناموں کی وجہ
وطھّرھا من کل سوء و باطل	سے ہمیشہ معزز و مفتخر رہا ہے اور جن کی بزرگی و عظمت
فان کنت قد قلت الذی قد زعمتم	کبھی زائل ہونے والی نہیں۔ وہ ایک شائستہ و باوقار
فلا رفعت سوطی الیّ انا ملی	خاتون ہیں جن کے اخلاق و عادات کی خدا نے خود تعریف
وکیف وودّی ما حییت ونصرتی	فرمائی ہے اور ہر برائی اور غلطی سے ان کی صفائی و پاکی
لآل رسول اللہ زین المحافل	بیان فرمائی ہے۔ پس اگر میں نے ان کی شان میں وہ
	کہا ہو۔ جو تم میری طرف منسوب کرتے ہو تو میرے ہاتھ ہی

له رتب عال على الناس كلهم
تقاصر عنه سورة المتطاول

فان الذي قد قيل ليس بلائط
ولكنه قول امرئ بي ماحل

۔~۔~۔~۔

شل ہو جائیں، بھلا مجھ سے یہ کیونکر ممکن تھا جبکہ میری دائمی تمنا یہی رہی ہے کہ زندگی بھر اہلِ بیت رسول اللہ کی طرف داری و تائید اور تعریف و منقبت بیان کرتا رہا ہوں جو انسانی محفلوں کی زینت و رونق ہے بلاشبہ آنحضرت کا مرتبہ و مقام تمام انسانوں سے بلند و بالا ہے۔ جن پر کوئی زبان دراز کسی قسم کے حملہ کی جسارت نہیں کر سکتا۔ جو کچھ میرے متعلق کہا گیا ہے اس کا کہنے والوں کے پاس کوئی ثبوت نہیں ہے۔ بلکہ وہ کسی میرے مخالف اور افترا پرداز کا من گھڑت مقولہ ہے جو میری طرف منسوب کر دیا گیا ہے۔

بیعتِ رضوان

حضرت عائشہ کی برات اور ان پر تہمت لگانے والوں کی زبان بندی کے نتیجہ میں آنحضرتؐ کو قلبی انشراح و مسرت حاصل ہوتے ہی معاً آپ نے خواب میں دیکھا کہ آپ اپنی قوم سمیت مسجدِ حرام میں داخل ہو رہے ہیں ان میں سے بعض لوگ سر گھٹائے ہوئے اور بعض بال ترشوائے ہوئے ہیں۔ اس بنا پر آپ مکہ کے سفر کی تدبیر سوچنے لگے۔ چنانچہ آپ کو قریش کا وہ صلح نامہ یاد آگیا جو انھوں نے آپ کے چچا ابو طالب کے ذریعہ آپ کے سامنے پیش کیا تھا جس کی اساسی دفعہ یہ تھی کہ آپ ان کی ایذا رسانی سے باز رہیں اور وہ آپ سے نیز یہ کہ آپ ان کو اور ان کے دین کو ان کے حال پر چھوڑ دیں اور وہ آپ اور آپ کے دین کو آپ کے حال پر رہنے دیں۔ یہ سوچ کر آپ کھڑے ہوئے اور اپنی قوم سے اپنا خواب بیان فرمایا اور انھیں صرف عمرہ اور زیارتِ بیت اللہ کے قصد سے مکہ کے سفر کی ترغیب دی جہاں نہ وہ لڑائی کا قصد کریں گے اور نہ ہی قریش سے ان کے عقائد میں الجھنے کی نیت رکھیں گے ان کی حیثیت صرف ان عام زائرینِ حرم کی ہوگی جو مختلف سمتوں سے وہاں آتے ہیں۔ آپ نے تمام شہری عربوں اور اطراف و اکناف کے دیہاتی باشندوں کو جمع فرمایا تاکہ وہ زیارتِ کعبہ کی غرض سے آپ کے ہمراہ چلیں چنانچہ آپ بماہ ذی القعدہ سنہ ۶ ھ م فروری ۶۲۸ء مسلمانوں کے اس جم غفیر کے ہمراہ قربانی کے ساٹھ اونٹ ساتھ لے کر مدینہ سے روانہ ہوتے اور عمرہ کا احرام باندھا تاکہ لوگ یہ سمجھ لیں کہ آپ صرف بیت اللہ کی زیارت و تعظیم کی غرض سے نکلے ہیں۔ جب سفر کرتے کرتے آپ مقام "عسفان" تک پہنچے تو

وہاں " بشر بن سفیان کعبی " آپ کو ملا اور اس نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ان سب اہلِ قریش نے آپ کی آمد کی خبر سنکر اپنی عورتوں اور بچوں سمیت چیتوں کی کھالوں کی وردی پہن لی ہے اور مکہ سے باہر نکل کر " وادی طوی " میں پڑاؤ ڈال دیا ہے۔ اور سبھوں نے خدا سے عہد کر لیا ہے کہ آپ کو ہرگز مکہ میں داخل نہ ہونے دیں گے۔ اور ان کے لشکر میں خالد بن ولید بھی ہیں جنھیں انھوں نے اپنے مقدمۃ الجیش کا رئیس بنا کر مقام " کراع الغیم " پر بھیج دیا ہے۔ یہ سنکر آپ نے فرمایا " ہائے قریش کی کمبختی! انھیں جنگ کے تخیل نے چر لیا ہے۔ اگر وہ مجھے اور تمام عرب کو آزاد چھوڑ دیں تو ان کا اس میں کیا حرج ہے۔ اگر عرب مجھ پر چھا گئے تو ان کی دلی امید بر آئی۔ اور اگر خدا نے مجھے ان پر غالب کر دیا تو بالآخر وہ ذلیل و مغلوب ہو کر اسلام میں داخل ہی ہوں گے۔ اور اگر وہ یہ بھی نہیں کر سکتے تو پھر ان میں قوت ہے تو جی کھول کر جنگ کر کے دل کی بھڑاس نکال لیں۔ بھلا قریش کس خیال میں ہیں؟ خدا کی قسم ہے میں اس مسلک کے لئے جسے دے کر خدا نے مجھے مبعوث فرمایا ہے ہمیشہ اور مسلسل جہاد کرتا رہوں گا۔ یہاں تک کہ خدا اس مسلک کا بول بالا فرما دے گا یا پھر یہ پوری جماعت بالکل ہی فنا ہو جائے گی۔

پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسرے راستے سے اپنا سفر جاری رکھا۔ اور ایک بے آب و گیاہ میدان میں پڑاؤ فرمایا۔ یہاں آپ کی خدمت میں کچھ لوگوں نے حاضر ہو کر آپ کے اس سفر کی غرض و غایت پوچھی۔ آپ نے بصراحت بیان فرما دیا کہ آپ صرف زیارتِ کعبہ کے لئے حاضر ہوئے ہیں۔ نہ کچھ جھگڑا کرنا چاہتے ہیں نہ جنگ کے ارادے سے آئے ہیں۔ آپ کا یہ ارادہ فوراً قریش تک پہنچا دیا گیا۔ لیکن وہ آپ کے اس طرح زبردستی مکہ میں داخلہ کے روکنے پر بدستور جمے رہے۔ اگرچہ آپ کا ارادہ جنگ کرنے کا نہ بھی ہو۔ کیونکہ وہ اس صورت سے آپ کے داخلہ میں اپنی سبکی سمجھتے تھے۔ انھوں نے ایک پارٹی کو آنحضرت صلعم کے پڑاؤ پر حالات معلوم کرنے کی غرض سے روانہ

کیا۔ لیکن جوں ہی وہ پارٹی پڑاؤ کے نزدیک آئی انھیں گھیر کر گرفتار کر لیا گیا اور آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر کیا گیا۔ مگر آنحضرتؐ نے انھیں معافی دے کر رہا فرما دیا۔ پھر رسول اللہؐ نے حضرت عثمان بن عفانؓ کو ابو سفیان اور اکابر قریش کے نام ایک نامۂ نامی دے کر اپنے سفیر کے طور پر مکّہ روانہ فرمایا ابو سفیان نامۂ گرامی پڑھ چکا تو سب نے کہا کہ اے عثمان! اگر تم تنہا بیت اللہ کا طواف کرنا چاہتے ہو تو کر لو، لیکن رسول اللہ کو اجازت نہیں ہے۔ حضرت عثمان رضؓ نے جواب دیا کہ جب تک رسول اللہؐ طواف نہ کریں گے۔ میں تنہا طواف نہ کروں گا۔ اس پر انھوں نے آپ کو اپنے پاس نظر بند کر لیا اور آنحضرتؐ کے نامۂ نامی کا کچھ جواب نہ دیا۔ اس پر خبر مشہور ہو گئی کہ حضرت عثمانؓ شہید کر ڈالے گئے۔ جب یہ خبر آنحضرتؐ تک پہنچی تو آپ نے فرمایا کہ اب ہم اپنی جگہ نہ ٹھیریں گے بلکہ اہلِ مکّہ سے جنگ کر کے ہی رہیں گے۔ پس آپ نے سب حاضرین کو جمع فرما کر ان سے اپنے دستِ مبارک پر اس مقصد کے لئے جان دیدینے اور میدان چھوڑ کر فرار نہ ہونے کی بیعت لی۔ چنانچہ سب نے اس مقام پر واقع ایک درخت کے نیچے بطیبِ خاطر اس امر کے لئے آپ کے دستِ مبارک پر بیعت کی۔ اور رسول اللہؐ نے بڑے پیمانہ پر اس جنگ کی پوری تیاری شروع فرما دی تھی اگر آپ تک دوبارہ متواتر یہ خبریں نہ پہنچتیں کہ حضرت عثمانؓ کی شہادت کی جو خبر آپ کو پہلے ملی ہے اس میں کچھ اصلیت نہیں ہے۔

اس عزم سے مجاہدین کو تعداد اور سامانِ جنگ کی کمی ہرگز نہ روک سکتی تھی۔ کیونکہ اللہ پر ان کا ایمان بہت قوی تھا۔ اور اللہ کی ذات پر ان کے یقین و اعتماد کی کوئی انتہا نہ تھی، موت کے ڈر سے ان کے دل خالی ہو چکے تھے۔ اس لئے جان کو وہ حساب و شمار میں بھی نہ لاتے تھے۔ بلکہ موت کو وہ ایک ایسا دروازہ سمجھتے تھے جس سے گذر کر وہ اس جنت میں داخل ہو جائیں گے جس کی وسعت و گیرائی آسمانوں اور زمینوں کی وسعت کے برابر ہے اور جو پرہیزگاروں کے لئے پہلے سے تیار کی جا چکی ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ وہ اس کی طرف

جانے میں ایک دوسرے پر سبقت لے جائیں تاکہ ان کے خدا نے ان سے جو وعدہ فرمایا ہے اور جس کے وعدے کی صداقت میں انھیں ذرہ برابر بھی شک و شبہ نہیں اس کے حصول میں وہ کامیاب ہوجائیں۔ اسی وجہ سے اس بیعت کا نام "بیعتِ رضوان" رکھا گیا۔ کیونکہ انھوں نے رسول اللہؐ سے کسی کامیابی یا زندہ بچ رہنے کی امید پر یہ بیعت نہیں کی تھی بلکہ انھوں نے رسولؐ کو اپنی جانیں سپرد کردینے کی بیعت کی تھی تاکہ آپ جس طرح چاہیں ان میں تصرف فرماسکیں اور راہ خدا میں اس کی مرضی کے حصول کے لئے ان کی قربانی پیش فرماسکیں۔

ان کی بیعت کی یہ عزیمت صداقت کے کامل معیار پر اتری حتیٰ کہ خدا نے ان کی یہ قربانی قبول فرمائی اور ان کی قیمتی زندگیوں کو بھی باقی رکھا۔ اس طرح کہ اکابرِ قریش کے دلوں کو حضرت عثمانؓ کے قتل سے پھیر دیا۔ بلکہ الٹا ان کے قلوب میں مسلمانوں کا رعب بٹھا دیا اور وہ رسول اللہؐ تک مسلسل یہ خبریں پہنچانے لگے کہ حضرت عثمانؓ کے قتل کی خبریں کوئی صداقت نہیں ہے مسلمانوں کے دلوں پر اس بیعت کا بہت خوشگوار اثر ہوا۔ جس نے انھیں ایک بات پر متحد ہونے اور انتہائی قربانی پیش کرنے کی دعوت دی تھی۔ یہاں تک کہ بعد کو معاملہ اس درخت کی عظمت و احترام تک پہنچ گیا تھا جس کے نیچے یہ بیعت لی گئی تھی چنانچہ اپنے دورِ خلافت میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے غیر اسلامی فعل قرار دے کر اس درخت کو ہی جڑ سے اکھڑوا پھینکا تھا۔

حدیبیہ کا معاہدہ

حضرت عثمان رضؓ نے واپس ہو کر رسول اللہؐ کی خدمت میں یہ کیفیت پیش کی کہ قریش آپ کی حسن نیت پر مطمئن ہو چکے ہیں اور انھوں نے مان لیا ہے کہ آپ کی یہ آمد جارحانہ نہیں بلکہ صرف زیارتِ خانۂ کعبہ کی غرض سے ہے۔ لیکن اس کے باوجود وہ کسی سابقہ اطلاع دیئے اور اجازت حاصل کئے بغیر ایک بھاری لشکر کے ساتھ آپ کی تشریف آوری کو اپنے اقتدار پر ایک ضرب اور اپنی عظمت کی توہین خیال کرتے ہیں۔ اس لئے وہ اس سال آپ کے دخولِ کعبہ کو مسترد کرتے ہیں۔ مگر آئندہ سال آپ کو بغرض زیارتِ بیت اللہ تشریف آوری کی اجازت دینے کو تیار ہیں۔ اہلِ مکّہ کے اس جواب نے آپ کو حیرت میں ڈال دیا۔ کیونکہ واقعتہً آپ اور آپ کے ہم قوم صرف عمرہ کے ارادہ سے مدینہ سے چلے تھے۔ لیکن اگر قریش ان کے اس ارادہ میں حائل ہوئے تو آپ ان سے مقابلہ کا عزمِ صمیم بھی رکھتے تھے اور اس صورتِ حال کی ذمہ داری قریش ہی پر عائد ہوتی اس لئے کہ وہی آپ کو بیت اللہ کی زیارت سے روکنے والے ہوتے حالانکہ انھیں کسی شخص کو بھی خاص کر محترم مہینوں میں زیارت سے روکنے کا حق حاصل نہیں تھا۔ تاہم قریش کے ظاہر کردہ اسباب اور آپ پر پیش کردہ جدید تجویز نے آپ کے محترم مہینوں میں لڑکر مکّہ میں داخل ہونے کے عزمِ صمیم کی دلیل کو کمزور بنا دیا تھا۔ اس صورتِ حال پر آپ صحابہ سے مشورہ فرمانے لگے کہ شاید وہ اس کا کوئی اور حل تلاش کر سکیں اور کوئی راہ نکال لیں جو محترم مہینوں کی بے حرمتی

کو جائز اور مناسب قرار دے سکے۔

مسلمان ابھی مشورہ ہی کر رہے تھے کہ قریش کا ایک قاصد سہیل بن عمرو، ان کی طرف سے مسلمانوں کے پاس آیا جسے ان کی طرف سے سابقہ پیش کردہ بنیاد پر معاہدۂ صلح مرتب کرنے کے اختیارات دے کر بھیجا گیا تھا وہ یہ کہ حضرت محمدؐ اہل مکہ کو اپنے دین پر آزاد رہنے دیں اور اہل مکہ آنحضرتؐ کو آپ کے دین پر آزاد رہنے دیں۔ نہ آپ ان سے کوئی تعرض فرمائیں نہ وہ آپ سے۔ اور یہ کہ قریش آپ کو آئندہ سال بغرض زیارت بیت اللہ تشریف آوری کی اجازت دیتے ہیں۔ پس آنحضرتؐ نے اسلام میں اس سب سے پہلے سیاسی معاہدہ کی تکمیل کے موقع کو غنیمت سمجھا جو دور رس نتائج کا حامل آپ کو آپ کے مقصد غائی تک پہنچانے والا اور سہل و قریب ترین راہ سے آپ کی مکمل کامیابی کا ضامن تھا۔ یہ اس طرح کہ اس سے پہلے جب قریش نے آپ سے اس بنیاد پر صلح کرنی چاہی تھی کہ آپ انھیں اور ان کے دین کو آزاد چھوڑ دیں اور وہ آپ کو اور آپ کے دین کو آزاد چھوڑ دیں گے۔ تو آپ ان سے شدت کے ساتھ اسلام قبول کر لینے کا مطالبہ فرماتے اور صرف کلمۂ لا الٰہ الا اللہ کے اعتراف اور خدا کے سوا دوسرے معبودانِ باطل کو ترک کر دینے سے کمتر کسی بات کے ماننے پر تیار نہ ہوتے تھے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس آیت میں اس سے منع فرما دیا۔

لَآ اِكْرَاهَ فِى الدِّيْنِ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى لَا انْفِصَامَ لَهَا وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ۔	دین کے معاملہ میں کسی قسم کی زبردستی نہیں ہے۔ ہدایت گمراہی سے ممتاز اور نمایاں طور پر واضح ہو چکی ہے۔ پس جس نے شیطان کی بات نہ مانی اور اللہ پر ایمان لے آیا تو اس نے یقیناً ایک مستحکم و قابل اعتماد ہستی کا دامن تھام لیا جو کبھی چھٹنے والا نہیں اور خدا سب کچھ سننے والا اور جاننے والا ہے۔

پ ۳۔ ع ۲

یہی نہیں بلکہ دین کے معاملہ میں جبر واکراہ پر اللہ کی طرف سے ذیل میں خفیف سا عتاب بھی فرمایا گیا ہے۔

وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ لَآمَنَ مَن فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا ۚ أَفَأَنتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتَّىٰ يَكُونُوا مُؤْمِنِينَ۔ پ ۱۱ع ۱۵	اگر آپ کا پروردگار چاہتا تو یقیناً سب اہلِ زمین اسلام قبول کر لیتے (مگر مشیتِ الٰہی یہ نہ تھی) تو کیا آپ لوگوں کو جبراً مسلمان بنالیں گے؟

اس بنا پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قریشی برادری پر غایت مہربانی کی وجہ سے ان کے راستہ سے ہٹ گئے۔ اور ان کی حسبِ خواہش انھیں ان کے دین اور بت پرستی کے مسلک پر باقی رہنے کی کامل آزادی عطا فرمادی۔ بایں ہمہ آپ اپنی حسنِ تدبیر سے قریش سے اسلام کے مفاد میں چند باتوں پر معاہدہ کر لینے میں کامیاب ہو گئے۔ اس معاہدہ کی اہم دفعات یہ تھیں۔

۱ — قریش، آپ کے صاحبِ شرع ہونے کی حیثیت تسلیم کرتے ہوئے اس امر کا اقرار کرتے ہیں کہ عرب کے لوگوں میں سے کوئی شخص آپ کی اتباع قبول کرلے تو ان کی طرف سے اس میں کوئی رکاوٹ نہ ہوگی۔

۲ — قریش آپ کے والئی حکومت ہونے کی حیثیت کو تسلیم کرتے ہوئے اس امر کا اقرار کرتے ہیں کہ معاہدہ کی دفعات کی توثیق میں آپ کو کلی اختیار حاصل ہوگا۔

۳ — طرفین سے دس برس کی مدت کے اندر کسی قسم کے ظلم وتعدی نہ ہونے کی یقین دہانی کی جاتی ہے۔

۴ — آپ سے کسی قسم کی عداوت نہ کرنے اور آپ سے کسی قسم کی عہد شکنی وخیانت نہ کرنے کا عہد کیا جاتا ہے۔

۵ — آپ کے اور آپ کی قوم کے لئے زیارتِ بیت اللہ اور وہاں فرائضِ عبادت کی بجا آوری کا حق تسلیم کیا جاتا ہے۔

۶ — آپ امسال زیارتِ بیت اللہ کو اس شرط پر ملتوی فرمادیں گے کہ بالآخر

آئندہ سال آپ کے لئے تین دن تک پورا مکہ خالی کر دیا جائے گا۔

۷۔۔۔ آپ کے لشکر کے مکہ میں ہتھیار بند داخل ہونے پر کوئی روک ٹوک نہ ہو گی۔

ادھر قریش نے بھی اپنے لئے تین تحفظات تسلیم کرا لئے جو بظاہر سخت معلوم ہوتے ہیں۔لیکن فی الواقع نہ تو وہ شریعتِ اسلامیہ کی روح سے متعارض ہیں اور نہ کسی بات میں اسلام کے لئے نقصان رساں ہیں اور وہ یہ تھے:

الف۔ اگر قریش میں سے کوئی شخص اپنے سرپرست کی اجازت کے بغیر آپ کے پاس پہنچ جائے گا تو آپ اسے واپس فرما دیں گے۔ اگر اس دفعہ سے کوئی بات معلوم ہوتی ہے تو صرف یہ کہ یہ بات آپ کی انتہائی درگذر پر روشنی ڈالتی ہے کہ اسلام اپنے متبعین کو کمزوری کی حالت میں خطرات سے دوچار ہونے اور کفار سے علانیہ عداوت مول لینے پر مجبور نہیں کرتا۔بلکہ ان کے صرف قلبی ایمان پر اکتفا کرتا ہے۔

ب۔ جو شخص آنحضرتؐ کے پاس سے بھاگ کر قریش کی پناہ میں آئے گا اسے وہ لوگ آپ کو واپس نہ کریں گے۔ یہ دفعہ مذہبی عقائد اپنی جائے رہائش کے انتخاب اور جس سے دل ملے اسی سے ملنے کے شخصی حق آزادی کے انتہائی احترام کی صحیح ترین تصویر ہے۔

ج۔ نبی کریمؐ کا لشکر حرم شریف میں ہتھیاروں کا مظاہرہ نہ کرے گا۔علاوہ اس کے کہ یہ ایک فطری امر ہے۔کیونکہ انسان کو جب اپنی جان کا کوئی خطرہ نہ ہو تو ایسے ہتھیار کو بے نیام کرنے کی ضرورت بھی نہیں ہوتی۔ ویسے بھی اسلام مسلمان کو حرم شریف میں انکسار و عاجزی سے داخل ہونے کی تعلیم دیتا ہے۔

قریب تھا کہ رسول اللہؐ سفیر قریش سے ان اصول پر اتفاق ہو جانے کے بعد معاہدہ مکمل فرما لیتے۔اور صحابہ میں اس خبر کی تشہیر فرما دیتے کہ بعض صحابہ نے اس معاہدہ میں کچھ کوتاہی محسوس کی کیونکہ اس میں اس سال زیارتِ بیت اللہ کی وہ آرزو پوری نہ ہوتی تھی جس کا خواب انھوں نے دیکھا تھا۔نیز انھوں نے اس میں قریش کو ایک ایسا

حق دینے کی تجویز دیکھی جو اُن کی شان کے منافی تھی ۔ حضرت عمرؓ تو ان دفعات کو سنکر اپنے نفس پر قابو نہ رکھ سکے ۔ عزت و سربلندی کے جوش نے انھیں گھیر لیا اور وہ اٹھکر حضرت ابوبکرؓ کی خدمت میں آئے اور اس معاملہ میں ان سے تبادلہ خیال کرنے لگے کہ اپنے مقصد کی تکمیل کے بغیر رسول اللہؐ کیونکر واپسی پر رضامند ہو گئے ۔ اور قریش سے معاہدہ پر کیسے آمادہ ہو گئے جب کہ وہ مشرک ہیں ۔ نیز آپ اس دفعہ پر کیسے راضی ہو گئے کہ "جو آپ پر ایمان لے آئے اسے بھی قریش کو واپس فرمادیں گے" جب کہ قریش آپ کو یہی حق نہیں دیتے ۔

المختصر اس معاہدہ میں ایسی دفعات ہیں جو مسلمانوں کو اپنی عزت و عظمت کی مدافعت سے بالکل مجبور و بے بس ظاہر کرتی ہیں ۔ اس سب تقریر کے جواب میں حضرت ابوبکرؓ نے اس ایک جملہ سے زیادہ کچھ نہیں فرمایا ۔

يَا عُمَرُ الْزَمْ غَرْزَكَ فَاِنِّي اَشْهَدُ اَنَّهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ ۔

اے عمر! تم اپنی اطاعت و وفاداری پر بدستور قائم رہو میں تو اس گواہی کی تجدید کرتا ہوں کہ وہ یقیناً اللہ کے سچے رسول ہیں ۔

یعنی اے عمر! اپنی حد تک رہو ۔ مجھے حضرت محمدؐ پر اعتراض کا حق نہیں ہے جبکہ میں اس پر یقین رکھتا ہوں کہ وہ اللہ کے سچے رسول ہیں اور میرے اور تمہارے مقابلہ میں مومنین کی عزت اور دین الٰہی کی غیرت کا کہیں زیادہ جذبہ رکھتے ہیں ۔

لیکن حضرت عمرؓ اس جواب پر مطمئن نہ ہوئے جب کہ خود رسول اللہؐ نے انھیں آزادانہ مشورہ دینے اور صاف صاف اظہارِ رائے کی عادت ڈال دی تھی ۔ پس وہ اللہ کے دین کی غیرت کے جذبہ میں سرشار براہ راست خدمت اقدس میں حاضر ہو کر یوں عرض پرداز ہوئے ۔

عمرؓ :- یا رسول اللہؐ ! کیا آپ اللہ کے رسول نہیں ہیں ؟

رسول اللہؐ :- بلاشبہ میں اللہ کا رسول ہوں ۔

عمرؓ :- کیا ہم مسلمان نہیں ہیں ؟

رسول اللہؐ :۔ بے شک مسلمان ہو۔

عمرؓ :۔ کیا یہ قریش مشرک نہیں ہیں۔

رسول اللہؐ :۔ بے شک وہ مشرک ہیں۔

عمرؓ :۔ پھر ہم اپنے دین کے معاملہ میں کسی پستی و کمزوری کو کیوں روا رکھیں؟

رسول اللہؐ :۔ میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں۔ اس کے حکم سے سرتابی نہیں کر سکتا۔ اور یقیناً وہ کبھی مجھے ناکام نہیں فرمائے گا۔

رسول اللہؐ کے اس جملہ کے سنتے ہی حضرت عمرؓ کو احساس ہوا کہ یہ معاہدہ صرف رسول اللہ کے ذاتی اجتہاد کا نتیجہ نہیں بلکہ اللہ کے حکم سے طے پایا ہے اس لئے اُنھوں نے نیک نیتی سے جو کچھ عرض کیا تھا اس میں اپنی غلطی محسوس کی اس پر شرمسار ہوئے اور ان سے جو غلطی سرزد ہوئی تھی اس کے کفارہ کے طور پر ایک غلام آزاد کیا۔ صدقہ دیا، روزے رکھے اور نفل نماز ادا کی۔ پھر رسول اللہؐ نے حضرت علی بن ابی طالبؑ کو بلا کر فرمایا کہ لکھو۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اس جملہ پر سہیل نے اعتراض کیا اور کہا۔ میں اس جملہ کو نہیں جانتا۔ اس کی جگہ وہی لکھئے جو ہم اس سے پہلے لکھا کرتے تھے یعنی باسمک اللّٰھم (اے خدا تیرے نام سے آغاز کرتا ہوں) پس آنحضرتؐ نے فرمایا۔ لکھو۔ باسمک اللّٰھم۔ چنانچہ حضرت علیؓ نے لکھدیا۔ پھر آپ نے فرمایا لکھو :۔ ھٰذا ما صالح علیہ محمد رسول اللہ۔ یہ وہ معاہدہ ہے جس پر ہم سے محمد رسول اللہ نے صلح کی ہے۔

اس پر سہیل نے کہا اگر میں اس کی تصدیق کرتا ہوتا کہ آپ اللہ کے رسول ہیں تو پھر آپ سے جھگڑا ہی کیا تھا۔ اس کی جگہ آپ اپنے اور اپنے والد صاحب کا صرف نام لکھئے۔ پس آنحضرتؐ نے فرمایا لکھو :

باسمک اللّٰھم ھٰذا ما صالح علیہ	اے خدا تیرے نام سے اس معاہدہ کا آغاز کرتا ہوں
محمد بن عبد اللہ سہیل بن	یہ وہ تحریر ہے جس پر محمد بن عبداللہ نے سہیل بن عمرو

عمرو اصطلحا علیٰ وضع الحرب
عن النّاس عشر سنین یأمن
فیهن النّاس ویکف بعضھم
عن بعض علیٰ من اتی محمدا
من قریش بغیر اذن ولیہ
ردّہ علیہ ۔ ومن جاء
قریشا ممن مع محمد لم
یردوہ علیہ وان بیننا
عیبۃ مکفوفۃ وانہٗ لا
اِسلال ولا اغلال واِنّہٗ
من احب ان ید خل فی عقد
محمد وعھدہ دخل فیہ
ومن احب ان ید خل فی عقد
قریش وعھدھم دخل فیہ
وھنا وثبت خزعۃ فقالوا نحن
فی عقد محمد وعھد وتواثبت بنوبکر
فقالوا نحن فی عقد قریش وعھدھم
وانک ترجع عنا عامک ھذا فلا
تدخل علینا مکۃ وانہٗ اذا کان عام
قابل خرجنا عنہا فدخلتھا باصحابک
فأقمت بہا ثلاثۃ معک سلاح الراکب

کے ساتھ معاہدۂ صلح طے کیا ہے ۔ دونوں نے
فریقین کی طرف سے دس سال تک جنگ نہ
کرنے کا عہد کیا ہے ۔ اس مدت میں سب لوگ
مامون ومحفوظ اور ایک دوسرے پر کسی قسم
کے ظلم وحملہ سے باز رہیں گے ۔
قریش کا جو شخص محمدؐ کے پاس چلا جائے گا وہ اسے
قریش کو واپس فرمادیں گے ۔ مگر محمدؐ کے ساتھیوں
میں سے کوئی شخص قریش کے پاس چلا جائے گا
تو وہ اسے آپ کو واپس نہ دیں گے ۔
ہمارے درمیان یہ ایسا معاہدہ ہے جس میں کسی
جہت سے کوئی نقص وخلل نہیں نہ اس میں کسی
خیانت وبددیانتی کا شائبہ ہے ۔ جو افراد یا قبائل
محمدؐ کے عہد وپیمان میں داخل ہونا چاہیں اس میں
داخل ہو جائیں اور جو قریش کے معاہدہ میں
داخل ہونا چاہیں وہ اس میں داخل ہو سکتے ہیں ۔
(اس پر قبیلہ خزاعہ نے آگے بڑھ کر کہا کہ ہم اس
عہد وپیمان میں محمدؐ کے ساتھ شامل ہیں اور بنو بکر نے
کہا کہ ہم اس عہد وپیمان میں قریش کے ساتھ شریک
ہیں) امسال تو آپ مکہ میں داخل ہوئے بغیر یونہی
واپس ہو جائیں گے البتہ آئندہ سال ہم مکہ کو خالی کردیں
گے تب آپ اپنے صحابہ سمیت مکہ میں داخل ہو کر تین

السیوف فی القراب لا تدخلها بغیرھا۔ | دن تک قیام کر سکیں گے لیکن آپ کے ہمراہ صرف مسافرانہ حیثیت سے ہتھیار ساتھ تو ہوں گے مگر تلواریں میان ہی میں رہیں گی اس کے سوا دوسری صورت سے آپ مکہ میں داخل نہ ہو سکیں گے۔

اس معاہدہ کی تحریر سے فراغت ہو چکی تھی صرف دستخط ہونے باقی تھے کہ اچانک ان ہی سہیل بن عمرو سفیر قریش کے بیٹے' ابو جندل' لوہے کی ہتھکڑیاں پہنے ہوئے اپنے دین سے بھاگ کر رسول اللہؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے (یہ پہلے ہی اسلام لا چکے تھے اور قریش انھیں طرح طرح کے عذاب دیتے تھے) اور عرض کیا۔ یا رسول اللہ! میری حمایت کیجئے۔ جوں ہی اُن کے باپ کی نظر ان پر پڑی۔ گرج دار آواز میں کہا۔ اے محمد! میرے اور آپ کے درمیان اس کے آنے سے پہلے ہی معاہدہ طے پا چکا ہے۔

آنحضرتؐ نے فرمایا: بے شک تم نے صحیح کہا۔ پس اس نے کھڑے ہو کر اپنے بیٹے کے چہرہ پر تھپڑ مارے اس کا گریبان پکڑا اور اسے اپنی طرف کھینچنے لگا اور گھسیٹتے ہوئے قریش کی طرف واپس لے جانے لگا۔ ادھر "ابو جندل" زور سے چلا چلا کر کہنے لگے: اے مسلمانو! کیا مجھے پھر قریش ہی کو واپس کر دوگے۔ تاکہ وہ قبول اسلام کی بنا پر مجھے طرح طرح کی اذیتیں دیں؟۔

مسلمانوں پر ان کی اس بات کا بہت اثر ہوا اور انھوں نے انھیں دشمنوں کے چنگل سے چھڑا لینا چاہا۔ مگر رسول اللہؐ ابو جندل کی گھبراہٹ کو دور فرمانے اور تسکین دینے لگے اور فرمانے لگے کہ "صبر کرو اور ثابت قدم رہو اللہ تعالیٰ یقیناً تمھیں اور تمہارے دوسرے ضعیف ساتھیوں کو جلد نجات عطا فرمائے گا اور تمہارے لئے کوئی بہتر راستہ نکالے گا۔ لیکن ہمارے اور ان کے درمیان ابھی ابھی صلح طے پائی ہے جس پر ہم نے انھیں اور انھوں نے ہمیں خدا کا واسطہ دیا ہے۔ اس لئے ہم ان سے عہد شکنی نہیں کر سکتے۔

پس حضرت عمرؓ جلدی سے ابو جندل کے پاس پہنچے اور اپنی تلوار ہوا میں لہراتے

ہوئے ان کے پہلو بہ پہلو چلنے لگے اور تلوار کا قبضہ ان کے قریب کر کے انھیں اس طرح سمجھانے لگے کہ اے ابو جندل! ذرا ہمت و جرأت سے کام لو ان مشرکین میں ذرا بھی ہمت و جرأت نہیں ہے، حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ مجھے یہ توقع تھی کہ ابو جندل میرے ہاتھ سے تلوار چھین کر اپنے باپ کا کام تمام کر دیں گے۔ مگر انھوں نے باپ سے در گذر کیا۔ اس طرح یہ قصہ یوں ہی ختم ہو گیا۔ جب معاہدہ کی دوسری کاپی لکھی جا چکی تو رسول اللہؐ نے اس پر کچھ مسلمانوں اور کچھ مشرکوں کو گواہ بنایا۔ پھر کھڑے ہو کر اپنے قربانی کے جانوروں کو ذبح فرمایا۔ پھر بیٹھ کر سر منڈوایا۔ یہ دیکھکر سب صحابہ نے بھی جلدی جلدی اپنے اپنے قربانی کے جانور ذبح کئے اور سر منڈوائے اس کے بعد آپ مدینہ منورہ واپس تشریف لے چلے اثنائے راہ میں آپ پر وحی نازل ہوئی جس میں آپ کو اس صریح فتح کی مبارک باد دی گئی تھی جو اس معاہدہ کی تحریر کی صورت میں آپ کو نصیب ہوئی اور جو مستقبل قریب میں مسلمانوں کے گناہوں کی بخشش۔ ان پر خدائی نعمتوں کے اتمام صراط مستقیم کی جانب ان کی رہنمائی اور ایک باعزت فتح و کامرانی کی تمہید کا سبب بنے گی وہ وحی یہ تھی۔

إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا	بلاشبہ ہم نے صلح حدیبیہ کے نتیجہ کے طور پر
لِّيَغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ	آپ کو کفار پر ایک کھلی فتح عطا فرمادی تاکہ اللہ تعالیٰ
مِن ذَنبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ	آپ کی اگلی پچھلی اجتہادی لغزشوں کو معاف
وَيُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكَ	فرمادے، آپ پر اپنا انعام واحسان مکمل فرمادے
وَيَهْدِيَكَ صِرَاطًا	آپ کو راہ مستقیم پر ثابت قدم رکھے اور آپ کی
مُّسْتَقِيمًا وَيَنصُرَكَ اللَّهُ	وہ عظیم الشان مدد فرمائے کہ کوئی آپ پر غالب
نَصْرًا عَزِيزًا پ۲۶ ع۹	نہ آسکے۔

اور اس معاہدہ کی دستاویز عظیم الشان فتح کیوں کر نہ کہلاتی جب کہ اس میں قریش کے مقابلہ میں کھلی ہوئی سیاسی کامیابی تھی جیساکہ ہم پہلے اس کی وضاحت کر چکے ہیں اور وہ وسیع

فضائل مزید برآں ہیں جنھیں حق تعالیٰ نے شمار کرایا ہے ان میں اعلیٰ ترین گناہوں کی بخشش ہے کیونکہ یہ معاہدہ مسلمانوں کے خوں ریزی سے بچاؤ ان کے محترم بہنوں کی بے حرمتی سے محفوظ رہنے اور اس بے حرمتی کی صورت میں تمام عرب کی متوقع ناراضی سے بچے رہنے کا سبب بنا۔

اس معاہدہ کی ایک فضیلت تو یہ ہے کہ اللہ نے آپ کو اس صورت سے اپنی کامل نعمتوں سے سرفراز فرمایا کہ قریش نے آپ کے زیارتِ بیت اللہ کے ارادے پر یقین کرلیا اور جنگ کئے بغیر آپ سے دب کر آپ کے جملہ مطالبات تسلیم کرلئے۔

دوسری فضیلت یہ ہے کہ رسول اللہؐ کے سامنے اپنی دعوت کی اشاعت کی پُر امن راہیں کُھل گئیں۔ اس طرح کہ اس معاہدہ کے بعد اکابرِ قریش مدینہ پہنچ کر مسلمانوں سے ربط وضبط اور اپنے قرابت داروں سے میل جول رکھنے لگے اور رسول اللہؐ کی باتیں توجہ سے سننے لگے حتیٰ کہ آپ کی حکمت و دانش اور بہترین وعظ و نصائح کے ذریعے ان کے قلوب پر اسلامی حقائق منکشف ہونے لگے نتیجہ یہ ہوا کہ ان کی کثیر تعداد فتحِ مکہ سے پیشتر ہی مشرف باسلام ہوگئی۔ اگر یہ معاہدہ نہ ہوتا تو قریش کے سلیم العقل حضرات کے لئے مدینہ پہنچنے اور ہدایت اختیار کرنے کی راہ نہ کھلتی۔

اس معاہدہ کی ایک فضیلت یہ بھی ہے کہ یہ معاہدہ ایک باعزت فتح یعنی فتحِ مکہ کی تمہید بنا۔ یہ فتح کسی قسم کی خوں ریزی کے بغیر بلکہ گناہوں کے سب سے بڑے علمبردار اور بدترینِ دشمنِ اسلام ابوسفیان کے ذریعہ حاصل ہوئی جیسا کہ ہم بعد میں بیان کریں گے۔

اس آیتِ کریمہ کے نازل ہوتے ہی رسول اللہؐ کے تمام صحابہ کو فتح کا دلی یقین ہوگیا۔ نیز اپنی جلد بازی کی غلطی کا احساس ہوگیا۔ اور وہ موعودہ فتح کا انتظار کرنے لگے۔ اسی اثنا میں مکہ کے مسلمان نظر بندوں میں سے ابوبصیر عتبہ بن اسید بن عاربہ بن عوف بھاگ کر مدینہ آپہنچے ان کے متعلق ازہر بن عوف اور اخنس بن شریف نے قبیلۂ بنو عامر بن لؤی کے

ایک شخص کو اور اس کے ہمراہ اپنے ایک غلام کو خط دے کر رسول اللہؐ کی خدمت میں روانہ کیا یہ دونوں ازہر اور اخنس کا خط لے کر خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے۔ رسول اللہؐ نے فرمایا اے ابوبصیر! ہم نے اس قوم سے جو معاہدہ کیا ہے وہ تمہیں معلوم ہی ہے اور ہمارے مذہب میں عہد شکنی کی گنجائش نہیں ہے۔ اور اللہ تعالیٰ یقیناً عنقریب تمہارے اور تمہارے ضعیف الحال ساتھیوں کے لئے گلو خلاصی اور مصائب سے نجات کی کوئی نہ کوئی راہ ضرور نکالے گا۔ اس لئے تم اپنی قوم میں واپس چلے جاؤ۔

انھوں نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! کیا آپ مجھے مشرکین میں واپس فرماتے ہیں تاکہ وہ میرے اسلام کی وجہ سے مجھے طرح طرح کی تکالیف پہنچائیں۔

آپ نے فرمایا:۔ اے ابوبصیر! چلے جاؤ کہ حق تعالیٰ تمہارے اور تمہارے ضعیف ساتھیوں کے لئے قریب میں ضرور نجات کی راہ نکالے گا۔ پس وہ ان دونوں قاصدوں کے ہمراہ چل پڑے حتیٰ کہ جب "ذوالحلیفہ" کے مقام پر پہنچے جو مدینہ سے سات میل پر ایک گاؤں ہے تو ایک دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئے ان کے دونوں ساتھی بھی ان کے ساتھ بیٹھ گئے۔ ابوبصیر نے ایک ساتھی سے کہا کہ اے بنوعامر والے بھائی! کیا تمہاری یہ تلوار تیز ہے۔ اس نے کہا ہاں۔ کہا۔ کیا میں دیکھ سکتا ہوں؟ اس نے کہا دیکھنا چاہتے ہو تو دیکھ لو۔ پس ابوبصیر نے میان سے تلوار کھینچ لی اور یکایک اس پر حملہ کر کے قتل کر ڈالا۔ غلام یہ حال دیکھکر جلدی سے وہاں سے بھاگ کر رسول اللہؐ کی خدمت میں حاضر ہوا آپ مسجد میں تشریف فرما تھے۔ آپ نے اسے آتے ہوئے دیکھکر فرمایا کہ اسے کوئی خوفناک حادثہ پیش آیا ہے۔ جب وہ آنحضرتؐ تک پہنچا تو آپؐ نے فرمایا۔ تیرا خانہ خراب ہو تجھے کیا ہوا؟ عرض کیا۔ آپ کے صحابی نے میرے ساتھی کو قتل کر ڈالا۔ وہ یہ کہنے ہی پایا تھا کہ ابوبصیر تلوار حمائل کئے ہوئے حاضر ہوئے اور آنحضرتؐ کے سامنے کھڑے ہو کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ! آپ کی ذمہ داری ختم ہو چکی اور اللہ نے آپ کا معاہدہ پورا فرما دیا۔ آپ تو مجھے ان

لوگوں کے سپرد فرما چکے تھے لیکن میں نے از خود کفار کے مصائب جھیلنے یا ان کے میری جان سے کھیلنے کے موقعہ سے خود کو بچا لیا۔

اس پر رسول اللہؐ نے فرمایا: اس کی ماں ہلاک ہو اگر اس کے ساتھ کچھ اور آدمی ہوں تو یہ شخص شعلۂ جنگ بھڑکانے والا ہے۔ پھر ابو بصیرؓ نے مدینہ سے روانہ ہو کر قریش کے اس راستے میں جس سے ان کے تجارتی قافلے شام کو جاتے تھے 'ذی مردہ' کی طرف دریا کے کنارے پر واقع مقام 'عیص' پر جا پڑاؤ ڈالا۔ ادھر ابو بصیر کے حق میں رسول اللہ کا یہ مقولہ مکہ کے نظر بند مسلمانوں تک پہنچ گیا۔

ویل امہ مسعر حرب لو کان معہ رجال۔ — اس کی ماں کا برا ہو اگر اس کے ساتھ کچھ اور لوگ بھی ہوں تو یہ بڑا جنگ بھڑکانے والا ہے۔

پس ان میں سے تقریباً ستر مسلمان مکہ سے فرار ہو کر عیص میں ابو بصیر سے جا ملے اور انھوں نے قریش کا قافیہ تنگ کرنا شروع کر دیا۔ قریش میں سے جو بھی ان کے ہتھے چڑھ جاتا اسے مار ڈالتے اور جو قافلہ ادھر سے گذرتا اسے لوٹ لیتے۔ بالآخر قریش نے رسول اللہؐ کو ایک خط لکھا جس میں ان سے اِن مسلمانوں کو اپنے پاس ٹھکانہ دے کر قریش پر رحم کرنے کی استدعا کی۔ نیز یہ کہ انھیں اب ان لوگوں کی واپسی کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ پس رسول اللہؐ نے انھیں بلا کر اپنے پاس جگہ دے دی اور قریش سے ان کا خوف دور فرما دیا۔
اس طرح رسول اکرمؐ نے اس پر قطعی حجت قائم فرما دی کہ اس سفر سے آپ کا مقصد ہرگز کوئی فتنہ و فساد برپا کرنا نہ تھا۔ بلکہ آپ حتی الوسع امن کی سعی بلیغ فرماتے رہے۔ اگرچہ خونریزی کے بغیر اپنے اعلیٰ مقصد تک رسائی کی راہ میں آپ کو مسلمانوں کی خودداری اور شرفِ نفس کے بقا یا اپنی عزت و ناموس کے تحفظ کے لوازم سے متعلق بہت سے جائز مطالبات کو ہی کیوں نہ ترک کرنا پڑے۔ علیٰ ہٰذا رسول اللہؐ نے دستاویزِ معاہدہ کی تدوین و تحریر سے پہلے ہی محض اس کی دفعات پر باہمی سمجھوتہ کی بنا پر وفاءِ عہد کی ایک اعلیٰ مثال قائم فرما دی جس میں معاہدہ

سے متعلق مسلمانوں کی تنقیدات اور آپ کی طرف کمزوری اور کفار سے دب جانے کی نسبت کرنے کے باوجود آپ نے ان باتوں کی مطلق پرواہ نہیں فرمائی۔ پس کہاں وہ اعلیٰ معاہداتی کردار تھا اور کہاں عہدِ حاضر کے معاملات ہیں جبکہ آج مملکتی معاہدات کاغذ کے پرزوں کی مانند ہو گئے ہیں اور جب ان کی پابندی کا وقت آتا ہے تو انھیں چاک کر ڈالا جاتا ہے پھر طرفہ یہ کہ نہ اس میں کچھ مضائقہ سمجھا جاتا ہے نہ کوئی قباحت محسوس کی جاتی ہے۔

نیز رسول اللہؐ نے اس معاہدہ سے یہ بھی ثابت فرما دیا کہ جس طرح آپ ایک دینی شخص ہیں اسی طرح آپ ایک سیاسی شخص بھی ہیں اور سیاسی تحریر و بصیرت میں آپ کا بہت بڑا مقام ہے جس کی بنا پر آپ نے قریش سے اپنی حسبِ منشا اپنے تمام مطالبات منوا لئے اور مستقبل میں ان کے مفید مطلب کوئی بات بھی معاہدے میں نہیں رکھی۔

آپؐ قریش کی طرف صرف عمرہ کی غرض سے روانہ ہوئے تھے نہ آپ نے ان کے سامنے اپنی تلوار کا مظاہرہ فرمایا تھا اور نہ ان کے شہر میں گھس کر ان پر حملہ فرمایا تھا۔ بایں ہمہ آپ اس معاملہ میں ان پر غالب آ گئے۔ اور آپ نے ان سے اپنے وہ تمام حقوق منوا لئے جو عام طور سے تلوار چلائے اور فتح حاصل کئے بغیر حاصل نہیں ہوا کرتے اور اس کے مقابلہ میں قریش آپ سے کچھ بھی حاصل نہ کر سکے۔ کہا جا سکتا ہے کہ آپ اس سال مکہ میں داخل ہونے سے روک دیے گئے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اسلام کسی خاص سال میں بیت اللہ کی زیارت کو لازم قرار نہیں دیتا بلکہ رسول اللہؐ تو حضرت عثمانؓ کی زبانی قریش کی تجویز سنتے ہی خود بخود لوٹ جانے والے تھے۔

یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ اس معاہدہ کے ذریعے آپ کو قریش پر کسی حملہ و تشدد سے روک دیا گیا تھا۔ لیکن معلوم ہونا چاہیئے کہ خود اسلام اصولی طور پر آپ کو کسی تشدد کی اجازت نہیں دیتا۔ جیسا کہ حق تعالیٰ کا صریح ارشاد ہے:۔

وَلَا تَعْتَدُوْا اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ — کسی پر ظلم و زیادتی نہ کرو کہ اللہ تعالیٰ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا۔

پ۲۔ ع۸

رہی قریش کے پاس کسی مسلمان کے آجانے کے بعد اسے واپس نہ بھیجنے کی دفعہ سو جو مسلمان خود اپنے اختیار سے نبی کریمؐ کو چھوڑ کر مشرکوں سے جا ملے تو آپ کے مقابلہ میں مشرکین ہی ایسے شخص کے زیادہ حقدار ہو سکتے ہیں جیسا کہ حق تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے :-

وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ مِنْكُمْ فَإِنَّهُ مِنْهُمْ - | اے مسلمانو! تم میں سے جو شخص کفار کو اپنا دوست بنائے گا تو وہ بلاشبہ انھیں میں سے ہوگا۔

رہی سرپرست کے بغیر آپ کی خدمت میں حاضر ہونے والے کسی قریشی کو آپ کے واپس فرما دینے کی دفعہ سو یہ اس امتحان الٰہی کے لوازم سے ہے جن کے بغیر مسلمان کا ایمان مکمل ہی نہیں ہوتا جیسا کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے :-

الم أَحَسِبَ النَّاسُ أَنْ يُتْرَكُوا أَنْ يَقُولُوا آمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُونَ - | کیا لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ انھیں صرف ایمان کے اقرار پر ہی چھوڑ دیا جائے گا اور وہ کسی امتحان وآزمائش میں مبتلا نہ کئے جائیں گے ؟

پس جو شخص مشرکین کو واپس کر دیا گیا اور وہ ان کے ابتلاؤ مصائب سے متأثر ہو گیا تو یقیناً اس کی ذات میں اسلام کے لئے کوئی بہتری نہیں ہے۔ اور جو (مصائب کے باوجود) اپنے ایمان پر جما رہا تو اسے ان کی طرف سے کوئی خطرہ ہی نہیں ہو سکتا۔ یہ وہ سیاسی بصیرت تھی جو نبی کریمؐ سے اپنی سیاسی زندگی کے پہلے ہی دور اور پہلے ہی فیصلہ میں ظاہر ہوئی۔

عیاری دھوکہ بازی کوئی سیاست نہیں ہے جس کا تصور موجودہ زمانہ کے ارباب سیاست رکھتے ہیں اور وہ برملا یہ بھی کہتے ہیں کہ "سیاست کا نہ کوئی مسلک ہوتا ہے نہ کوئی دین"

حبشہ سے استحکامِ تعلقات کی توثیق

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ کو فتح فرماکر آیندہ سال پھر واپسی مکہ کا ارادہ ظاہر فرمانے کے بعد اوائل ذی الحجہ سنہ ۶ھ میں اپنے سفر سے مدینہ واپس ہوئے تو آپ نے اپنے ان رفیقوں کو یاد فرمایا جو اپنے صدر حضرت جعفر بن ابی طالب سفیرِ اسلام برائے حبشہ کی زیرِ سرکردگی اسلام کے پہلے دار الہجرت میں مقیم تھے۔

ان میں سے بعض مہاجرین تو واپس آگئے تھے لیکن حضرت جعفر ابھی نجاشی کے دل میں اسلام کو مستحکم کرنے اور اس کی قوم میں اسلام کی اشاعت کی غرض سے وہیں مقیم تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا احساس ہوا کہ وہاں آپ کی تبلیغی مہم پوری ہو چکی ہے اس لئے اب بقیہ مہاجروں کی اپنے اپنے گھروں کی جانب واپسی کا وقت آگیا ہے۔ اس خیال سے آپ نے نجاشی کو ایک خط لکھا جس میں آپ نے اپنے اور نجاشی کے درمیان دوستانہ تعلق کے استحکام کی توثیق فرمائی اور عیسیٰ بن مریم علیہ السلام اور ان کی والدۂ محترمہ (حضرت مریم علیہا السلام) کے متعلق اسلام کی رائے ظاہر فرمائی جس کا مقصد یہ تھا کہ نجاشی اپنے پیشوایانِ مذہب کو اسلام کا حلقہ بگوش بنانے کے لئے مطمئن کر سکے۔ اس کے بعد خط پر اپنی مہر لگا کر اسے عمر ضامری کے ہاتھ ارسال فرمایا۔ مکتوبِ گرامی کا متن یہ تھا:-

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ من محمد رسول اللہ الی النجاشی الاصحم	بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ یہ مکتوب محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف سے اصحم نجاشی

ملك الحبشة سلم انت فانی
احمد الیك الله الملك القدوس
السلام المؤمن المهيمن واشهد
ان عیسی بن مریم روح الله وکلمته
القاها الی مریم البتول الطیبة
الحصینة فحملت بعیسی من روحه
ونفخه کما خلق آدم بیده ونفخه
وانی ادعوك الی الله وحده
لا شریك له والموالاة علی طاعته
وان تتبعنی وتؤمن بالذی جاءنی
فانی رسول الله وقد بعثت الیك
جعفرا ونفرا معه من المسلمین
فاذا جاؤك فاقرهم ودع التجبر
فانی ادعوك وجنودك الی الله
فقد بلغت ونصحت فاقبلوا نصحی۔
والسلام علی من اتبع الهدی۔

شاہ حبشہ کی طرف مرسل ہے۔ تم اسلام لے آؤ میں تم
سے اللہ کی حمد وثنا بیان کرتا ہوں جو شاہوں کا شہنشاہ
بہت مقدس۔ سلامتی وامن دینے والا اور بابرکت ہے
اور میں گواہی دیتا ہوں کہ عیسیٰ بن مریم اللہ کی روح اور
اس کا وہ کلمہ تھے جسے اس نے معصوم وپاکباز حضرت مریم بتول
کے جسم میں ڈالا تھا جس سے انہیں عیسیٰ کا حمل رہ گیا تھا
اور خدا نے یہ روح ان کے شکم مبارک میں پھونکی تھی جس طرح آدمؑ
کا مجسمہ اپنے ہاتھ سے بنا کر اس میں روح پھونکدی تھی میں تمہیں
صرف اس ایک خدا کی ہستی کے اقرار کی دعوت دیتا ہوں جس
کا کوئی شریک نہیں نیز اس کی فرمانبرداری میں باہمی موافقت و
دوستی۔ میرے کامل اتباع اور اس فرشتہ پر ایمان لے آنے کی
دعوت دیتا ہوں جو اللہ کی کتاب لیکر میرے پاس آیا بالیقین
میں اللہ کا بھیجا ہوا نبی ہوں۔ میں نے اس سے قبل تمہارے پاس
جعفر اور مسلمانوں کی ایک مختصر جماعت کو بھیجا ہے پس انہیں
وہاں آرام سے رہنے دو اور ان پر کسی قسم کی سختی نہ کرو میں تمہیں
اور تمہاری سب رعایا کو اللہ کی طرف بلاتا ہوں میں نے فریضۂ تبلیغ
ادا کر دیا اور اپنی نصیحت پوری کر دی پس میری نصیحت قبول کر لو
اور جس نے راہ مستقیم کا اتباع کیا اس پر سلامتی ہو۔

اس فرمان پر مہر ثبت فرما کر عمر ضمری کے ہاتھ نجاشی کو بھیجا جب عمر نے اسے یہ فرمان حوالہ کیا تو نجاشی نے اسے فوراً پڑھا اور فوراً ہی اس کا یہ جواب تحریر کیا:۔

بسم الله الرحمن الرحیم۔ الی محمد رسول الله

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ یہ مکتوب ب محمد رسول صلی اللہ علیہ وسلم

مِنَ النجاشی الاَصْحم بن اَبْجَر سَلَامٌ	کی خدمت بابرکت میں نجاشی اصحم بن ابجر کی طرف سے پیش ہے۔
عَلَیکَ یا نبیَّ اللّٰہ ورحمۃُ اللّٰہ وبرکاتُ	اے نبی اللہ! حضرت پر خدا کی سلامتی اس کی رحمت اور اس
اللّٰہ الّذی لا الٰہ الّا ھو الّذی	کی برکتیں نازل ہوں وہ خدا جس کے سوا اور کوئی دوسرا خدا نہیں اور
ھدانی الی الاسلام۔	وہ خدا جس نے میری اسلام کی طرف رہنمائی فرمائی ہے۔
امابعد۔ فقد بلغنی کتابُکَ یا رسول	امابعد۔ یارسول اللہ! مجھے فرمان گرامی ملا حضرت نے حضرت عیسیٰ
اللّٰہ فیما ذکرتَ من امر عیسیٰ فوربِّ	کے معاملہ میں جو کچھ تحریر فرمایا ہے زمین و آسمان کے خدا کی قسم ہے
السماءِ والارض ان عیسیٰ ما	کہ حضرت عیسیٰ کا موقف اس سے زیادہ نہیں جو حضرت نے بیان
یَزِیدُ علی ما ذکرتَ وقد عرفنا مابُعِثتَ	فرمایا ہے۔ حضرت نے جو پیغام ہمیں بھیجا ہے ہم اسے خوب سمجھ
بہ الینا وقد قرَّینا ابنَ عمِّکَ واصحابہ	گئے ہیں ہم نے حضرت کے چچیرے بھائی اور ان کے رفقاء کو اپنے
فاَشْھَدُ اَنَّکَ رسولُ اللّٰہ صادقا	ملک میں آرام و راحت سے ٹھہرا لیا ہے میں دل سے گواہی دیتا
مصدقا وقد بایعتکَ وبایَعتُ ابنَ	ہوں کہ آپ خدا کے سچے رسول اور خدائی احکام کی تصدیق کرنے
عمِّکَ واسلمتُ علی یدیہ	والے ہیں میں نے حضرت کی اور حضرت کے چچازاد بھائی کی بیعت
للّٰہ ربِّ العالمین وارسلتُ	کرلی اور پروردگار دوجہاں کیلئے ان کے ہاتھ پر اسلام قبول کرلیا۔
الیکَ بابنی ارھا ابنِ الاَصْحَم	حضرت اقدس میں اپنے فرزند ارہا ابن اصحم بن ابجر کو
بنِ اَبْجَرَ فانی لا املِکُ الا نَفْسِی	خدمت والا میں بھیج رہا ہوں میں صرف اپنے نفس کا مالک ہوں۔ اگر
وان شِئتَ آتیکَ فَعَلْتُ	حکم ہو تو میں خود بھی حاضر خدمت ہوں۔ یارسول اللہ!
یارسولَ اللّٰہ۔	میں نے اپنا فرض ادا کر دیا۔

اس وقت حبشہ میں ابوسفیان کی دختر ام حبیبہ بھی تھیں یہ اپنے شوہر عبیداللہ بن ابی جحش کے ہمراہ حبشہ ہجرت کرکے گئی تھیں لیکن بعد کو ان کے شوہر نے عیسائی مذہب قبول کرلیا تھا اور اسی مذہب پر فوت ہوگئے مگر یہ بدستور اپنے اسلام پر قائم اور حبشہ ہی میں مقیم رہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رائے ہوئی کہ ان سے عقد فرمالیں اور آپ نے یہ

ارادہ ان کے اسلام پر ثابت قدم رہنے کا اس طرح صلہ عطا فرمانے کی غرض سے یا اس طرح ان کے باپ کی دلداری یا ان کو جوش دلانے کی غرض سے فرمایا لیکن بجائے اس کے کہ ام حبیبہ سے اس معاملہ کو خود ان پر ظاہر فرمانے کے لئے مہاجرین کے ہمراہ ان کی واپسی کا انتظار فرماتے آپ کی مصلحت عالی اس کی مقتضی ہوئی کہ اس معاملہ کی تکمیل نجاشی شاہ حبشہ کے تفویض فرمائیں تاکہ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے شاہ نجاشی سے آپ کے انتہائی خلوص اور بے تکلفانہ روابط کا واضح ثبوت ہو جائے۔ پس آپ نے عمر ضامری کو حکم فرمایا کہ وہ نجاشی پر آپ کا ارادہ ظاہر کر دیں۔ چنانچہ انھوں نے تعمیل ارشاد کر دی۔ جوں ہی نجاشی کو رسول اللہ صلعم کی اس رغبت کا علم ہوا فوراً اپنی لونڈی "ابرہہ" کو ام حبیبہ کی خدمت میں بھیجا تاکہ وہ انھیں رسول اللہ کے ان سے پیغام عقد کی خبر پہونچا دے۔ اس خبر سے ام حبیبہ بہت مسرور ہوئیں اور انھوں نے اس کا خیر مقدم کیا تب نجاشی نے انھیں اپنی طرف سے وکیلِ عقد نامزد کرنے کو کہلا بھیجا چنانچہ انھوں نے اپنی طرف سے "خالد ابن سعید بن عاص" کو وکیل بنایا جنھوں نے ان کو آنحضرت کے عقد میں دیا اور رسول اللہؐ کی طرف سے خود نجاشی نے قبولِ عقد کے کلمات ادا کئے اور اسی نے اپنی طرف سے چار سو دینار مہر ادا کیا اور اپنی بیویوں سے کہا کہ ان کے پاس جو عنبر و عود ہو وہ حضرت ام حبیبہ کی خدمت میں بھیجدیں پھر آپ کو حضرت جعفر بن ابی طالبؓ اور تمام باقیماندہ مہاجرین کے ہمراہ دو کشتیوں میں سوار کرا کر احترام کے ساتھ مدینہ منورہ روانہ کر دیا یہ قافلہ ملک عرب کے ایک ساحل "جار" پر اترا اور یہاں سے اونٹوں پر سوار ہو کر جمادی الاولیٰ ۷ھ م اگست ۶۲۸ء میں مدینہ منورہ پہونچا اس وقت نبی کریمؐ خیبر کے مقام پر تشریف فرما تھے اس لئے ام حبیبہ مدینہ میں ٹھہر گئیں اور حضرت جعفرؓ اپنے بعض دوسرے رفقا سمیت خیبر پہونچکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرطِ محبت سے حضرت جعفر کی پیشانی کو بوسہ دیا انھیں سینہ سے لگایا اور فرمایا

میں نہیں جانتا کہ آج کس بات پر زیادہ خوش ہوں آیا خیبر فتح ہونے پر یا جعفر کی آمد پر۔ خیبر سے واپسی پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ام حبیبہ کے پاس تشریف لے گئے اور ان سے نجاشی کے متعلق استفسار فرمایا انھوں نے آپ سے ان کی تعریف بیان کی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سیاسی مکتوبات

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ میں اپنی رسالت کی دعوت کا اپنے کنبے اور قوم سے آغاز فرمایا جس میں انھیں احسن طریق پر خدا کی طرف بلایا اور ان ہم خیال لوگوں کی تربیت فرمائی جو آپ کے دین میں داخل ہوں آپ کے احساسات سے متاثر ہوں۔ آپ کی ناراضی پر ناراض اور آپ کی رضامندی پر راضی ہوں اس کے بعد آپ مدینہ شریف منتقل ہوگئے جہاں آپ نے امارت کے فرائض بھی سنبھال لئے اور عدلیہ کے طریقوں کو رواج دیا اس طرح دین اور حکومت کو جمع فرما دیا اور ایک طرف وعظ و تبلیغ اور نمازوں میں مصلیوں کی امامت کے ذریعے اپنے پروردگار کے حقوق ادا فرماتے تو دوسری طرف راتوں کو بیدار رہ کر امتِ اسلامی کی راحت رسانی ان میں عدل قائم کرنے ان کے قلوب میں اطمینان پیدا کرنے اور غلبہ و شوکت کے حصول کے لئے طاقت کے ذرائع مہیا کرنے کی تدابیر میں منہمک رہتے پس آپ نے اسلامی صفوف کو منظم فرمایا۔ جہاد کے میدانوں میں فوجوں کی قیادت فرمائی یہاں تک کہ اپنے دشمنوں کو مغلوب کرلیا اور خدا کی وہ مدد پائی جس نے مخالفین کے دلوں کو آپ کے رعب اور آپ کی قوت و شوکت کے خوف سے لبریز کردیا۔ پھر سیاست کا دور آیا پس آپ کو صلحِ حدیبیہ کے ضمن میں

واضح فتح حاصل ہوئی اور آپ مظفر و منصور مدینہ منورہ کو واپس ہوئے اور دس سال تک قریش کے کسی ظلم و تعدی سے مامون ہو گئے اور جب آپ کو یہ یقین حاصل ہو گیا کہ اب اہل مکہ آپ سے عہد شکنی نہ کریں گے تو پھر آپ نے یہود کے معاملہ پر نظر دوڑائی یہ وہ لوگ تھے جن پر پہلے پہل تو آپ کو بھلائی کا گمان ہوا اس لئے آپ نے ان کا احترام فرمایا اور انھیں خوش رکھنے کی سیاست اختیار فرمائی انھوں نے بھی عملاً ایسا ہی ثابت کیا پھر کچھ دن بعد آپ پر ان کے مکر و فریب اور دھوکہ کا راز فاش ہو گیا اور متعدد تجربوں کے بعد آپ پر یہ امر واضح ہو گیا کہ یہ منافق قوم ہے جسے نہ پاسِ عہد ہے نہ احساسِ ذمہ داری۔ نہ اس کے شر و فساد سے مامون رہا جا سکتا ہے نہ اس کی مخالفت سے محفوظ۔ جب تک یہ لوگ آپ کے قریب خیبر کے مقام پر رہیں گے یہی خطرہ رہے گا کیونکہ یہاں یہ لوگ اپنے قلعوں کو مستحکم کر کے ان میں قلعہ بند ہو گئے تھے اور مسلمانوں پر مصائب ڈھانے اور ان سے بدلہ لینے کی غرض سے برابر خفیہ طور پر تیاری میں لگے رہتے تھے اس بنا پر آنحضرتؐ کی رائے ہوئی کہ اس نوبت پر انھیں اپنے سامنے جھکانا اور انھیں مسلمانوں کی ان پر حکمرانی کا یقین دلا دینا ضروری ہو گیا ہے۔ یہ سوچ کر آپ نے فوراً اسی وقت انھیں پا بجولاں کرنے اور ان کے قلعوں کو مسمار کر دینے اور انھیں اپنا تابعِ فرمان بنا لینے کے لئے ان پر حملہ کر دیا تاکہ ان کے متوقع شر سے محفوظ رہ سکیں۔

پھر آپ نے یہ دیکھا کہ وقت آگیا ہے کہ آپ اپنی دعوت جزیرۂ عرب سے باہر بھی عام کر دیں کیونکہ آپ تمام عالم کے انسانوں کی طرف خدا کے پیغامبر بن کر آئے تھے اس لئے ضروری تھا کہ آپ کی یہ دعوت باضابطہ ہو جس میں اطراف و اکنافِ عالم کے تمام سلاطین و امراء کو مخاطب کیا جائے کیونکہ یہ اکابران اہل رائے میں سے ہیں جن سے سمجھوتہ کا امکان ہے اور جب اس طبقہ کے لوگ آپ کی رسالت سے مطمئن ہو کر آپ کے رب پر ایمان لے آئیں گے اور دینِ اسلام کے حلقہ بگوش ہو جائیں گے تو

پھر ان کی قومیں بھی ان کا اتباع کریں گی - ورنہ قیامت تک خود ان کے اور ان کی قوم کے انکار کا بوجھ ان کی گردنوں پر رہے گا -

تب آپ نے مختلف مضامین و متنوع عبارات پر مشتمل متعدد خطوط سلاطین و امراءِ عالم کی طرف لکھوائے جن میں ہر اک کی عقل و فہم کے مناسب اس کے آپ کی دعوت کی طرف طبعی میلان کے امکان کے مدنظر ہر اک سے علیحدہ طرز تخاطب کی رعایت ملحوظ رکھی گئی تھی -

چونکہ آنحضرتؐ اپنی ذات کے لئے لوگوں پر حکومت و غلبہ کے خواہشمند نہ تھے بلکہ آپ کا منشا صرف انسانوں تک اپنے رب کا بھیجا ہوا پیغام پہونچانا تھا اس لئے آپ نے اپنے گرامی ناموں میں اساسی مسئلہ صرف تمام انسانوں کو اس اسلام کی دعوت کی تبلیغ رکھا جس کی نسبت خدا کا ارشاد ہے :-

اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ -	بالیقین مذہب خدا کے نزدیک صرف اسلام ہی ہے -
وَمَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْنًا فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْہُ وَھُوَ فِی الْاٰخِرَۃِ مِنَ الْخَاسِرِیْنَ -	جو شخص اسلام کے سوا کسی اور مذہب کو اختیار کرے گا وہ اس سے ہرگز قبول نہ کیا جائے گا جس کے نتیجہ میں وہ آخرت میں خسارہ اُٹھائے گا -

پس آپ نے ۶ سنہ ہجری م ۶۲۸ء میں خیبر میں قیام سے قبل اپنی طرف سے چند قاصدوں کو خطوطِ ذیل دیگر مختلف سلاطین کی طرف بھیجا -

---

ہرقل سے آپ کا خطاب

وہ سلاطین جن کی طرف جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوت نامے ارسال فرمائے ان میں روم کا شہنشاہ "ہرقل" سب سے اوّل تھا۔ اس اعتبار سے کہ وہ اس وقت کی سب سے بڑی، حکومت کا بادشاہ تھا اور دینِ مسیح کا متبع ہونے کی وجہ سے اس میں ایک حد تک خدا سے تعلق اور دینداری پائی جاتی تھی۔ حتیٰ کہ اس نے اہلِ فارس سے جنگ کے وقت یہ نذر مانی تھی کہ اگر وہ اہلِ فارس پر فتحیاب ہوگیا اور ان کو اپنے ملک سے نکال باہر کرنے پر قادر ہوگیا تو وہ خدا کے شکریہ کے طور پر پا پیادہ چل کر بیت المقدس کا حج ادا کرے گا۔ اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے گرامی نامہ میں اس سے تخاطب میں صرف اسے اسلام کی دعوت دینے۔ اسلام لانے پر اللہ کی طرف سے وعدۂ ثواب اور بصورت انکار المضاعف گناہ سے ڈرانے پر ہی اکتفا فرمایا تھا۔ اس گرامی نامہ کا مضمون یہ تھا:-

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ من محمد	بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ یہ مکتوب محمد رسول اللہ کی
رسول اللہ الیٰ ہرقل عظیم الروم۔	طرف سے روم کے بادشاہ ہرقل کی طرف مرسل ہے۔
سلامٌ علیٰ مَنِ اتبع الھدیٰ۔	جس نے ہدایت کا اتباع کیا اس پر سلامتی ہو۔
امابعد۔ اَسْلِم تَسْلَم یُؤتِکَ اللہ	امابعد۔ اے ہرقل! اسلام قبول کرلو سلامت رہو گے
اجرکَ مرّتین وان تَوَلّیْتَ فانّما	اور اللہ تعالیٰ تمہیں دوہرا اجر عطا فرمائیگا اور اگر تم

علیك اثم البریسین (والمراد بالبریسین العامة من رعایاہ) ویا اھل الکتاب تعالوا الی کلمةٍ سواءٍ بیننا وبینکم ان لا نعبد الا اللہ۔ و لا نشرك بہ شیئا ولا یتخذ بعضنا بعضا اربابا من دون اللہ فان تولوا فقولوا اشھدوا بانا مسلمون۔

اسلام سے روگردانی کروگے تو تم پر تمہاری تمام رعایا کا بھی وبال ہوگا۔ اے اہل کتاب! اک ایسے کلمہ کی طرف آؤ جو ہم میں اور تم میں مشترک ہے اور وہ یہ ہے کہ ہم صرف خدا ہی کی عبادت کریں اور اس کا کسی اور کو شریک نہ بنائیں۔ اور ہم میں سے کوئی خدا کے سوا کسی دوسرے کو اپنا پروردگار تسلیم نہ کرے پھر بھی اگر وہ بے توجہی و روگردانی کریں تو کہدیجئے کہ تم گواہ رہنا کہ ہم تو ظاہر و باطن اسی کے فرماں بردار ہیں۔

آپؐ نے یہ مکتوب دحیہ بن خلیفہ کلبی کے ہاتھ بصرہ میں ہرقل کے گورنر حارث بن ابی شمر غسانی کے پاس روانہ فرمایا۔ جب حضرت دحیہ اس کے پاس پہونچے تو اس نے آپ کو اس مکتوب سمیت ہرقل کے پاس بھیجدیا تاکہ آپ اپنے ہاتھ سے یہ مکتوب ان کے حوالہ کردیں۔ اس وقت ہرقل حمص سے روانہ ہوکر قدس کے راستہ میں تھے دحیہ شہر ایلیا (بیت المقدس) میں ان سے جاملے اور یہ نامۂ گرامی ان کے حوالہ کردیا۔ جس کا ترجمہ ان کے سامنے کیا گیا۔ انھوں نے اس میں محض دعوت الی اللہ کے سوا اور کچھ نہ پایا اس لئے آنحضرتؐ کے سفیر سے غایت احترام سے پیش آئے اور انھیں خوش آیند جواب دیا پھر اس معاملہ کی چھان بین شروع کردی اور آنحضرتؐ کے مخالفین سے اس کی معلومات کرنی چاہی۔ اس سلسلہ میں انھیں ابوسفیان کا نام بتایا گیا جو اس وقت اپنی تجارت کے سلسلہ میں اسی شہر میں موجود تھا چنانچہ ہرقل نے اسے بلا بھیجا اور اس سے کہا کہ سچ بولنا پھر اس سے حسب ذیل سوالات کئے :۔

ہرقل :۔ یہ صاحب جو تمہارے درمیان ظاہر ہوکر نئے نئے دعوے کررہے ہیں ان کے متعلق مجھے صحیح اطلاعات بہم پہونچاؤ۔

ابوسفیان :- اے نیک سیرت! آپ کو اس شخص کے معاملہ کا کیا اہتمام ہے؟ اس کی شان اس سے کمتر ہے کہ آپ کے مرتبہ تک پہونچے۔

ہرقل :- میں تم سے جتنا سوال کروں اتنا ہی جواب دو۔ زیادہ مت بڑھاؤ۔

ابوسفیان :- آپ جو سوال کرنا چاہتے ہوں کیجئے۔

ہرقل :- تم میں اس شخص کا نسب کیسا ہے؟

ابوسفیان :- وہ ہم میں برتر نسب والے ہیں۔

ہرقل :- کیا تم میں سے کسی نے اس سے پہلے کبھی ایسی باتیں کہی ہیں؟

ابوسفیان :- نہیں۔

ہرقل :- کیا ان کے بزرگوں میں کوئی بادشاہ گزرا ہے؟

ابوسفیان :- نہیں۔

ہرقل :- کیا بڑے لوگ ان کی پیروی کرتے ہیں یا کمزور؟

ابوسفیان :- کمزور۔

ہرقل :- کیا ان کے متبعین بڑھتے جاتے ہیں یا گھٹتے جاتے ہیں۔

ابوسفیان :- بڑھتے ہی جاتے ہیں۔

ہرقل :- کیا تم میں سے کوئی شخص ان کے دین میں داخل ہونے کے بعد پھر اس دین سے ناخوشی کی بنا پر مرتد بھی ہو جاتا ہے۔

ابوسفیان :- نہیں۔

ہرقل :- کیا ان کے ان دعاوی سے پہلے تم لوگ انھیں جھوٹ سے بھی متہم کیا کرتے تھے؟

ابوسفیان :- نہیں۔

ہرقل :- کیا وہ کبھی عہد شکنی بھی کرتے ہیں۔

ابوسفیان :- نہیں لیکن ہم ایک مدت سے ان سے دور ہیں۔ معلوم نہیں اس عرصہ میں ان کا کیا رویہ رہا (ابوسفیان کا بیان ہے کہ مجھے اس تمام گفتگو میں آپ کے خلاف اس جملہ کے سوا کہیں بھی کوئی کلمہ اپنی طرف سے داخل کرنے کا موقع نہ مل سکا)

ہرقل :- کیا تم نے ان سے کبھی جنگ کی ہے؟

ابوسفیان :- ہاں۔

ہرقل :- تمہاری ان سے جنگ کا کیا نتیجہ رہا ہے؟

ابوسفیان :- لڑائی میں ہم اور وہ برابر برابر رہے ہیں کبھی وہ ہم پر غالب آئے کبھی ہم ان پر۔

ہرقل :- وہ تمہیں کیا ہدایت فرماتے ہیں؟

ابوسفیان : وہ کہتے ہیں صرف اللہ کی عبادت کرو۔ کسی کو اس کے ساتھ شریک نہ بناؤ۔ اپنے آباؤ اجداد کی باتوں کو چھوڑ دو۔ نیز ہمیں نماز۔ سچّائی۔ پاکیزگی اور صلہ رحمی کا حکم فرماتے ہیں۔

ہرقل :- ترجمان سے مخاطب ہو کر! ابوسفیان سے کہو کہ میں نے تم سے ان کے نسب کا حال پوچھا تو تم نے جواب دیا کہ وہ ہم میں شریف النسب ہیں۔ واقعہ یہی ہے کہ پیغمبر ہمیشہ اپنی قوم میں سب سے برتر نسب والے ہی ہوا کرتے ہیں۔ پھر میں نے تم سے سوال کیا کہ کیا اس سے پہلے بھی تم میں سے کسی نے یہ بات کہی ہے؟ تم نے جواب دیا کہ نہیں پس میں کہتا ہوں کہ اگر کسی نے اس سے پہلے بھی یہ بات کہی ہوتی تو میں مان لیتا کہ اس شخص نے پہلے کہی ہوئی بات پر ہی اس دعوے کی بنیاد رکھدی ہوگی پھر میں نے تم سے سوال کیا کہ کیا ان کے بزرگوں میں کوئی بادشاہ ہوا ہے؟ تم نے کہا۔ نہیں۔ میں کہتا ہوں کہ اگر ان کے آباؤ اجداد میں کوئی بادشاہ ہوتا تو میں کہتا کہ یہ شخص

اپنے باپ کی حکومت چاہتا ہے۔ پھر میں نے تم سے سوال کیا کہ کیا تم انھیں نبوّت کے دعوی سے پہلے جھوٹا سمجھتے تھے؟ تم نے کہا نہیں۔ اس سے میں نے جان لیا کہ جو شخص لوگوں سے جھوٹ نہ بولتا ہو کیا وہ اللہ پر جھوٹی تہمت لگا دے گا؟

میں نے تم سے پوچھا کہ کیا معززین ان کا اتباع کرتے ہیں یا پست و کمزور؟ تم نے کہا کہ ضعیف لوگ ان کا اتباع کرتے ہیں۔ واقعہ یہی ہے کہ ابتداءً ہمیشہ کمزور ہی رسولوں کے متبع ہوا کرتے ہیں۔

میں نے تم سے سوال کیا کہ کیا ان کی تعداد میں اضافہ ہوتا جاتا ہے یا کمی؟ تم نے کہا اضافہ ہی ہوتا جاتا ہے فی الواقع ایمان کا حال ایسا ہی ہوتا ہے تا آنکہ اس کا مقصد پورا ہو جائے۔

میں نے سوال کیا! کیا کوئی شخص اس دین میں داخل ہونے کے بعد اس دین سے ناخوشی کی بنا پر اس سے پھر بھی جاتا ہے؟ تم نے کہا۔ نہیں۔

فی الحقیقت جب ایمان کی لذّت قلوب میں راسخ ہو جاتی ہے تو پھر اس کی یہی کیفیت ہوتی ہے۔ پھر میں نے تم سے سوال کیا کہ کیا وہ عہد شکنی کرتے ہیں؟ تم نے کہا۔ نہیں۔ انبیا کا یہی حال ہوتا ہے کہ وہ عہد شکنی نہیں کیا کرتے۔ پھر میں نے تم سے سوال کیا کہ وہ تمھیں کن باتوں کا حکم دیتے ہیں؟ تم نے بیان کیا کہ وہ تمھیں حکم دیتے ہیں کہ تم صرف اللہ کی عبادت کرو اس کا کسی دوسرے کو شریک نہ بناؤ۔ تمھیں بُت پرستی سے روکتے اور نماز۔ راستبازی اور پاکیزگی کا حکم فرماتے ہیں۔ پس جو کچھ تم نے بیان کیا اگر وہ صحیح ہے تو یہ نبی عنقریب ہی اس جگہ تک کے مالک ہو جائیں گے جہاں اب میرے قدم ہیں، مجھے یہ معلوم تھا کہ ایک ایسا نبی ظاہر ہونے والا ہے لیکن یہ گمان نہ تھا کہ وہ تم میں سے ہوگا۔ اگر مجھے ان تک اپنی رسائی کا یقین ہو جاتا تو میں ان کی زیارت کے لئے ضرور سفر کی مشقّت برداشت کرتا اور اگر میں ان کے پاس ہوتا تو خود ان کے قدمِ مبارک دھو کر پیتا۔ جاؤ۔ اپنا کام کرو۔

ابو سفیان کا بیان ہے کہ میں ہرقل کے پاس سے حسرت کے ساتھ اپنے ہاتھ سے ہاتھ ملتا ہوا باہر نکلا اور دل میں کہنے لگا کہ اس شخص کو اتنی شان و شوکت نصیب ہوگئی ہے کہ سلاطینِ بنی اصفر شام میں اپنے دبدبۂ حکومت کے باوجود اس سے ڈرنے لگے ہیں اس کے بعد سے میں اسلام قبول کرنے تک حضرت محمدؐ سے مرعوب و خائف ہی رہا پھر ہرقل نے اپنے اک دوست کو جو علم میں اسی جیسا تھا رومیہ خط بھیج کر حضرت محمد کی طرف سے آئے ہوئے خط کے مضمون سے باخبر کیا اور خود حمص کی طرف روانہ ہوا یہاں پہونچکر اسے اپنے اس دوست کا جواب ملا جس میں اُسنے ہرقل کی رائے سے اتفاق کیا تھا۔

اس کے بعد ہرقل نے تمام اکابرِ روم کو اپنے محل میں جمع کیا اور ان سے کہا:

اے اہل روم! کیا تمہیں اپنی نجات ہدایت اور اپنی اس حکومت کے باقی رہنے سے کچھ دلچسپی ہے اگر ایسا ہے تو اس نبی کا اتباع کرو۔ سب نے سُن کر اس بات سے اکراہ کا اظہار کیا اور دروازوں کی طرف دوڑنے لگے۔ تب ہرقل نے انھیں واپس بلا کر کہا کہ اس کا صاف جواب دیں۔ انھوں نے ہرقل سے کہا کیا آپ ہمیں اس کی دعوت دیتے ہیں کہ ہم نصرانیت کو چھوڑ کر ایک بدوی شخص کے غلام ہو جائیں؟ ہرقل نے جب ان کی یہ نفرت دیکھی اور ان کے ایمان لانے سے نا امید ہوگیا تو بات بدل کر کہا کہ میں نے تم سے یہ بات تمہارے اپنے دین پر استحکام و عصبیت کا اندازہ لگانے کے لئے کہی تھی یہ سن کر سب نے اس کے سامنے سجدہ کیا اور اس سے خوش ہوگئے۔

پس ہرقل بدستور اپنے آبائی دین پر باقی رہا لیکن اس نے اسلام کی مخالفت کا موقف اختیار نہیں کیا۔ کیونکہ جب حارث بن ابی شمر غسانی نے جو بعد میں دمشق میں اس کا گورنر ہوگیا تھا۔ خط لکھکر اس سے رسول اللہؐ سے جنگ کرنے کی اجازت چاہی تو اس نے اس کی اجازت نہیں دی اور اسے حکم لکھ کر بھیجا کہ اس ارادہ سے باز رہے۔

علیٰ ہذا جب ہرقل کو یہ خبر پہونچی کہ نجاشی مسلمان ہوگیا ہے اور اس نے ہرقل کو وہ خراج ادا کرنے سے انکار کردیا ہے جو وہ اسلام سے پہلے اسے ادا کیا کرتا تھا تو اسے اس پر کوئی غصّہ نہ آیا یہاں تک کہ اس سے ایک بڑے مصاحب نے کہا: "کیا آپ اپنے اک محکوم کو اس بات پر آزاد چھوڑ دیں گے کہ وہ آپ کا خراج بھی ادا نہیں کرتا اور آپ کا دین چھوڑ کر ایک دوسرے نئے دین کو اختیار کرلیتا ہے۔"

اس پر ہرقل نے اسے جواب دیا کہ "اک شخص نے ایک دین کی طرف مائل ہوکر اسے اختیار کرلیا تو اس میں میں کیا کرسکتا ہوں۔ خدا کی قسم ہے اگر مجھے ملکی دشواری نہ ہوتی تو میں بھی وہی کرتا جو نجاشی نے کیا ہے۔"

مکتوبِ سامی بجانب حارث غسانی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف قیصرِ روم ہی کو مکتوب بھیجنے پر اکتفا نہیں فرمایا بلکہ اسی وقت دمشق شام پر مامور قیصر کے گورنر حارث غسانی کے نام بھی دعوت نامہ ارسال فرمایا: جس میں اسے اللہ پر ایمان لانے کی دعوت دی تھی تاکہ اس کی حکمرانی باقی رہے اس لئے کہ آپ کو اس کی لادینی نیز اس امر کا علم ہو چکا تھا کہ اسے دنیوی زندگی میں اپنے ملک اور اہلِ قوم پر اپنی حکمرانی کی بقا کے سوا کسی اور شے سے دلچسپی نہیں ہے۔ اس مکتوب کا مضمون یہ تھا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم - من محمدٍ رسولِ اللہ الی الحارث بن ابی شمر سَلَامٌ علیٰ مَنِ اتَّبَعَ الھُدیٰ و آمَنَ باللہ فانی ادعوكَ الی ان تُومن باللہ وحدہٗ لا شریكَ لہٗ یبقیٰ مُلکُك -

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم - محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف سے حارث بن ابی شمر کو ترقیم ہے کہ جس نے ہدایت قبول کی اور خدا پر ایمان لے آیا اس پر سلامتی ہو - میں تجھے اس کی دعوت دیتا ہوں کہ صرف اس خدا پر ایمان لے آ جس کا کوئی اور شریک نہیں تیرا ملک اور حکومت دونوں باقی رہیں گے -

اس مکتوب پر اپنی مہر ثبت فرماکر اسے شجاع بن وہب اسدی کے ہاتھ حارث کے پاس روانہ فرمایا - جب شجاع اس کے پاس پہونچے اور مکتوب گرامی اس کے حوالہ کیا تو اس نے اسے پڑھ کر زمین پر پھینک دیا اور کہنے لگا -

جو مجھ سے میرا ملک چھیننے کا قصد کرے گا میں اس پر حملہ آور ہوں گا اگرچہ وہ یمن میں ہو اور قیصر کو عرضداشت لکھ کر صورتِ حال سے مطلع کیا اور آپ کی طرف بارادۂ جنگ روانگی کی اجازت چاہی۔ قیصر نے جواب لکھا کہ ایسا مت کرنا ان سے جنگ کرنے سے باز رہو اور میرے پاس ایلیا یعنی بیت المقدس چلے آؤ۔

جب حارث کا مقولہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سمع مبارک تک پہونچا۔ تو فرمایا کہ:۔ "اس کا ملک تباہ ہو گیا"

نامۂ اقدس بجانب کسریٰ

چونکہ اہلِ فارس سرے ہی سے اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان نہ رکھتے تھے اور ان کا یہ خیال تھا کہ ان کی طرف کبھی کوئی نبی بھیجا ہی نہیں گیا۔ اور ان کا بادشاہ "کسریٰ" نہایت جابر و متکبّر اور خدا بنا ہوا تھا اس لئے آنحضرت ؐ نے اس کے موسومہ مکتوب میں اسے اللہ اس کے انبیاءِ سابقین اور خدا کی طرف سے کسریٰ اور اس کی قوم کی طرف بھیجے ہوئے رسول کی حیثیت سے اپنی رسالت پر ایمان لانے کی دعوت دی۔ کلمۂ شہادت کے اقرار کی ہدایت فرمائی اور اس کی قوم کے اسلام نہ لانے کا بار اس کی گردن پر ڈالا۔ اس نامۂ مبارک کا مضمون یہ تھا:۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ من محمدٍ رسول اللہ الی کسریٰ عظیمِ فارس۔ سلامٌ علی مَنِ اتَّبَعَ الھُدیٰ و آمَنَ باللہِ ورسُلِہ وشَھِدَ ان لا الہ الا اللہ وانّی رسولُ اللہ الی النّاس کافۃً لِیُنذِرَ مَن کان حیاً۔ اَسلِم تَسلَم۔ فاِنْ اَبَیتَ فعلیکَ اِثمُ المجُوس۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ یہ مکتوب محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف سے فارس کے بادشاہ کسریٰ کی طرف مرسل ہے۔ جس نے ہدایت کی پیروی کی اور اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لے آیا اور یہ گواہی دی کہ خدا کے سوا کوئی اور خدا نہیں اور میں تمام انسانوں کی طرف خدا کا رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں تاکہ ہر زندہ انسان کو خدا کے عذاب سے ڈراؤں اس پر خدا کی سلامتی ہوگی پس اسلام لے آؤ مامون و سلامت رہوگے۔

اور اگر تم نے اس کے قبول کرنے سے انکار کر دیا تو اس

صورت میں تمام مجوسی رعایا کے کفر کا بار تمہاری گردن پر ہوگا۔

آپ نے اس نامۂ اقدس پر مہر لگا کر "عبد اللہ بن حذافہ سہمی" کے ہاتھ روانہ فرمایا۔ جب نامۂ اقدس کسریٰ کے پاس پہونچا تو غرور نے اسے دیوانہ بنا دیا اس نے اس نامہ کو پھاڑ ڈالا اور یمن میں اپنے امیر "باذان" کو لکھ بھیجا کہ حجاز کے اس شخص کے پاس اپنے دو بہادر جوانوں کو بھیجدو۔ جو اسے پکڑ کر میرے پاس لے آئیں اس نے تعمیلِ حکم میں اپنی طرف سے "بابویہ" اور "خوخسرہ" نامی دو بہادر آدمیوں کو منتخب کر کے حجاز روانہ کر دیا۔ جب یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہونچے تو بابویہ آپ سے یوں گویا ہوا کہ:

"شہنشاہ کسریٰ نے امیر باذان کو حکم دیا ہے کہ وہ تمہارے پاس کسی کو بھیجکر میرے پاس بلا لائے انھوں نے مجھے تمہارے پاس بھیجا ہے تاکہ تم میرے ہمراہ چلے چلو۔ اگر تم نے ایسا کیا تو وہ شہنشاہ کی خدمت میں تمہاری سفارش لکھ بھیجیں گے جو تمہارے حق میں فائدہ بخش و مفید ہوگی۔ اور اگر تم نے انکار کیا تو پھر ان کی شخصیت سے تم بخوبی واقف ہو وہ تمہیں اور تمہاری قوم کو ہلاک اور تمہارے شہروں کو تباہ و برباد کر ڈالیں گے۔ یہ سب سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں خبر دی کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے بادشاہ کسریٰ پر اس کے فرزند "شیرویہ" کو مسلّط فرما دیا ہے جس نے اسے فلاں مہینے کی فلاں شب میں اتنی رات گئے اتنے وقت پر قتل کر ڈالا ہے۔ واقدی کی تحقیق کے مطابق یہ واقعہ سہ شنبہ کی شب دس جمادی الاولیٰ ۷ھ کو مغرب کے بعد ۶ بجے ظہور میں آیا تھا۔

ان دونوں نے کہا کیا تمہیں کچھ خبر ہے تم کیا کہہ رہے ہو؟ ہم تم سے اس کا بہت سخت انتقام لیں گے۔ کیا ہم تمہاری طرف سے لکھکر باذان کو اس دعوی کی

اطلاع دیدیں؟ آپؐ نے فرمایا ہاں ضرور اسے میری طرف سے اس واقعہ کی اطلاع دیدو اور یہ بھی کہدو کہ یقیناً میرا دین اور میری حکومت وہاں تک پھیل جائے گی جہاں تک کسریٰ کا ملک پھیل چکا ہے۔ اور اس وسیع مسلم مملکت کی انتہائی حدود وہاں جاکر ختم ہوں گی جہاں جانوروں کے کھُر اور انسانی قدم جاکر ختم ہو جاتے ہیں۔ اس سے مزید یہ کہدو کہ اگر تم اسلام لے آئے تو تمہارے ماتحت دولت و حکومت تمہیں ہی دیدوں گا اور تمہیں بدستور تمہاری قوم کا حاکم رہنے دیدوں گا۔

یہ سُن کر یہ دونوں واپس ہوئے اور باذان کو اس تمام تفصیل پر مطلع کیا۔ اس نے کہا کہ ہم ان کے دعویٰ کی صداقت کا انتظار کریں گے اگر ان کی یہ خبر صحیح نکلی تو اس میں شک نہیں کہ وہ خدا کے فرستادہ پیغمبر ہیں اور اگر یہ خبر صحیح نہ ہوئی تو پھر ان کے بارے میں غور مکرر کر کے کوئی رائے قائم کریں گے اس کے بعد تھوڑا ہی عرصہ گذرا تھا کہ اس کے پاس شیرویہ کا یہ فرمان پہونچا جس کا مضمون یہ تھا:۔

"اما بعد۔ میں نے کسریٰ کو اہل فارس کے انتقام میں قتل کر ڈالا اس لئے کہ وہ معززین فارس کو قتل کرا دیتا تھا اور انھیں ان کے مکانوں ہی میں آگ لگا کر بھون ڈالتا تھا اس لئے اہل فارس اس پر بہت مشتعل تھے۔ جب تمہیں میرا یہ فرمان ملے تو اپنی اطراف کی تمام پبلک سے میری اطاعت کا عہد لو۔ اور جس شخص کے متعلق کسریٰ نے تمہیں لکھا تھا اس پر نظر رکھو اور اس خصوص میں میرا دوسرا حکم پہونچنے تک ان کے خلاف کسی قسم کا اقدام نہ کرو۔"

باذان نے فرمان پڑھتے ہی حضرت محمدؐ کی رسالت کا اعتراف کر لیا اور اس کے ساتھ ہی فارسی قوم کے دوسرے بہت سے لوگ اسلام لے آئے۔ باذان نے بابویہ کو بلایا اور اس سے پوچھا۔ کیا حضرت محمد علیہ السّلام نے اسلام کے سوا دوسری

بھی کوئی شرط لگائی تھی؟

بابویہ نے جواب دیا: نہیں۔ پس باذان نے رسول اللہؐ کو اپنے اسلام کی اطلاع لکھ بھیجی۔ اور آپ نے انھیں یمن کی ریاستوں کا امیر مقرر فرما دیا جن کا دارالسلطنت "صنعاء" تھا۔ یہ وہاں عرصہ تک حکمران رہکر حجۃ الوداع کے بعد انتقال کر گئے۔ ان کے بعد آنحضرتؐ نے ان کی جگہ ان کے فرزند "شہر بن باذان" کو صنعاء کا امیر مقرر فرما دیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے رسولؐ کا ارشاد سچ کر دکھایا چنانچہ اللہ نے حضرت عمرؓ کے دورِ خلافت میں مسلمانوں کو کسریٰ کی حکومت اس کے تمام خزائن اور پوری دولت کا مالک بنا دیا۔

مقوقس کے نام آنحضرتؐ کا فرمانِ مبارک

جن سلاطینؑ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلامی دعوت کے فرامین ارسال فرمائے تھے ان ہی میں مصر کے قبطی بادشاہ "مقوقس" بھی تھا جس کا نام "جریج بن میناء" تھا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مصر کے عوام میں ذہانت۔ نور بصیرت۔ ناحق بات پر ہٹ دھرمی نہ کرنے کی علامات دیکھیں اور بلاشبہ اہل مصر فرعونی خاندان کے ظلم و تشدد کی وجہ سے جس نے انھیں برسوں غلام بنائے رکھا اور جو سخت مصائب برداشت کر چکے تھے کسی فردِ واحد کی حکومت سے متنفر اور بیزار ہو چکے تھے۔ پھر آپ نے اہل مصر کے ان حالات کو ملحوظ رکھتے ہوئے صرف مصریوں کے بادشاہ کو دعوت اسلام دینے پر اکتفا نہیں فرمایا بلکہ پوری قوم کو بھی اس دعوت کی طرف متوجہ فرمایا۔ ان کے سامنے اسلام اور روح اسلام کو جس کی آپ دعوت دے رہے تھے واضح طور پر بیان فرمایا اور یہ بھی بیان فرمایا کہ اللہ کی خالص توحید اور کسی بشر کو خدا سمجھنے سے نفرت کے اساسی اصول میں اسلام اور دوسرے آسمانی مذاہب میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ آپ کے اس فرمان کا متن یہ تھا:۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ من عبد اللہ و رسولہ محمد الی المقوقس عظیم القبط سلامٌ علی من اتبع الھدیٰ۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ یہ فرمان اللہ کے بندے اور اس کے رسول محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف سے قبطیوں کے بادشاہ مقوقس کی طرف مرسل ہے جس نے ہدایت کی پیروی کی اس پر سلامتی ہو۔

اما بعد: فانی ادعوک بدعایة الاسلام اسلم تسلم یؤتک اللہ اجرک مرتین۔ فان تولیت فعلیک اثم کل القبط۔ یا اھل الکتاب تعالوا الی کلمة سواء بیننا و بینکم ان لا نعبد الا اللہ ولا نشرک بہ شیئا ولا یتخذ بعضنا بعضاً اربابا من دون اللہ فان تولوا فقولوا اشھدوا بانا مسلمون۔

امابعد۔ میں تمہیں اسلام کی دعوت دیتا ہوں اسلام لے آؤ سلامت رہو گے۔ حق تعالیٰ تمہیں اسلام لانے پر دوہرا ثواب عطا فرمائے گا اور اگر تم نے اس سے سرتابی کی تو تم پر نہ صرف اپنا بلکہ پوری قبطی قوم کا بھی گناہ ہوگا۔ اے اہل کتاب! اس اہم مقصد کی طرف آؤ جو ہم میں اور تم میں مشترک ہے وہ یہ کہ ہم سب خدا کے سوا کسی اور کی عبادت کریں نہ کسی کو اس کا شریک بنائیں اور نہ ہم میں کوئی خدا کے سوا کسی دوسرے بشر کو اپنا رب قرار دے پھر بھی اگر تمہاری قوم والے اس سے بے اعتنائی کریں تو ان سے صاف صاف کہہ دو کہ تم گواہ رہو ہم تو اس کے فرمانبردار ہیں۔

آپؐ نے اس فرمان مبارک پر اپنی مہر ثبت فرما کر اسے "حاطب بن ابی بلتعہ" کے ہاتھ مقوقس کے پاس روانہ فرمادیا۔ جب حاطب نے اسکندریہ پہنچ کر یہ فرمان اس کے سپرد کیا تو اس نے ان کا بہت احترام کیا اور ان کی کافی مدارات کی لیکن نہ تو رسالت پر ایمان ہی لایا نہ صاف انکار ہی کیا بلکہ رسول اللہؐ کو خوش کرنے کی تدبیر کرنے لگا چنانچہ آپ کے موسومہ جواب میں لکھا۔

"یہ عریضہ حضرت محمد بن عبداللہؐ کی خدمت میں قبط کے بادشاہ مقوقس کی طرف سے مرسل ہے۔ آپ پر سلام ہو۔

امابعد: میں نے آپ کا مکتوب گرامی پڑھا اور آپ نے اس میں جو ارشاد فرمایا ہے اور جس چیز کی دعوت دی ہے اسے بھی اچھی طرح سمجھ لیا۔ مجھے پہلے سے یہ علم تھا کہ ایک نبی کی بعثت اور باقی رہ گئی ہے۔ لیکن میرا خیال تھا کہ وہ نبی شام سے ظاہر ہوں گے۔"

یہ جواب حضرت حاطب کے سپرد کر کے دو تحفے بھی ان کے ساتھ دئے ایک خاص ان کے لئے تھا اور دوسرا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کی خدمت میں مصر کی حسین ترین دوشیزاؤں میں سے دو لونڈیاں ایک "ماریہ" دوسری اس کی بہن "سیرین" ایک سفید رنگ کا خچر اور شہد کی کچھ مقدار بطور ہدیہ ارسال کی۔ جب حاطب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں واپس ہوکر پوری صورت حال کی اطلاع دی اور خدمت والا میں ہدایا پیش کئے تو آپ مسرور ہوئے کیونکہ آپ نے اپنا تبلیغی فریضہ ادا فرما دیا۔ اور مقوقس کے آپ کو ہدیہ بھیجنے کو مستقبل میں اس کی فوز وفلاح کی بشارت سمجھا۔ ان باندیوں میں سے "ماریہ" کو آپ نے اپنے لئے منتخب فرمالیا۔ جس کے بعد انھوں نے اسلام قبول کر لیا اور آپ نے ان سے مباشرت بھی فرمائی۔ چنانچہ اُن کے بطن سے آپ کے فرزند حضرت "ابراہیم" تولد ہوئے اور ماریہ کی بہن سیرین کو حضرت حسان بن ثابت رضؓ کو عطا فرما دیا جن سے ان کے فرزند "عبدالرحمٰن" تولد ہوئے۔

فرمانِ مُبارک بجانب امیرِ یمامہ

جن اُمراء کے پاس آپ نے فرمان مبارک بھیجا ان میں یمامہ کا امیر "ہوذہ بن علی حنفی" بھی تھا۔ یمامہ۔ مکّہ سے سولہ منزل کے فاصلہ پر واقع ایک شہر ہے۔ یہ امیر جاہ پسند اور حکومت و شان و شوکت کا دلدادہ تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے پاس درج ذیل فرمان روانہ فرمایا:

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم۔ من محمد رسول اللّٰہ الی ھوذۃ بن علی۔ سلامٌ علی من اتبعَ الھُدیٰ فَاعلَم اَنَّ دینی سَیَظھَرُ الی مُنتھیٰ الخُفِّ والحافِر فَاَسلِم تَسلَمْ و اَجعَلُ لکَ ما تحتَ یدِکَ۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ اللہ کے رسول محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف سے ہوذہ بن علی کی طرف۔ جس نے ہدایت کا اتباع کیا اس پر سلامتی ہو۔ خوب جان لو کہ میرا دین بہت جلد وہاں تک پہنچ جائے گا جہاں تک چوپایوں کے کھر اور انسانوں کے قدم پہونچ سکیں گے پس اسلام قبول کرلو سلامت رہوگے اور جو کچھ تمہارے قبضہ وحکومت میں ہے۔ حسب سابق بحال رہنے دیا جائے گا۔

اس فرمان کو مہر لگا کر "سلیط بن عمرو عامری" کے ہاتھ ہوذہ کے پاس روانہ فرمایا جب وہ اس تک پہونچے اور فرمانِ مبارک پیش کیا تو اس نے نبی کریم کو شاعر یا بادشاہ سمجھا اس لئے وہ آپ سے اسلام کے معاملہ میں بھاؤ تاؤ اور لین دین کرنے لگا اور اس نے چاہا

کہ آپ اسے اپنی نبوت یا حکومت میں شریک فرمالیں۔ چنانچہ اس نے آپ کو یہ خط لکھا:

مَا أَحْسَنَ مَا تَدْعُو إِلَيْهِ وَأَجْمَلَهُ وَأَنَا شَاعِرُ قَوْمِي وَخَطِيبُهُمْ وَالْعَرَبُ تَهَابُ مَكَانِي فَاجْعَلْ لِي بَعْضَ الْأَمْرِ أَتَّبِعْكَ۔

جس امر کی طرف آپ دعوت دے رہے ہیں وہ بہت ہی بہتر اور بہت ہی خوب ہے۔ میں اپنی قوم کا شاعر اور خطیب بھی ہوں تمام عرب مجھ سے مرعوب ہے اس لئے آپ مجھے اپنی نبوت و حکومت میں سے کچھ حصہ عطا فرما دیں تو میں آپ کا مطیع ہو جاؤں گا۔

جب حضرت سلیط رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں واپس آئے اور ہوذہ کا تحریری جواب خدمتِ اقدس میں پیش کیا تو آپؐ نے فرمایا: "ہوذہ برباد ہوگیا اور جو کچھ اس کے قبضہ میں تھا وہ بھی سب تباہ و برباد ہوگیا۔ کچھ ہی عرصہ گزرا تھا کہ اللہ نے اسے تباہ کر ڈالا اور باقی یمامہ والے اسلام لے آئے۔

فرمانِ مبارک بجانب امیرِ بحرین

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جن اُمراء کی طرف اسلام کے دعوت نامے ارسال فرمائے ان میں بحرین کے امیر منذر بن ساوی تمیمی بھی تھے جنھوں نے فوراً اس دعوت کو قبول کرلیا اور حلقہ بگوش اسلام ہوگئے لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عریضہ لکھکر آپ سے استفسار کیا کہ وہ اپنی قوم کے ساتھ کیا طرزِ عمل رکھیں جو معاشرت میں ہمیشہ سے مجوس و یہودی رعایا سے ملے جلے رہتے ہیں۔ نیز ان کے لئے رحم و کرم کی درخواست کی اس کے جواب میں انھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حسب ذیل فرمان لکھکر بھیجا:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ من محمدٍ رسولِ اللہ الی المنذر بن ساوی سلامٌ علیک فانی احمدُ الیک اللہ الذی لا الٰہ الا ھُو و اشھدُ اَن لا الٰہ الا اللہ و انّ محمداً عبدُہٗ و رسولُہٗ۔

امّا بعد۔ فانی اذکرکَ اللہ عزّ وجل فانّہ من ینصح فانما ینصح لنفسہٖ وانہ من یطع رسُلی ویتّبع امرھم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ اللہ کے رسول "محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جانب سے منذر بن ساوی کی طرف۔ تم پر سلام ہو میں تم سے اللہ کی مدح و ثنا بیان کرتا ہوں جس کے سوا اور کوئی خدا نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ خدا کے سوا اور کوئی دوسرا معبود نہیں اور یہ کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس کے خاص بندے اور رسول ہیں۔

اما بعد۔ میں تمہیں خدائے عزّ وجل کی یاد دلاتا ہوں جو میری نصیحت قبول کرے گا وہ اپنے ہی مفاد کے لئے ایسا کرے گا اور جس نے میرے سفیروں کی اطاعت کی اور ان کا

فقد اطاعنی و من نصح لھم فقد نصح لی و ان رسلی قد اثنوا علیک خیراً و انی قد شفعتک فی قومک فاترک للمسلمین ما اسلموا الیہ و عفوت من اھل الذنوب فاقبل منھم و انک مھما تصلح فلن نعزلک عن عملک و من اقام علی یھودیتہ او مجوسیتہ فعلیہ الجزیۃ۔"

حکم مانا اس نے دراصل میری ہی اطاعت کی اور جس نے ان کی نصیحت قبول کی اس نے فی الحقیقت میری ہی نصیحت مانی میرے سفیروں نے مجھ سے تمہاری تعریف کی ہے میں نے تمہاری قوم کے بارے میں تمہاری سفارش قبول کرلی ہے جو لوگ اسلام قبول کرلیں انھیں ان کے حال پر باقی رہنے دو اور جن سے سابق میں خطائیں سرزد ہوئی ہیں ان کی خطاؤں سے درگذر کرتا ہوں۔اس لئے تم ان کی معذرت قبول کرلو۔تم میں جب تک حکومت کی اہلیت وصلاحیت پائی جائے گی۔اس وقت تک ہم تمہیں تمہارے اس عہدہ سے معزول نہیں کریں گے اور جو لوگ اپنے سابق دین یہودیت یا مجوسیت پر قائم رہنا چاہیں انھیں جزیہ کی رقم ادا کرنی ہوگی۔"

آپؐ نے یہ تحریر مبارک "حضرت علاء بن حضرمی" کے ہاتھ روانہ فرمائی۔جب انھوں نے یہ تحریر امیر بحرین کو سپرد کی تو انھوں نے اپنی قوم کو جمع کیا اور ان کے سامنے اسلام پیش کیا بعض نے اسے قبول کرلیا اور بعض نے اظہار بیزاری کیا اور بدستور اپنے سابق دین پر قائم رہے مگر جزیہ ادا کرتے رہے۔ایک قول یہ بھی ہے کہ اس کے بعد منذر بن ساوی ایک وفد کے رئیس بن کر خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے۔

عمان کے دو بادشاہوں کی جانب فرمانِ مبارک

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جن سلاطین کی طرف انتہائی پُر زور وپُر شوکت گرامی نامے ارسال فرمائے ان میں خلیج فارس میں واقع ملک عمان کے بادشاہ "جلندیٰ" کے ہر دو فرزند "جیفر" اور "عبد" بھی شامل ہیں۔ آپ نے ان دونوں کو عمرو بن عاص کی معرفت کسی تمہیدی عنوان وخطاب کے بغیر ہی فرمانِ مبارک ارسال فرمایا جس کا مضمون یہ تھا:۔

"اما بعد: فَإِنِّي أَدْعُوكُمَا بِدِعَايَةِ الْإِسْلَامِ أَسْلِمَا تَسْلَمَا فَإِنِّي رَسُولُ اللّٰهِ إِلَى النَّاسِ كَافَّةً لِأُنْذِرَ مَنْ كَانَ حَيًّا وَيَحِقَّ الْقَوْلُ عَلَى الْكَافِرِينَ وَإِنَّكُمَا إِنْ أَقْرَرْتُمَا بِالْإِسْلَامِ وَلَّيْتُكُمَا وَإِنْ أَبَيْتُمَا أَنْ تُقِرَّا بِالْإِسْلَامِ فَإِنَّ مُلْكَكُمَا زَائِلٌ عَنْكُمَا

اما بعد: میں تم دونوں کو اسلام کی دعوت دیتا ہوں اسلام لے آؤ سلامت رہو گے کیونکہ میں دنیا کے تمام انسانوں کی طرف خدا کا رسول بن کر آیا ہوں تاکہ ہر زندہ شخص کو عذاب الٰہی سے ڈراؤں۔ بلاشبہ کفار پر خدائی عذاب کا نزول یقینی ہو چکا ہے اگر تم دونوں نے اسلام قبول کر لیا تو میں تمہیں بدستور تمہاری حکومت پر باقی رکھوں گا اور اگر تم نے اسلام قبول نہیں کیا تو تمہاری حکومت تمہارے ہاتھ سے جاتی رہے گی۔ میرے گھوڑے تمہارے میدانوں

وَخَیْلِی تَحِلُّ بِسَاحَتِکُمَا وَتَظْهَرُ نُبُوَّتِی عَلٰی مُلْکِکُمَا" | کو روند ڈالیں گے اور میرا پیغمبرانہ اقتدار تمہارے ملک پر چھا جائے گا۔

جب حضرت عمرو بن عاصؓ نے ان دونوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان سپرد کیا تو انھوں نے قبول اسلام میں ذرا بھی تامل نہیں کیا اور حضرت عمروؓ سے خواہش کی کہ وہ انھیں اسلام کی تعلیم دیں۔ اور ان کے اسلام قبول کرنے کے بعد ہی ایک بہت بڑی جماعت نے اسلام قبول کر لیا اور جنھوں نے اسلام قبول نہیں کیا ان پر جزیہ مقرر کر دیا گیا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا زیارتِ بیت اللہ کیلئے تشریف لیجانا

ادھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہود کے فتنۂ و شر سے مامون ہو کر خیبر سے واپس تشریف لائے اور ادھر آپ کے سفراء سلاطین و امراء تک آپ کے فرامین پہونچانے کا فریضہ انجام دے چکے تھے۔ آپ کو ان سب تک اسلام کی دعوت پہونچنے سے بے حد مسرت ہوئی اور اپنے مکتوباتِ گرامی پر ان سب کا ردعمل بھی معلوم ہو گیا جو بعض کی طرف سے دلخوش کن اور بعض کی طرف سے ناگوار تھا لیکن رسولؐ کے نزدیک اس کی کوئی اہمیت نہ تھی کیونکہ آپ کی ذمہ داری صرف ان میں اسلامی تبلیغ اور انھیں عذابِ الٰہی سے ڈرانے تک محدود تھی۔ جو آپ نے پوری کردی اس کے بعد قدرت کو اختیار ہے وہ جو چاہے کرے۔

اس کے بعد صرف یہ بات باقی رہ گئی کہ آپ زیارت بیت اللہ کے لئے کوئی وقت معین فرمادیں، تاکہ اس کے مشاہدہ سے سکون پاسکیں اور سال گزشتہ آپ نے صرف عمرہ فرماکر جو احرام کھول دیا تھا امسال حج سے اس کی تکمیل فرمادیں۔

جب ماہ ذی قعدہ ۷ھ م فروری ۶۲۹ء کو آپ کے سفر کا مقررہ دن آگیا تو تمام عازمین حج مسلمان آپ کے پاس جمع ہو گئے جن کی تعداد دو ہزار تک پہونچ گئی تھی جبکہ گذشتہ سال ان کی تعداد صرف ایک ہزار چار سو تھی ان سب نے قریش کے خوف ان کی عہد شکنی اور معاہدہ کی دفعات کی عدم پابندی کے خطرہ سے اپنے اپنے ہتھیار

ساتھ لے لئے تھے لیکن جب آپؐ مکّہ سے آٹھ میل ادھر "ایج" کے مقام پر پہونچے تو آپؐ کو معلوم ہوا کہ قریش نے اپنا وعدہ پورا کر دیا اور آپ کے لئے مکّہ کو خالی کر کے پہاڑوں میں چلے گئے اس لئے آپ نے سب ہتھیار اسی جگہ چھوڑ دینے کا حکم دیا اور ان پر اپنے صحابہ میں سے دو سو اشخاص کو نگرانی کے لئے متعین فرماکر خود بقیہ صحابہ کے ساتھ ہتھیاروں کے بغیر مکّہ میں داخل ہوئے۔ عبد اللہ بن رواحہ آپ کی اونٹنی کی مہار پکڑے ہوئے تھے جب آپ بیت الحرام کے سامنے پہونچے تو اُتر کر پاپیادہ چلے اور رکن یمانی کو بوسہ دیا۔ حضرت بلالؓ نے کعبہ پر چڑھ کر بلند آواز سے اذان دی۔ اس وقت کعبہ بتوں سے بھرا ہوا تھا مگر آپ نے ان سے کوئی تعارض نہیں فرمایا پھر نہایت عزم و بہادری کے ساتھ طواف اور سعی کی تکمیل فرمائی۔ قریش حضرت محمدؐ اور آپ کے صحابہ کو دیکھ رہے تھے حسد ان کے دلوں کو کھا رہا تھا اور وہ بے حد حیرت زدہ و متعجب تھے۔ آج وہ ان آنکھوں سے جو کچھ دیکھ رہے تھے وہ کبھی بھی ایسا ہونے کا یقین نہ رکھتے تھے یہ وہی محمد بن عبد اللہ ہیں جنھیں انھوں نے لڑ بھڑ کر اپنے وطن سے تن تنہا بے یار و مددگار نکال باہر کیا تھا وہ آج مسلمانوں کی ایک بڑی بھاری جماعت کے سردار بنے ہوئے ان کی طرف لوٹتے ہیں اور وہ مسلمان جو ان کے مذہب کے حلقہ بگوش ہو چکے تھے آپ سے اس قدر والہانہ محبت کرنے لگے کہ آپ کی سواری کے جلو میں چل رہے ہیں۔ آپ کو یہ حیرت انگیز اقتدار کس طرح حاصل ہوا؟ اور کیا اب ان کے لئے آپ سے جنگ کرنے اور آپ کے استیصال یا اس قدر عزت و اقتدار کے مرتبہ تک پہونچنے کے بعد آپ کو اپنے آبائی دین کی طرف لوٹانے کا کوئی امکانی طریقہ باقی رہ گیا ہے؟ یہ حیرت انگیز منظر دیکھکر وہ آپ کی قوت و شوکت کے سامنے اپنے آپ کو بالکل حقیر و ذلیل سمجھنے لگے۔ لیکن وہ بظاہر صبر اور بباطن آپ سے بغض و عناد رکھنے پر خود کو مجبور پاتے تھے۔

شاید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ان خیالات کو محسوس فرماکر یہ ارادہ

فرمایا کہ ان کے سامنے اپنی قوت کا مظاہرہ فرمادیں۔ اس لئے آپ ہر روز اپنے صحابہ میں سے دو دو سو صحابہ کو نمبروار "وادی اجج" روانہ فرمانے لگے تاکہ یہ پارٹی وہاں پہونچکر حفاظتِ اسلحہ پر مامور ہو اور جو پارٹی وہاں پہلے سے متعین ہو وہ واپس آپ کی خدمت میں حاضر ہوتی رہے۔

الحاصل ایک طرف آپ نے انھیں اسلامی شوکت سے مرعوب کرنے کا طریقہ اختیار فرمایا اور دوسری طرف ام حبیبہ دختر سفیان سے عقد فرماکر تعلقات قرابت کی تجدید واستحکام کے بعد مزید روابط و تعلقات کے احیاء اور قریش کو مانوس بنانے کی غرض سے عرب کی مشہور بہادر اور غزوۂ احد میں آپ سے جنگ کرنے والی شخصیت خالد بن ولید کی خالہ میمونہ بنت حارث ہلالیہ سے عقد کا منشا ظاہر فرمایا جس پر وہ رضامند ہوگئیں۔ چنانچہ عباس بن عبد المطلب نے آنحضرت صلعم سے ان کا عقد کرکے ان کا چار سو درہم مہر خود ادا کردیا۔ اس موقع پر آنحضرت صلعم نے قریش سے یہ خواہش کی کہ وہ آپ کے سہ روزہ قیام مکہ کی مدت میں مزید توسیع منظور کرلیں تاکہ حضرت میمونہ سے آپ کے ازدواجی معاملات پایۂ تکمیل کو پہونچ سکیں نیز فرمایا میری خواہش ہے کہ سب قریش بھی دعوت ولیمہ میں شرکت کریں۔

لیکن انھوں نے اسے نہ مانا اور کہا کہ ہمیں آپ کے کھانے کی ضرورت نہیں آپ فوراً یہاں سے چلے جائیے۔

چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ازروئے معاہدہ قیام کی مدت ختم ہوتے ہی مکہ کو چھوڑ دیا اور اپنے غلام ابو رافع کو حضرت میمونہ کو آپ کے پاس لانے کے لئے مکہ میں رہنے دیا چنانچہ وہ ان کو لیکر مضافاتِ مکہ میں واقع مقام "سرف" پر آپ سے آملے جہاں زفاف کی تکمیل ہوئی۔ اس کے بعد مدینہ کا سفر جاری رہا۔ آپ کے میمونہ سے عقد کا خالد بن ولید کے دل پر بہت اچھا اثر پڑا اور اس واقعہ نے انھیں اس بات پر آمادہ کردیا کہ وہ اسلام کی حقیقت۔ حضرت محمد صلعم کے معاملہ۔ آپ کی دعوت۔ اور ان تمام لوگوں کے دلوں میں جن کو لیکر آپ مکہ تشریف لائے تھے۔ دعوت اسلامی کے

عظیم الشان تأثرات میں غور و فکر کرنے لگے اور لوگوں سے حضرت محمدؐ کی عظمت اور ان کے فضائل بیان کرنے لگے اور وہ آیاتِ قرانی جنھیں رسول اللہؐ بیت اللہ کے سامنے نماز میں بلند آواز سے تلاوت فرمایا کرتے تھے ان کو سن کر اپنے تعجب و حیرت کا اظہار کرنے لگے۔ اس سلسلہ میں انھوں نے جو کچھ کہا اس کے منجملہ ان کا یہ مقولہ بھی تھا کہ:

"ہر عقلمند پر یہ واضح ہو گیا کہ محمد نہ جادوگر ہیں نہ شاعر۔ ان کا کلام رب العالمین کا کلام ہے اس لئے ہر ذی ہوش پر لازم ہے کہ وہ آپ کا اتباع کرے"

یہ سُن کر عکرمہ بن ابی جہل نے ان پر اعتراضات کی بوچھار کر دی اس سلسلہ میں ہر دو کا باہمی مکالمہ درج ذیل ہے:۔

عکرمہ: اے خالد! تم بے دین ہو گئے ہو؟

خالد: میں بے دین نہیں ہوا ہوں بلکہ میں نے دینِ اسلام قبول کر لیا ہے۔

عکرمہ: خدا کی قسم ہے اگر قریش میں کوئی شخص سب سے زیادہ اس کا اہل ہے کہ وہ ایسی بات نہ کہے تو وہ تم ہو۔

خالد: کیوں؟

عکرمہ: کیوں کہ محمدؐ نے تمہارے باپ کی عزت ریزی کی تھی جبکہ جنگ بدر میں ان کے ہاتھوں تمہارے چچا اور چچا کے بیٹے مجروح اور مقتول ہو گئے تھے۔ اے خالد! خدا کی قسم ہے تمہیں نہ تو مسلمان ہونا چاہئے تھا اور نہ ہی یہ بات کہنی چاہئے تھی کیا تمہیں معلوم نہیں ہے کہ قریش عنقریب محمدؐ سے جنگ کرنا چاہتے ہیں؟

خالد: یہ زمانۂ جاہلیت کی باتیں ہیں لیکن واللہ جب مجھ پر حق واضح ہو گیا تو میں اسلام لے آیا۔

چنانچہ حضرت خالد نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں چند گھوڑے سواروں کو بھیجکر آپ کو اپنے اسلام قبول کر لینے اور اسلام کو خوب اچھی طرح سمجھ لینے کی اطلاع دیدی۔

ابوسفیان کو حضرت خالد کے اسلام لانے کی خبر ملی تو اس نے انھیں بلا بھیجا اور ان سے

استفسار کیا کہ کیا وہ خبر جو ان کے متعلق اسے پہونچی ہے صحیح ہے؟ جب حضرت خالد نے جواب دیا کہ یہ خبر صحیح ہے تو ابوسفیان بہت بگڑا اور کہنے لگا۔ لات وعزیٰ کی قسم ہے اگر مجھے پختہ یقین ہو جائے کہ جو کچھ تم کہہ رہے ہو صحیح ہے تو میں محمدؐ سے پہلے تمہارا خاتمہ کر دوں گا۔"

خالد: خدا کی قسم! کسی ناخوش ہونے والے کی ناخوشی کے علی الرغم یہ بات بالکل صحیح ہے۔ یہ سنکر ابوسفیان غضبناک ہو کر خالد کی طرف جھپٹا لیکن عکرمہ نے درمیان میں پڑکر اسے اس سے روکا اور کہا: اے ابوسفیان! چھوڑ دو۔ خدا کی قسم ہے تمہیں جس بات کا خوف ہے مجھے اندیشہ ہے کہ میں بھی وہ ہی نہ کہنے لگوں جو ابھی خالد نے کہا ہے، اور میں بھی اسی کے دین پر ایمان نہ لے آؤں۔ کیا تم خالد کو اس کی اک غور کردہ رائے پر عمل کرنے کی وجہ سے قتل کرنا چاہتے ہو؟ حالانکہ ابھی ابھی تمام اہل قریش اسی بات پر حضرت محمدؐ کی بیعت کر چکے ہیں۔ واللہ مجھے اندیشہ ہے کہ یہ پورا سال بھی نہ گزرے گا کہ تمام اہل مکّہ ان کے متبع ہو جائیں گے۔

بعد ازاں حضرت خالد مکّہ سے ہجرت کر کے مدینہ روانہ ہو گئے اور مسلمانوں کی جماعت میں آملے۔ اسی سال عمرو بن عاص نے بھی اپنے اسلام کا علی الاعلان اظہار کر دیا جو اپنے زمانۂ قیام حبشہ میں اسلام کی حقانیت کو تسلیم تو کر چکے تھے لیکن ابھی تک مصلحتہً اپنے اسلام کو راز میں رکھے ہوئے تھے۔ علیٰ ہذا کعبہ کے متولی عثمان بن طلحہ بھی اسلام لے آئے اور ان ہستیوں کے اسلام لانے پر اور بہت سے اہل مکّہ مشرف باسلام ہو گئے اور انھوں نے دین حق کا اتباع اختیار کر لیا۔ ان واقعات سے اسلام کی شان وشوکت میں غیر معمولی اضافہ ہو گیا اور فتح مکّہ کا کام بہت آسان ہو گیا۔

جنگِ شام ــــ (غزوۂ موتہ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیت الحرام کی زیارت سے فراغت کے بعد اوائل ذی الحجہ ۷ھ کو تمام صحابہ کو ہمراہ لیکر مدینہ منورہ کی طرف لوٹے اور آپ کو یہ اطمینان ہوگیا کہ آیندہ قریش آپ کو کوئی گزند نہ پہونچا سکیں گے اس لئے آپ ان تمام سلاطین وامرا کے حالات میں غور فرمانے لگے جن کی رپورٹ آپ کے سفراء نے واپس آکر پیش کی تھی۔ اسی سلسلہ میں آپ کو ملک شام میں ہرقل کے گورنر حارث بن شمر غسانی کا وہ متکبرانہ جواب یاد آیا جس میں اس نے کہا تھا کہ "مجھ سے میرا ملک چھیننے والا کون ہے؟ نیز اس کی اس دھمکی کا خیال آیا جس میں اس نے کہا تھا کہ عنقریب وہ خود چل کر اس پر حملہ آور ہوگا اگرچہ وہ یمن ہی میں کیوں نہ ہو اگرچہ عملاً اس نے کچھ نہ کیا تھا۔ لیکن اس سے آپ کے رعب میں اک حد تک کمی آتی اور آپ کی توہین ہوتی تھی اس لئے آپ نے اس پر مکرر دعوت کے اعادہ اور کسی کو دوبارہ بھیجکر اسے حلقۂ اسلام میں داخل ہونے کی نصیحت کرنے کی رائے قائم فرماکر حارث بن عمیر ازدی کو اس کی طرف روانہ فرمایا۔ یہ موتہ تک پہونچے ہی تھے کہ حارث کے اک ماتحت افسر شرجیل بن عمر غسانی کو ان کے سفر کا علم ہوگیا جس نے ان کو اپنے پاس بلایا اور آپ سے کہا۔ کہاں کا ارادہ ہے؟ شاید تم محمدؐ کے سفراء میں سے ہو؟ انھوں نے فرمایا۔ ہاں۔ اس پر اس نے آپ کو وہیں روک لیا اور آپ کی گردن اڑوا دی۔ رسول اللہؐ کے سفراء میں سے ان کے سوا اور کوئی قتل نہیں

ہوا تھا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک یہ خبر پہونچی۔ دراں حالیکہ کسی سفیر کا قتل انتہائی نازیبا حرکت تھی جسے کسی بھی آسمانی شریعت نے جائز نہیں رکھا اور جسے ہر زمانہ کے متفقہ بین الاقوامی قوانین اور عرف عام نے نہایت مذموم اور مکروہ حرکت قرار دیا ہے تو اس خبر پر رسول اللہؐ اپنے نفس پر قابو نہ رکھ سکے اور آپ نے فوراً صحابہ کو اس امیر کی سرکوبی کے لئے جہاد کی تیاری کا حکم دیدیا جس نے تمام متفقہ شرعی قوانین کی تحقیر کی تھی اور صدیوں سے مروجہ عملدرآمد کو ٹھکرادیا تھا چنانچہ تین ہزار جنگجو مجاہدوں کو ساز و سامان سے لیس فرماکر انھیں شرجبیل بن عمیر کو قتل کر ڈالنے کا حکم دیکر روانہ فرمایا۔

اس لشکر پر اپنے غلام زید بن حارثہ کو امیر مقرر فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ اگر وہ شہید ہو جائیں تو جعفر بن ابی طالب امیر لشکر ہوں۔ اور وہ بھی شہید ہو جائیں تو عبداللہ بن رواحہ امیر لشکر ہوں اور اگر وہ بھی شہید ہو جائیں تو مسلمان اپنے میں سے جسے مناسب سمجھیں خود اپنا امیر منتخب کرلیں۔ اس ہدایت سے مسلمانوں نے اس معرکہ کی شدت و ہولناکی کا اندازہ لگایا جس سے وہ عنقریب دو چار ہونے والے تھے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لشکر سے یوں خطاب فرمایا:۔

اُوصِیکُم بِتَقوَی اللّٰہِ وَبِمَن مَعَکُم مِنَ المُسلِمِینَ خَیراً۔ اُغزُوا بِاسمِ اللّٰہِ فِی سَبِیلِ اللّٰہِ مَن کَفَرَ بِاللّٰہِ لَا تَغدِرُوا۔ وَلَا تَقتُلُوا وَلِیداً وَلَا امرَأۃً وَلَا کَبِیراً فَانِیاً وَلَا مُنعَزِلاً بِصَومَعَتِہٖ۔ وَلَا تَقرَبُوا نَخلاً۔ وَلَا تَقطَعُوا شَجَراً۔ وَلَا تَہدِمُوا بِنَاءً۔

میں تمہیں اللہ کے خوف واطاعت اور اپنے مسلمان ساتھیوں سے حسن سلوک کی ہدایت کرتا ہوں۔ اللہ کی راہ میں اللہ کی نافرمانی کرنے والوں سے اللہ کا نام لیکر جہاد کرو۔ کسی سے عہد شکنی نہ کرو۔ کسی بچے۔ عورت۔ معمر ضعیف اور دنیا سے الگ تھلگ رہنے والے خانقاہ نشین کو قتل نہ کرو۔ کھجور کے کسی درخت کے نزدیک تک نہ جاؤ نہ کسی اور درخت کو کاٹو نہ کسی عمارت کو منہدم کرو۔

یہ صحابہ بماہ جمادی الاولیٰ ۸ھ م ستمبر ۶۲۹ء حق تعالیٰ کی حفاظت میں اس جہاد کے لئے روانہ ہوئے جنھیں شوقِ شہادت اس مقدس جہاد کے میدان کی طرف جوق در جوق لئے جا رہا تھا جب یہ صحابہ مقام "معان" تک پہونچے تو انھیں معلوم ہوا کہ ہرقل نے تمام ساز و سامان سے لیس دو لاکھ سے زیادہ جنگجو سپاہی ان کے دشمن کی مدد کو بھیجے ہیں۔ اس خبر پر وہ اپنے معاملہ میں غور و فکر کرنے لگے اور انھوں نے ارادہ کر لیا کہ انھیں دشمن کی کثرتِ تعداد کا جو علم ہوا ہے اس سے آنحضرتؐ کو باخبر کر دیں تاکہ آپ اپنے پاس سے کچھ اور مدد روانہ فرمائیں لیکن "عبداللہ بن رواحہ" نے انھیں ایسا کرنے سے روکا اور کہا:-

يَا قَوْمِ وَاللّٰهِ اِنَّ الَّتِي تَكْرَهُوْنَ لَلَّتِي خَرَجْتُمْ تَطْلُبُوْنَ الشَّهَادَةَ وَنَحْنُ لَا نُقَاتِلُ بِعَدَدٍ وَلَا قُوَّةٍ وَلَا كَثْرَةٍ مَا نُقَاتِلُهُمْ اِلَّا بِهٰذَا الدِّيْنِ الَّذِي اَكْرَمَنَا اللّٰهُ بِهٖ فَانْطَلِقُوْا فَاِنَّمَا هِيَ اِحْدَى الْحُسْنَيَيْنِ. اِمَّا ظُهُوْرٌ وَاِمَّا شَهَادَةٌ۔

اے میری قوم! خدا کی قسم ہے جس چیز کو تم ناپسند کر رہے ہو وہ وہی شہادت تو ہے جس کی آرزو میں تم نکلے ہو۔ ہم کسی تعداد۔ قوت اور کثرت سے جنگ نہیں کرتے بلکہ ہم تو ان سے محض اس اسلام کی سربلندی کیلئے جنگ کرتے ہیں جس کے ذریعہ ہمیں خدا نے معزز و سربلند فرمایا ہے۔ پس آگے بڑھے چلو دو بھلائیوں میں سے کوئی ایک بھلائی ضرور ہاتھ آئے گی۔ غلبہ یا شہادت۔

یہ سن کر سب نے کہا خدا کی قسم ابن رواحہ نے سچ کہا ہے۔ اور سب آگے روانہ ہو گئے حتیٰ کہ اپنی منزل مقصود "موتہ" تک پہونچ گئے اور کسی جھجک اور خطرہ کے احساس کے بغیر فوراً اس پر حملہ کر کے معرکۂ کارزار میں دیوانہ وار لڑے جس پر محض رسول اللہؐ کی تعمیل حکم کے شوق اور حصول شہادت کی آرزو نے انھیں آمادہ کر دیا تھا ورنہ بظاہر یہ بات

غیر معقول تھی کہ تین ہزار مجاہدین اپنے سے ساٹھ گنا فوج پر حملہ آور ہوں۔ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان کی ہمراہ ہوتے تو اغلب تھا کہ آپ اس کی اجازت نہ دیتے بلکہ اگر یہ حضرات دشمنانِ اسلام کی تعداد کی خبر آپ تک پہونچا دیتے تو شاید آپ ان کو لوٹنے ہی کا حکم دیدیتے۔ لیکن یہ وہ قوتِ ایمانی ہی ہے جو لوگوں کو اک ناممکن کام پر بھی آمادہ کر دیتی ہے۔

الحاصل مجاہدینِ اسلام اس شدید معرکہ میں جو سات دن تک جاری رہا گھمسان کی لڑائی لڑتے رہے اور رسول اللہؐ کے حکم کے بموجب "شرجبیل بن عمیرؓ کے قتل کی پیہم سعی کرتے رہے لیکن کامیاب نہ ہوسکے۔ اس معرکہ میں پہلے امیر زید بن حارثہؓ شہید ہوگئے تو امارت جعفر بن ابی طالبؓ نے سنبھالی وہ بھی شہید ہوگئے تو عبداللہ بن رواحہؓ نے فرائض امارت سنبھال لئے۔ پھر وہ بھی شہید ہوگئے یہ سب یقین سے جانتے تھے کہ آنحضرتؐ کی پیشین گوئی کے مطابق یہ تینوں امیر ضرور شہید ہوں گے۔ بالآخر سب کے سب اپنے لئے غیبی امداد کا انتظار کرنے لگے۔ جب یہ تینوں شہید ہوگئے تو "ثابت بن اقرم عجلانیؓ" نے جھنڈا تھام لیا اور پکار کر کہا:

اے مسلمانو! اپنے میں سے کسی کو امیر منتخب کر لو۔ اس پر سب نے حضرت خالد بن ولیدؓ کو منتخب کیا جو اک بہادر امیر تھے اور تازہ تازہ اسلام لائے تھے ان کے اسلام پر تین ماہ سے زیادہ عرصہ نہ گذرا تھا۔ یہ ان کا پہلا معرکہ تھا جس میں انھوں نے مسلمانوں کے ساتھ مل کر جہاد کیا تھا۔ جب وہ لشکر اسلام کے امیر قرار پائے تو اللہ نے ان کے ہاتھوں حکمت و دانائی کی فتح فرمائی اس طرح کہ انھوں نے اپنی خدا داد ذہانت اور عقل و فراست سے کام لے کر یہ رائے قائم کی کہ اس خونین اور ہولناک معرکہ میں اپنی فوج کو نہ جھونکیں جبکہ پیچھے سے ہتھیاروں یا مجاہدین میں سے کسی کی بھی مدد آنے کی کوئی توقع نہیں خصوصاً اس حال میں کہ وہ صرف مدافعت کرنے والے نہیں بلکہ حملہ آور ہیں اور دشمن کثیر فوج اور کثیر ساز و سامان کی وجہ سے ان سے برتر ہے یہ سوچ کر آپ نے مجاہدین کو بچا کر نکال لے جانا طے کیا چنانچہ

منتشر لشکر کو جمع کر کے حسن تدبیر و انتظام کے ساتھ انھیں صحیح سالم نکال لائے اور خدا نے دشمنانِ اسلام کی عقل پر پردہ ڈال دیا کہ انھوں نے مسلمانوں کا تعاقب نہیں کیا - اِدھر کسی مخبر کے بتائے بغیر غیب سے یہ خبریں آپ تک پہونچتی رہیں چنانچہ آپ جعفر بن ابی طالب کے مکان پر تشریف لے گئے اور انھیں جاکر یہ خبر سنائی - ان سے اظہار تعزیت و ہمدردی فرمایا - ان کے فرزندوں کو سینہ سے لگایا ان کی پیشانیوں کو بوسے دئے اور غایت رقت سے اس وقت آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے - پھر آپ اپنے مکان واپس تشریف لائے اور گھر والوں سے فرمایا کہ جعفر کے گھر والوں کے لئے جلدی سے کھانا پکا کر بھیجنا کیونکہ آج وہ اپنے شوہر کے غم میں مبتلا ہیں - پھر آپ منبر پر چڑھ کر لوگوں سے یوں مخاطب ہوئے:

یا ایُّھا النّاس! بابُ خیرٍ - بابُ خیرٍ اُخبرُکم عن جَیْشِکم ھذا الغازِی - اَنّھم انطلقوا فلقوا العدوّ فقُتِلَ زیدٌ شَہیداً فاستغفِروا لہ ثم اَخذ الرایۃ جعفر فشدّ علی القوم حتی قُتِلَ شہیداً فاستغفِروا لہ - ثم اخذ الرایۃ عبدُ اللّٰہ بن رواحۃ واثبت قدمیہ حتی قُتِل شہیداً فاستغفِروا اللّٰہ لہ - ثم اخذ اللواءَ خالدُ بنُ الولید - ولم یکُن من الامراء المعیَّنین من قِبلہ علیہ الصلوٰۃ والسلام - ثم قال و ھو

اے لوگو! خیر کا دروازہ کھل گیا - خیر کا دروازہ کھل گیا - میں تمہیں تمہارے اس غازی لشکر کی خبر دیتا ہوں - یہ لوگ روانہ ہو کر دشمن پر حملہ آور ہوئے اور پہلے زید شہید ہو گئے ان کے لئے خدا سے دعائے مغفرت کرو - پھر جعفر نے اسلامی علم سنبھالا اور دشمن پر سخت حملہ کیا حتی کہ وہ بھی شہید ہو گئے ان کے لئے بھی خدا سے دعائے مغفرت کرو - پھر عبداللہ بن رواحہ نے جھنڈا سنبھالا اور جم کر لڑے بالآخر وہ بھی شہید ہو گئے - ان کیلئے بھی خدا سے دعائے مغفرت کرو - پھر خالد بن ولید نے پرچم سنبھالا اور یہ آنحضرتؐ کی طرف سے مقرر کردہ امیروں میں سے نہ تھے - پھر آنحضرتؐ نے فرمایا کہ اگرچہ وہ بذات خود (انتخاب عامہ کی بنا پر)

أَمِيرُ نَفْسِهِ وَلٰكِنَّهُ سَيْفٌ مِنْ سُيُوفِ اللّٰهِ نَابَ بِنَصْرِهِ ۔

امیر بن گئے۔ لیکن وہ اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار ہیں اور وہ خدا کی مدد سے امیر بن گئے۔

شاید آپ نے یہ اس لئے فرمایا کہ حضرت خالد نے حکمت وعقل سے کام لیا اور جنگ کے موقع پر اللہ کے مقررہ قوانین کو جاری کیا۔ اور اسباب کو اختیار کئے بغیر صرف خدا کی مدد پر بھروسہ نہیں کیا۔ حضرت خالد اسی دن سے سیف اللہ کے لقب سے پکارے جانے لگے۔

جب یہ لشکر مدینہ کو لوٹا تو رسول اللہؐ اس کے استقبال کے لئے باہر نکلے۔ آپ کے ساتھ تمام مسلمان اپنے بچوں سمیت باہر نکلے۔ کیونکہ رسول اللہؐ نے بچوں کو ساتھ لے چلنے کو فرمایا تھا۔ آل جعفر سے آپ کی ہمدردی کا یہ حال تھا کہ آپ نے فرمایا۔ جعفر کے فرزند کو مجھے دو اس بچہ کو لیکر آپ نے اپنے سامنے بٹھا لیا۔ جب قافلہ آ پہونچا تو صحابہ نے کچھ خوشی اور گرمجوشی سے ان کا استقبال نہیں کیا بلکہ کہنے لگے۔ اے بھگوڑو! تم خدائی جہاد سے بھاگ کھڑے ہوئے؟ اس پر رسول اللہؐ نے بات قطع کر کے فرمایا: یہ بھاگنے والے نہیں بلکہ انشاء اللہ پھر دوبارہ حملہ آور ہونے والے ہیں۔ کوتاہ نظروں کی رائے میں اس لشکر کے شکست کھا کر لوٹنے کا یہ اثر ہوا کہ 'قضاعہ' کی اک جماعت کو مدینہ پر حملہ آور ہونے کا اور اک نیا فتنہ کھڑا کرنے کا لالچ پیدا ہو گیا۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان اشرار کا علم ہوا تو آپ نے ان کی سرکوبی کے لئے تین سو پیادہ اور تیس سواروں پر مشتمل اک بہادر دستہ ترتیب دیا اور عمرو بن عاصؓ کو بلا کر اس کی امارت سپرد فرمائی جنھوں نے اپنے اسلام کا سب سے آخر میں اعلان کیا تھا اور ان سے فرمایا:

يَا عَمْرُو اِنِّي اُرِيْدُ اَنْ اَبْعَثَكَ عَلٰى جَيْشٍ فَيُغْنِيْكَ اللّٰهُ وَيُسَلِّمُكَ ۔

اے عمر! میں تمہیں اک لشکر کا امیر بنا کر بھیجنا چاہتا ہوں۔ خدا تمہیں مالا مال کر دے گا اور تمہیں محفوظ رکھے گا۔

عمرو بن عاص نے جواب میں عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! میں نے مال کے لالچ میں اسلام قبول نہیں کیا۔

اس پر رسول اللہ صلعم نے فرمایا:

نِعۡمَ الۡمَالُ الصَّالِحُ لِلرَّجُلِ الصَّالِحِ ۔ ایک نیک شخص کے لئے حلال وطیب مال بہت بڑی نعمت ہے۔

عمرو نے لشکر کو لیکر کوچ کیا اور دشمن کے قریب پہونچ گئے وہاں پہونچکر معلوم ہوا کہ دشمن تعداد میں ہم سے برتر ہے اس لئے انھوں نے موتہ کی غلطی کا اعادہ مناسب نہ سمجھا بلکہ رافع بن لیث جہنی کو رسول اللہؐ کی خدمت میں بھیجکر صورت حال کی اطلاع دی اور آپ سے مدد طلب کی جس پر رسول اللہؐ نے ابو عبیدہ بن جراح کو دو سو جنگجو مجاہد صحابہ کے دستہ کا امیر بنا کر ان کی مدد کو روانہ فرمایا ان میں حضرت ابوبکرؓ وعمر رضی اللہ عنہما بھی تھے۔ اور ابو عبیدہ کو حکم دیا کہ عمرو سے جا ملیں اور دونوں امیر متحد رہیں اختلاف نہ کریں۔ جب حضرت ابو عبیدہؓ وہاں پہونچے تو انھوں نے خود لشکر کی امارت کرنی چاہی۔ اس پر عمرو نے ان سے کہا کہ رسول اللہؐ نے آپ کو میری مدد کے لئے بھیجا ہے لیکن امیر تو میں ہی ہوں۔ ابو عبیدہؓ نے جواب دیا ایسا نہیں ہے۔ بلکہ میں اپنے لشکر کا امیر اور آپ اپنے لشکر کے امیر ہیں۔ لیکن اس کے باوجود چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ہدایت فرمائی ہے کہ اختلاف نہ کرنا اس لئے اگر تم میری اطاعت نہیں کرتے تو میں تمہاری اطاعت قبول کرتا ہوں۔ اس وجہ سے اب میں تمہارے حکم کے تابع ہوں۔

ازاں بعد سب نے مل کر دشمن پر حملہ کیا یہاں تک کہ اسے شکست دیدی اور اس کی جمعیت کو منتشر کر دیا۔

پھر عمرو بن عاص نے اپنے قاصد کے ذریعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی

خدمت اقدس میں اس پہلے جہاد میں اپنی فتح کی خبر نیز یہ اطلاع بھیجی کہ اس فتح کی وجہ سے شام کے علاقہ میں رسول اللہ صلعم کا اثر و وقار بڑھ گیا ہے۔

پھر حضرت عمرو بن عاص رض اپنے ہاتھوں رسول اللہ صلعم کی مرضی کی تکمیل پر شاداں و فرحاں مدینہ منورہ کو واپس ہوئے۔

فتحِ مکّہ

قبیلۂ خزاعہ اور بنو بکر کے درمیان پرانی رنجشیں اور لڑائیاں چلی آرہی تھیں لیکن چونکہ خزاعہ رسول اللہ ص کے حلیف اور بنو بکر قریش کے حلیف بن گئے تھے اس لئے اس کے بعد سے کسی فریق نے بھی دوسرے پر حملہ کی جسارت نہیں کی تھی مگر غزوۂ موتہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی فوج کے تین سرداروں کی شہادت کے بعد موتہ سے آپ کے اپنی فوج کو پیچھے ہٹا لینے کی خبر پھیلتے ہی قبیلۂ بنو بکر کی ایک جماعت کو یہ خیال پیدا ہوگیا کہ (خدا نخواستہ) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی حکومت کمزور ہو چلی ہے۔ لہذا خزاعہ سے بدلہ لینے کا یہ مناسب وقت ہے یہ سوچ کر (وتیرنامی کنوئیں کے قریب بنو بکر نے خزاعہ پر حملہ کرکے ان کے بیس افراد کو قتل کر ڈالا اس پر اہل خزاعہ گھبرائے ہوئے مکہ میں اپنے سردار بدیل بن ورقاء کے پاس پہونچے اور ان سے بنو بکر کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے معاہدہ شکنی کی شکایت کی۔ ادھر عمرو بن سالم خزاعی نے جلدی سے مدینہ پہونچکر مسجد نبوی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر سب ماجرا کہہ سنایا جسے سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں تسلّی دی اور فرمایا:

نُصِرتَ یا عمرُو بن سَالِم۔ اے عمرو بن سالم تم کامیاب ہو گئے۔

کچھ عرصہ بعد ہی بدیل بن ورقاء بھی وفد خزاعہ کی قیادت کرتے ہوئے مکّہ سے یہ پختہ خبر لیکر خدمت اقدس میں حاضر ہوا کہ اولاً قریش خود ہی خفیہ طور پر بنو بکر کے پاس جمع ہوئے۔

اور اکابر قریش نے بنو بکر کے ساتھ مل کر خزاعہ سے جنگ کی ہے۔ جن میں صفوان بن امیہ ۔ حویطب بن عبدالعزی ۔ عکرمہ بن ابی جہل ۔ شیبہ بن عثمان اور سہیل بن عمرو شریک تھے۔ حتیٰ کہ جب حارث بن ہشام نے ان لوگوں کی اس حرکت کی اطلاع ابوسفیان کو دی تو اس نے کہا کہ:

میرا دل اس واقعہ کی گواہی نہیں دیتا لیکن میں اسے کچھ بعید بھی نہیں سمجھتا بہر حال خدا کی قسم یہ اک فتنہ ہے اب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم سے ضرور جنگ کریں گے اور مجھ سے میری بیوی ہند بنت عتبہ بیان کر چکی ہے کہ اس نے اک ڈراؤنا خواب دیکھا ہے اور وہ یہ ہے کہ اس نے اک طوفانی بارش دیکھی ہے جو حجون کی طرف سے ایک سیلاب عظیم لئے ہوئے آئی یہ سیلاب خندمہ پر آ کر رکا" اس خواب پر ابوسفیان کی قوم مکدر و رنجیدہ ہوئی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ خبر سن کر اس حادثہ پر بہت غضبناک ہوئے اور انھیں اپنے اپنے گھروں کو واپس چلے جانے کا حکم دیا ۔ اس واقعہ سے آپ کو یقین ہوگیا کہ قریش کا اس معاہدہ کو صرف چند دن تک نبھانا صرف آپ سے خوف کی وجہ سے تھا۔ لیکن جونہی انھیں آپ کی کمزوری کا وہم ہوا وہ آپ کے معاہدہ سے کھیلنے لگے اس لئے اب ان کے ہاتھ سے مکہ کی حکومت چھین کر انھیں اس کرتوت کا مزہ چکھانا اور ان کی عہد شکنی کا منہ توڑ جواب دینا لازمی ہے اس لئے کہ جو قوم معاہدہ کی قدر و قیمت نہیں جانتی وہ روئے زمین پر سب سے زیادہ باعظمت مقام پر حکومت کرنے کی اہل نہیں ہے۔ یہ خیال فرما کر آپ نے اپنے دل میں مکہ کی طرف کوچ کرنے کی ٹھان لی اور جزیرۃ العرب میں ہر مسلمان کے پاس یہ پیغام کہلا بھیجا:

مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَلْيَحْضُرْ رَمَضَانَ بِالْمَدِيْنَةِ ۔	ہر وہ شخص جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو وہ ضرور اس رمضان کو مدینہ میں حاضر ہو جائے ۔

لیکن کسی متنفس کو بھی اس اجتماع کا مقصد معلوم نہ ہو سکا مدینہ میں روزمرہ کے

حالات بدستور سابق جاری رہے اور مسلمانوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا منشا معلوم نہ ہو سکا البتہ قریش خاص کر ابوسفیان گہری سوچ میں پڑ گئے کہ محمدؐ کی طرف سے اس حادثہ کا کیا رد عمل ہوگا۔ اور ابوسفیان کا دل اپنی بیوی کے خواب کی ہولناکیوں کی وجہ سے پہلے ہی بہت دہشت زدہ ہو چکا تھا اس لئے وہ خبروں کی کھوج لگانے اور حالات کو ٹٹولنے کی غرض سے مکّہ سے مدینہ کو روانہ ہوگیا۔

وہ ابھی عسفان تک ہی پہونچا تھا کہ وہاں بدیل بن ورقاء اور اس کے ساتھیوں کو دیکھکر یقین ہوگیا کہ انھوں نے ضرور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک یہ خبر پہونچادی ہے تب اس نے اپنی دختر اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجۂ مطہرہ حضرت ام حبیبہ کے گھر جانے کو ترجیح دی کہ شاید وہاں سے ہی کچھ خبر معلوم ہو سکے۔ یا یہ کہ وہ اپنے شوہر سے کوئی مناسب سمجھوتہ کرا سکیں۔ جب یہ طویل جدائی کے بعد صاحبزادی کے پاس پہونچا تو انھوں نے اس کا پُرتپاک خیر مقدم کیا لیکن ساتھ ہی انھوں نے نبی کریمؐ کے بستر پر بٹھلانے سے یہ کہکر صاف انکار کردیا کہ یہ بستر پاک ہے اور اے باپ! تم اک مشرک اور ناپاک شخص ہو اس لئے میں یہ گوارا نہیں کرسکتی کہ تم اس بستر پہ بیٹھو۔ ابوسفیان کو ان کے اس جملہ پر غصّہ آگیا اور اس نے اسے اپنی تحقیر و توہین سمجھا اس لئے یہاں سے وہ فوراً حضرت محمدؐ کی خدمت میں پہونچا اور آپ سے اس معاہدہ کے متعلق کچھ گفتگو کی لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے خزاعہ والے واقعہ کا کوئی تذکرہ نہیں فرمایا جس سے اس نے اس معاملہ میں آپ کا تاثر معلوم کرلیا لیکن آپ سے کھل کر کچھ معلوم کرنے کی جرأت نہ ہو سکی۔ وہاں سے بہت سے صحابہ کے پاس پہونچا مگر کہیں بھی اس حادثہ سے لاپرواہی اور لاعلمی کے سوا کچھ نہ پایا اور آنحضرتؐ نے اس معاملہ کے متعلق جو کچھ فیصلہ فرمایا تھا اس کا اسے کوئی علم نہ ہو سکا اس لئے اس کے پاس مکّہ واپس ہونے کے سوا کوئی چارہ کار نہ رہا لہٰذا اس نے واپس پہونچکر اپنی قوم کو اطلاع دی کہ مدینہ میں اخلاص میں تکدر

پیدا کرنے والی کوئی بات نہیں پائی جاتی تاہم اسے خود برابر اپنی جان کا خوف لگا رہا اور اس نے مصلحت اسی میں دیکھی کہ نبی کریمؐ کے چچا عباس کو مدینہ کے سفر کی ترغیب دے تاکہ وہ جاکر رسول اللہؐ کو راضی کرلیں۔ چنانچہ اسے اس میں کامیابی ہوئی باوجودیکہ حضرت عباسؓ ابتداءً حاجیوں کو پانی پلانے کی خدمت چھوڑ کر جانے کو تیار نہ تھے جبکہ رسول اللہؐ آپ کے مکہ کے قیام سے خوش بھی تھے۔ تاہم حضرت عباسؓ اپنے اہل و عیال سمیت ہجرت کے مقصد سے مدینہ کی طرف روانہ ہوئے اس وقت مدینہ ان مسلمانوں سے بھرا ہوا تھا جو رسول اللہؐ کے حکم پر لبیک کہکر مدینہ میں جمع ہو گئے تھے۔ جب یہ اجتماع مکمل ہوگیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آٹھویں رمضان ۸ھ موافق جنوری ۶۳۰ء کو ان سب کو لے کر مکہ کے ارادہ سے روانہ ہوئے۔ اس وقت ان سب مہاجرین و انصار کی مجموعی تعداد تقریباً آٹھ ہزار تھی۔ اثناء راہ میں آپ کی ملاقات اپنے چچا عباس بن عبدالمطلب سے ہوئی جس سے آپ بہت مسرور ہوئے۔ جب مجاہدین کی یہ جماعت مقام "مرالظہران" تک پہونچی تو حضرت عباس بیساختہ بول اُٹھے "ہائے افسوس کل صبح قریش پر کیا گزرے گی۔ خدا کی قسم اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قریش کے امان طلب کرنے سے پہلے فاتحانہ مکہ میں داخل ہو گئے تو یہ داخلہ قریش کی دائمی بربادی کا موجب ہوگا"

لیکن حضرت عباسؓ نے ابھی تک ابوسفیان کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر کوئی بات ظاہر نہیں کی۔ پھر وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سفید خچر پر سوار ہو کر روانہ ہوئے حتی کہ مقام "اراک" تک پہونچے اور چاہتے تھے کہ کسی قاصد کو بھیجکر ابوسفیان کو بلا بھیجیں تاکہ وہ خود حاضر خدمت مبارک ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے امان طلب کرلے۔ لیکن انھیں اس کی خبر نہ تھی کہ حضرت عباسؓ کی روانگی کے بعد سے ایک پل کے لئے بھی ابوسفیان کی آنکھ اختر شماری سے نہ جھپکی تھی یہاں تک کہ وہ حضرت خدیجہؓ کے بھتیجے حکیم بن حزام کو جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک بہت معزز تھے

اور قبیلہ خزاعہ کے سردار بدیل بن ورقاء کو جس نے قریش کی حرکت کی خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہونچائی تھی اپنے ہمراہ لیکر مکّہ سے اس غرض سے روانہ ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں اپنے متعلق ان دونوں کی سفارش پہونچائے۔لیکن یہ تینوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ کے لشکر کی آگ کو بھڑکتے دیکھکر ٹھنڈے پڑ گئے اور آپس میں اس معاملہ میں چہ میگوئیاں کرنے لگے۔جب وہ یہ باتیں کر رہے تھے تو حضرت عباسؓ نے جو قریب ہی پہونچ چکے تھے ان کی باتیں سُن لیں اور ابوسفیان کو اس کی آواز سے پہچان کر آواز دی۔ابوسفیان ان کے مل جانے سے بہت خوش ہوا اور جن کو اپنے ساتھ سفارشی بنا کر لایا تھا اب ان سے مستغنی ہو گیا۔اور حضرت عباسؓ سے کہنے لگا۔اے ابوالفضل! اب کیا تدبیر ہے۔حضرت عباسؓ نے کہا۔خدا کی قسم اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تجھ پر بس چل گیا تو وہ ضرور تیری گردن ماردیں گے۔تاہم اس خچر پر میرے پیچھے سوار ہو جا تاکہ میں تجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لیجا کر پیش کروں اور تیرے لئے امان چاہوں چنانچہ ابوسفیان کے ہر دو ساتھی واپس چلے گئے اور ابوسفیان حضرت عباسؓ کے ہمراہ سوار ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خیمہ تک پہونچا۔حضرت عمرؓ نے جونہی اسے آتے دیکھا دوڑے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گئے اور عرض کیا: یا رسول اللہ! یہ ابوسفیان آگیا ہے اور کسی دشواری و دقت کے بغیر خدا نے ہمیں اس پر قابو دیدیا ہے۔بس مجھے اجازت دیجئے کہ اس کی گردن اُڑادوں۔

اس پر حضرت عباسؓ نے عرض کیا۔لیکن یا رسول اللہ! میں اسے پناہ دے چکا ہوں۔

پھر حضرت عباسؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سر مبارک تھام کر عرض کیا۔خدا کی قسم ہے آپ آج رات میرے سوا کسی اور سے تخلیہ میں بات نہ فرمائیں۔

یہ کہکر راز میں آپ سے باتیں کرنے لگے۔غالباً انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لشکرِ جرار کے فاتحانہ مکہ میں داخل ہونے کے خیال سے اہل مکہ کے خائف و دہشت زدہ

ہونے کی خبر آپ تک پہونچا کر یہ تجویز پیش کی ہو کہ اپنے اہل قوم قریش کے دلوں میں مزید رعب و دہشت پیدا کرنے کیلئے ابوسفیان سے کام لیا جائے تاکہ وہ لڑے بغیر ہی مکہ کو آپ کے حوالہ کردیں۔

اور مکہ میں خونریزی جیسے پہلے حرام تھی اور آیندہ بھی حرام رہے گی اسی حالت پر وہ اب بھی باقی رہے۔یقیناً یہ تجویز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دلی خواہش کے مطابق ہوگی کیونکہ آپ کی دلی آرزو بھی یہی تھی۔اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباس رضؓ سے فرمایا کہ اس وقت ابوسفیان کو اپنی قیام گاہ پر لیجائیے اور صبح کو میرے پاس لے کر آئیے چنانچہ وہ ابوسفیان کو اپنی جائے قیام پر لے گئے اور وہ اس رات ان کے پاس رہا صبح ہوتے ہی اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر کیا گیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے یوں خطاب فرمایا:

اے ابوسفیان! تجھ پر افسوس ہے۔کیا تیرے لئے وہ وقت نہیں آیا کہ تو یہ جان لے کہ خدا کے سوا اور کوئی دوسرا معبود نہیں ہے؟ ابوسفیان نے عرض کیا، آپ پر میرے ماں باپ قربان ہوں۔آپ کتنے متحمل کتنے شریف اور صلہ رحمی کرنے والے ہیں۔ خدا کی قسم ہے۔ مجھے یہ یقین آگیا ہے کہ اگر خدا کے ساتھ اس کے سوا دوسرا بھی کوئی خدا ہوتا تو وہ ضرور مجھے کچھ فائدہ پہونچا سکتا۔

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! کیا ابھی وقت نہیں آیا کہ تو میرے رسول اللہ ہونے کا یقین کرلے؟

کہا: آپ پر میرے والدین قربان ہوں آپ کتنے متحمل، کتنے شریف اور صلہ رحمی کرنے والے ہیں۔لیکن حقیقت یہ ہے کہ خدا کی قسم اس مسئلہ میں ابھی تک میرے دل میں کچھ تردد باقی ہے۔اس پر حضرت عباس رضؓ نے بات میں مداخلت کرتے ہوئے کہا تیرا بُرا ہو۔ جلدی سے اسلام لے آ اور اس سے قبل کہ تیری گردن اڑا دی جائے کلمۂ اشہد ان لا الہ

الا اللہ و ان محمداً رسول اللہ پڑھ لے۔ اس پر ابوسفیان نے فوراً کلمۂ شہادت پڑھ کر اسلام قبول کر لیا۔ پھر حضرت عباسؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! ابوسفیان وہ شخص ہیں جو فخر و مباہات کو پسند کرتے ہیں اس لئے ان کے لئے کوئی مفاخرانہ اعلان فرما دیجئے۔ تو مناسب ہوگا آپ نے فرمایا: ہاں اعلان کر دو کہ میرے دخولِ مکہ کے وقت جو شخص ابوسفیان کے گھر میں چھپ گیا وہ مامون ہے۔ جس نے اپنا دروازہ بند کر لیا وہ مامون ہے۔ اور جو مسجد میں داخل ہو گیا وہ بھی مامون ہے۔ جب ابوسفیان واپس ہونے لگے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر اپنی فوجی طاقت ظاہر کر دینی چاہی تاکہ انھیں اس تباہی کا یقین ہو جائے۔ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مکہ میں فاتحانہ داخلہ کی صورت میں اہلِ مکہ پر نازل ہو گی۔ پس آپ نے حضرت عباسؓ سے فرمایا کہ ابوسفیان کو وادی کے درہ سے گزار دو تاکہ گزرتے وقت وہ اسلامی فوجوں کا معائنہ کر لیں۔ چنانچہ حضرت عباسؓ نے ارشادِ مبارک کی تعمیل فرمائی اور آپ ابوسفیان کو ان قبیلوں کے نام بھی بتاتے جاتے تھے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جھنڈے تلے جمع ہو گئے تھے۔ یہاں تک کہ ابوسفیان پر بے انتہا دہشت طاری ہو گئی اور کہنے لگے کہ واقعی اس سے پہلے کسی کو یہ طاقت و شوکت نصیب نہیں ہوئی تھی۔ اے ابو الفضل! خدا کی قسم ہے کل کو آپ کے بھتیجے کی حکومت اک عظیم الشان حکومت ہو گی۔ حضرت عباسؓ نے فرمایا: اے ابوسفیان! یہ حکومت نہیں شانِ نبوت ہے۔ ابوسفیان نے کہا: بیشک۔ حضرت عباسؓ نے فرمایا: اپنی قوم کو اس ہلاکت و تباہی سے بچانے کے لئے جلد ہی پہونچو۔ پس ابوسفیان ہوا کی تیزی سے بھی زیادہ عجلت سے مکہ پہونچے اور باآوازِ بلند یہ اعلان کیا:

اے گروہِ قریش! یہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ایک غیر معمولی فوج کے ساتھ جو اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھی گئی تھی تمہارے سر پر آ پہنچے ہیں۔ پس اس دن جو شخص ابوسفیان کے گھر میں پناہ لے گا وہ ان کے امن میں رہے گا۔ اِس پر خود ان کی

بیوی ہند بنت عتبہ نے کھڑے ہو کر ان کے منہ پر ہی ان کا مذاق اڑایا۔ ابو سفیان نے کہا۔ تمہاری خرابی ہو تم کسی دھوکہ میں نہ رہنا قسم ہے خدا کی وہ ایسا لشکر جرار لیکر آ رہے ہیں جس سے پہلے کبھی تمہیں سابقہ نہ پڑا تھا اس لئے اس دن جو ابو سفیان کے گھر میں آگیا وہ مامون رہے گا۔ لوگوں نے کہا: خدا تجھے ہلاک کرے۔ بھلا ایسے وقت تیرا گھر ہمیں کیسے بچا سکتا ہے تب ابو سفیان نے اعلان کیا اور جس نے اپنا دروازہ بند کر لیا وہ بھی اور جو مسجد میں داخل ہوا وہ بھی مامون رہے گا۔ اس پر لوگ وہاں سے منتشر ہو کر اپنے اپنے گھروں میں اور مسجد میں چلے گئے۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مقام "ذی طویٰ" میں داخل ہوئے اور آپ نے خدا کی عطا فرمائی ہوئی وہ عزت دیکھی جو خون بہائے بغیر فتح مکہ کی صورت میں آپ کو نصیب ہوئی تو آپ نے بے ساختہ خدا کے سامنے جبین نیاز جھکا دی۔ اور آپ اپنے پروردگار کی بے حد حمد و ثنا بیان فرماتے جاتے اور اس کی بے شمار نعمتوں کا ذکر فرماتے جاتے تھے۔

پھر آپ نے اپنے لشکر کو چار حصوں میں تقسیم فرما کر انھیں اس شخص سے جو ان سے جنگ نہ کرے لڑائی نہ کرنے کی ہدایت فرمائی اور کسی کا ناحق خون بہانے سے بشرطیکہ وہ اس پر مجبور نہ کر دیا جائے سختی سے منع فرمایا۔ پھر زبیر بن عوام کو لشکر کے بائیں بازو کا افسر مقرر فرما کر انھیں شمال کی طرف سے مکہ میں داخل ہونے کا حکم فرمایا۔ حضرت خالد بن ولید رضؓ کو دائیں بازو پر مامور فرما کر انھیں مکہ کے نچلے حصہ کی طرف سے داخل ہونے کا حکم فرمایا۔ حضرت سعد بن عبادہ رضؓ کو اہل مدینہ پر مامور فرما کر انھیں مکہ کی غربی سمت سے داخل ہونے کی ہدایت فرمائی۔ حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضؓ کو مہاجرین پر افسر بنا کر ان کو مکہ کی چوٹی سے داخلہ کا حکم دیا۔ پھر آپ تک یہ خبر پہونچی کہ حضرت سعد بن عبادہ رضؓ یہ کہہ رہے ہیں کہ:۔

اَلْیَوْمُ یَوْمُ الْمَلْحَمَۃ۔ اَلْیَوْمَ تُسْتَحِلُّ الْحُرْمَۃ۔ آج ہیبت ناک جنگ کا دن ہے۔ آج حرم مکّہ میں بھی خون بہانا حلال ہو گیا۔

اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطرہ گزرا کہ مبادا سعد اسی تأثر کو لئے ہوئے مکّہ میں داخل ہوں چنانچہ آپ نے حضرت علی بن ابی طالبؓ کو فرمایا کہ جلدی سے سعد تک پہونچو اور ان سے خود جھنڈا لے لو اور ان کی بجائے تم اس سمت سے مکّہ میں داخل ہو۔ چنانچہ یہ تمام فوجیں کسی معمولی سے مقابلہ کے بغیر ہی فاتحانہ مکّہ میں داخل ہو گئیں صرف حضرت خالد بن ولیدؓ کے لشکر کو تھوڑا سا مقابلہ کرنا پڑا وہ اس طرح کہ جب ان کا لشکر مکّہ کے نچلے حصّہ کی طرف سے قبیلہ بنو بکر اور ان کے ان معاونین کی جماعت کے پاس سے گزرا جنھوں نے صلح حدیبیہ کی عہد شکنی کر کے بنو خزاعہ پر حملہ کر دیا تھا تو انھیں اپنی جانوں کا خطرہ محسوس ہوا اور وہ رسول اللہؐ کے پیغام امن پر مطمئن نہ ہو سکے اس لئے انھوں نے تھوڑی سی مقاومت کی جس کے جواب میں بعض کو قتل کر ڈالا گیا اور بعض نے براہ سمندر نکل جانے کے ارادہ سے راہِ فرار اختیار کی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکّہ کی بلندی پر اس گنبد نما خیمہ میں آرام کے لئے فروکش ہوئے جو پہلے ہی سے آپ کے لئے نصب کر دیا گیا تھا جہاں آپ برابر اللہ کی اس سرفرازی و فضل پر اس کی حمد و ثنا اور شکر فرماتے رہے۔ یہاں آپ تک حضرت خالدؓ کے اس جماعت سے مقابلہ کی خبر پہونچی جس نے ان پر حملہ کر دیا تھا۔ یہ سُن کر آپ بہت متأسف ہوئے اور غصّہ سے چیخ کر اپنے سابقہ حکم کو یاد دلایا کہ لڑائی نہ ہونے پائے لیکن جب آپ کو صحیح حالات کا علم ہوا کہ دوسرے فریق نے ہی جنگ کی ابتدا کی تھی تو فرمایا: "بہتری اسی میں ہو گی جسے خدا نے پسند فرمایا۔"

باعزت فتح

دنیا میں کوئی لذت - مدد کی لذت سے بہتر نہیں - بچہ اپنی زندگی کے ابتدائی شعور کے وقت سے اپنے والدین سے مدد خواہ ہوتا ہے کیونکہ وہ ہی اس کی نظر میں اس کی حمایت پر سب سے زیادہ قدرت رکھتے ہیں پھر جوں جوں اس کا علم و معرفت بڑھتا ہے وہ ان سے بلند وبالا ہستی سے مدد طلب کرتا ہے - فطرۃً قلوب اس کی محبت کرتے ہیں جو ان کی مدد کرتا ہے کیونکہ وہ اس کے پاس وہ چیز پاتے ہیں جو اسے بہت بڑی لذت سے مستفید کرتی ہے اسی لئے حق تعالیٰ نے اپنے بندوں کو قرآن کریم میں کثیر مقامات پر خبر دی ہے کہ صرف حق تعالیٰ ہی مدد پر قادر ہے اور وہ ہی ان مختلف وسائل کے ذریعہ جو اسے منزل مقصود تک پہونچاتے ہیں اپنے بندوں کی مدد فرماتا ہے مثلاً انھیں قوتِ جسمانی - کثرتِ عدد - اصابت رائے - ملکۂ ایجاد اور تمام ابتدائی ظاہری وسائل اور ان کے سوا مخفی قوتوں مثلاً دشمنوں کے دلوں میں ہیبت بٹھانے - لشکرِ اعدا میں امراض اور وبائیں پھیلانے - ملائکہ کی فوج بھیجنے - بجلیاں گرانے ہواؤں - بارشوں اور سیلابوں کو بھیجنے اور ان کے سوا اور دوسرے مختلف ذرائع سے جو خدا کے قبضۂ قدرت میں ہیں اپنے بندوں کی مدد فرماتا ہے -

وَمَا يَعْلَمُ جُنُودَ رَبِّكَ إِلَّا هُوَ - | اور خدا کے سوا اس کے لشکروں کی صحیح تعداد کو کوئی بھی نہیں جانتا -

پس کوئی تعجب کی بات نہیں اگر حق تعالیٰ نے اپنی مقدس کتاب میں یہ

فرمایا ہو :-

وما النصر الا من عند اللہ العزیز الحکیم ۔	خدائے عزیز و حکیم کے سوا اور کسی کی طرف سے کسی قسم کی مدد ممکن ہی نہیں ۔

ساتھ ہی ہمیں اللہ سبحانہ نے ظاہری قوت کے تمام وسائل کے اختیار کرنے اور جنگ کی مکمل تیاری کرتے رہنے کا بھی حکم دیا ہے جو کسی قسم کی مدد کی ضمانت کے طور پر نہیں کیونکہ یہ معاملہ تو صرف خدا ہی کے قبضہ میں ہے جو مدد کے ان مخفی وسائل پر قادر ہے جن تک ہماری عقلیں نہیں پہونچ سکتیں بلکہ اس مشہور مقولہ کے مطابق کہ "جنگ کی تیاری جنگ کو روکتی ہے" دشمن کو دہشت زدہ کرنے اور مخالفین کو ڈرانے کے لئے یہ تیاری ضروری ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَاَعِدُّوا لَهُم مَا اسْتَطَعْتُم مِنْ قُوَّةٍ وَمِنْ رِبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُونَ بِهِ عَدُوَّ اللهِ وَعَدُوَّكُم ۔	تم سے جس قدر بھی بن پڑے ہر قسم کی طاقت بہم پہونچا کر اور جہاد کے گھوڑے پرورش کر کر کے مخالفین کے مقابلہ کی تیاری کرتے رہو تاکہ تم اس طرح اللہ کے اور خود اپنے دشمن کو مرعوب اور خوفزدہ کرتے رہو ۔

اور اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو صرف اسی سے تعلق رکھنے اور صرف اسی پر بھروسہ رکھنے کی ترغیب دیتا ہے ۔ تاکید سے بیان فرمایا ہے کہ مدد فی الواقع صرف اسی کی طرف سے آتی ہے جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے :

اِن يَنصُرْكُمُ اللهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ وَاِن يَخْذُلْكُمْ فَمَن ذَا الَّذِي يَنصُرُكُم مِن بَعْدِهِ ۔ وَعَلَى اللهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ۔	اگر خدا تمہاری مدد فرمائے گا تو پھر کوئی طاقت تم پر غلبہ نہ پاسکے گی اور اگر وہ ہی تمہیں رسوا کردیگا تو پھر کون ہے جو اس کے بعد تمہاری مدد کر سکے ؟ پس مومنین کی شان یہی ہونی چاہئے کہ وہ صرف خدا ہی پر بھروسہ کیا کریں ۔

پس یہ امر مسلمہ اور طے شدہ ہے اور ہر عقل سلیم رکھنے والے پر لازم ہے کہ وہ صرف خدا ہی سے امداد کا طالب ہو اور صرف ظاہری طاقتوں پر اعتماد نہ کرے جو اُن خدائی طاقتوں کے سامنے نہیں ٹھہر سکتیں جن کا حق تعالیٰ مختلف حیرت انگیز ایجادات کے موجدین پر اپنے علمی خزائن کے دروازے کھول کر اظہار فرماتا ہے یا جسے چاہتا ہے اس کی ان غیبی طاقتوں سے مدد فرماتا ہے جو پہلے کبھی اس کے حاشیۂ خیال میں بھی نہیں آئی تھیں۔

یہی وہ حقیقت ہے جو ہر پختہ مغز انسان پر واجب کر دیتی ہے کہ وہ صرف اس اعتبار سے کہ اللہ تعالیٰ ہی ان تمام مخفی اور ان ظاہری موجودہ طاقتوں پر غالب رہنے والی روحانی طاقتوں کا مالک ہے اس سے دلی تعلق اور محبت رکھے۔

چونکہ رسول اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ مہم اپنی قوم کے اللہ جل وعلا سے صحیح علاقہ قائم فرمانے اور انھیں مادی محدود دائرہ سے نکال کر کمال روحانی کے منتہا تک پہونچا کر اس قوم کے مدارج بلند فرمانے پر مشتمل تھی اور جو لوگ اس وقت نئے نئے مسلمان ہوئے تھے وہ اپنے گرد وپیش کی مادی اشیاء کے سوا زندگی کے بلند حقائق سے ناآشنا تھے اور وہ اس عالم کے نظری مشاہدات کے علاوہ اس عالم کے مابعد کی کسی حقیقت کا تصور بھی نہ رکھتے تھے۔ اور اس بچّے کی طرح جو والدین کے سوا کسی اور کو نہیں پہچانتا بلکہ اس سے بھی زیادہ بھٹکے ہوؤں کی طرح ان ناکارہ معبودوں کے سوا کسی اور ہستی پر ایمان نہ رکھتے تھے جن کی پرستش پر وہ ٹوٹے پڑتے تھے تاکہ ان کی برکت سے اپنی متوقعہ خیالی تائید وامداد حاصل کر سکیں۔

اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکّہ میں اپنی رسالت کے پہلے تیرہ سال اس طرح گذارے کہ آپ قوم کے سامنے نظری اسباق اور علمی مقالات بیان فرماتے رہے تاکہ اس طرح ان پر اپنی خدائی دعوت ثابت کر دیں اور اپنی شریعت کی تائید وتوثیق فرمادیں جو صرف اسی ایک بنیاد پر قائم ہے کہ انسان اس ایک خدا پر ایمان لے آئے جو تمام غیبی طاقتیں

کا سرچشمہ ہے اور وہ جو کچھ چاہے وہ کرنے پر قادر ہے۔

لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ۔ اسے کوئی نہیں دیکھ سکتا لیکن وہ سب کو دیکھتا ہے وہ نہایت لطیف اور ہر چیز سے باخبر ہے۔

نیز حق تعالیٰ نے عملی جد و جہد کا حکم فرمایا اور جد و جہد سے گریز کرنے سے منع فرمایا ہے اور اس عالمِ مادی کے لئے کبھی نہ بدلنے والے طریقے جاری فرمائے اور اسباب کو ان کے مسببات سے ایسا وابستہ و مربوط فرما دیا ہے کہ وہ عادۃً کبھی غلط نہیں ہوتے اس کے بعد حق تعالیٰ نے انسان کے لئے اوامر ونواہی متعین فرمائے ہیں اس لئے ہر انسان کے لئے اس زندگی میں عملی جد و جہد کی سخت ضرورت ہے اور اسباب کی مزاولت اور خدائی قوانین کا اتباع لازمی ہے۔ لیکن ان تمام ظاہری اسباب و وسائل پر اعتماد کلی نہ کرنا چاہئے کیونکہ ان میں سے کسی امر میں کوتاہی بسا اوقات معکوس نتائج بھی مرتب کر دیتی ہے۔

مسلمانوں کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ اس امر کو اپنا نصب العین قرار دے لیں کہ خدا کی خوشنودی ہی ہر مومن کا منتہائے مقصود ہے جس کے حصول کے لئے اپنے ان ابتدائی اعمال میں جن کی دائمی پابندی اس زندگی میں انسان پر واجب کر دی گئی ہے عملی جد و جہد جاری رکھیں تاکہ اس کی وجہ سے حق تعالیٰ سے اس زندگی کی سب سے اہم لذت یعنی تائیدِ خداوندی حاصل کر سکیں۔

رسولِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم ایسے اسلوبِ بیان سے لوگوں کے دلوں کو ایمان کی طرف کھینچتے اور لوگوں کو ان کے گرد و پیش کی مادی اشیا میں سے ہر ہر چیز کی اصل حقیقت کی بحث و تدقیق کے ذریعے انھیں اللہ کی طرف متوجہ فرماتے تھے جس سے وہ اچھی طرح سمجھ لیں کہ یہ مادی اشیاء بالآخر ایک غیبی طاقت پر جا کر ختم ہوتی ہیں جو ان سب کی اصل ہے یا یہ عالم مادی دوسرے الفاظ میں صرف بعض آثار وعلامات ہیں جو ایک عظیم الشان خالق کے وجود کو ثابت کرتی ہیں جو انھیں عدم سے وجود میں لایا جس نے

انھیں پیدا فرمایا اور جس نے انھیں اپنے ارادہ سے متعلق حقائق کے اثبات کے لئے دنیا میں جاری وساری فرمایا۔ یہ برتر خالق وہی ہے جو جسے چاہتا زندگی بخشتا۔ رزق دیتا اور فتح ونصرت عطا فرماتا ہے۔ اس لئے وہی انسانی محبت کا مستحق اور صرف وہی پرستش کے لائق ہے دوسرا کوئی نہیں۔ پس کچھ لوگ جنھیں توفیق ہوئی وہ ایمان لے آئے اور جن میں مادی حدود کی تنگ نظری اور جمود تھا اور جن کی عقول اس عالم کے مابعد عالم کے تصور سے قاصر رہیں وہ اس خدا پر ایمان نہ لائے جس نے انھیں پیدا فرمایا اور سیدھا اور صحیح وسالم پیدا فرمایا ان لوگوں کو ان کے کسی ابتلا ومصیبت کے وقت خدائی مدد کا تصور ہی نہیں ہوا۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ ہجرت فرماگئے اور وہاں آپ کی حکومت قائم ہوگئی تو آپ نے اپنے متبعین کے لئے اپنے سابقہ نظری اسباق کو دوسرے عملی اسباق کے ساتھ منطبق فرمانا شروع کردیا ان عملی اسباق کے ذریعے آپ نے یہ ثابت فرمایا کہ حق تعالیٰ جس سے محبت فرماتے ہیں اس کی مصلحت کے موافق تمام تدابیر کو منظم فرمانے اور اس کے تمام اُمور میں ایک کیفیت پیدا فرمانے پر وسیع قدرت رکھتے ہیں اور انھیں ان کی آنکھوں سے اپنی وہ قدرت کاملہ دکھادی جو اپنے ان تھوڑے سے بندوں کی نصرت وتائید پر مشتمل تھی جو اس کے احکام کے اطاعت گزار۔ اور خدا کے اپنے رسول کی تمام خطرات سے حفاظت اور دشمنانِ اسلام کے مقابلہ میں آپ کی تائید وحمایت اور حق تعالیٰ کی طرف سے ایک مدد کے بعد دوسری مدد کے ظہور میں اسی کی ذات پر بھروسہ کرنے والے تھے۔

درحقیقت فتح مکہ ان اسباق کے منجملہ سب سے بڑا سبق تھا جس نے مومنوں کے اللہ پر وثوق واعتمادِ کامل میں اضافہ کردیا کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیبیہ سے واپسی پر حق تعالیٰ نے اپنے نبی سے یہ وعدہ فرمایا تھا کہ وہ انھیں عنقریب برتر فتح عطا فرمائے گا لیکن اس وعدہ نے نہ تو آپ کو محض توکل تک ہی محدود رکھا نہ آپ نے اللہ کی طرف سے آنے والی فتح ونصرت کے لئے مومنوں کو خلافِ عادت واقعات کے انتظار کی

حرص دلائی بلکہ صحابہ ذاتی تیاری میں منہمک ہو گئے اور جہاد اور مصائب پر صبر و تحمل کے لئے اپنے جسموں کو مشقتوں کا عادی بنانے لگے یہ اس فیصلہ کن معرکہ کی تیاری تھی جو انھیں وہ منتظرہ فتح و نصرت عطا کرتی۔ چنانچہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں مکّہ کی طرف روانگی کی دعوت دی تو سب کے سب آپ کے ہمرکاب ہو گئے ان میں ایک بھی پیچھے نہ رہا بلاشبہ یہ حضرات "مکّہ" کو فتح کرنے اور قریش کو ان کے علی الرغم اسلام کے سامنے جھکانے کے ارادہ سے چلے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے یہ چاہا کہ اپنے نبی کو ان کی تیاری کی طاقت کے بل پر نہیں بلکہ محض تدبیر خداوندی اور اس کے اپنی قوم کے زعیم کبیر ابو سفیان جیسے شخص اور رسول کے بدترین دشمن کے دل میں رعب و ہیبت ڈال کر ان دونوں مقاصد کے پورا فرمانے کی ضمانت عطا فرمائے۔

چنانچہ وہ شخص جو آپ کا سخت ترین اور شقی القلب دشمن تھا اس پر مجبور ہو گیا کہ اپنی جان کو اپنی مرضی سے آپ کے سامنے پیش کر دے اپنی زندگی کو خطرہ میں ڈال دے اور رسول اللہؐ کے متوسلین سے التجا کرے کہ آپ اس سے درگذر فرمائیں اور اس کے مقابلہ میں وہ آپ سے اس کا معاہدہ کر لے کہ اپنی قوم کو آپ کی اطاعت کرنے اور آپ پر ایمان لے آنے پر آمادہ کرے گا۔ پس اس سے اللہ کی قدرت آشکارا ہو گئی کہ وہ اپنے بندوں میں سے جس کی چاہتا ہے مدد فرماتا ہے چنانچہ حق تعالیٰ نے اپنے نبی سے اس ہمہ گیر فتح و نصرت کا وہ وعدہ پورا کر دکھایا جس کی تاریخ میں کہیں مثال نہیں ملتی ایک لمحہ کے لمحہ میں شہر فتح ہو جاتا ہے پوری قوم مطیع ہو جاتی ہے یکایک اپنے عقیدہ میں تبدیلی قبول کر لیتی ہے۔ فوراً اپنے آبائی دین کو چھوڑ دیتی ہے اور اپنی تمام موروثی عادتوں کو یک لخت ترک کر دیتی ہے پھر یہ سب کام خون کا ایک قطرہ بہائے بغیر مکمل ہو جاتا ہے۔

خدا کی قسم یہ اللہ کے معجزات میں سے ایک بھاری معجزہ اور اس کی نشانیوں میں

سے ایک بڑی نشانی تھی جس کے ذریعہ اس نے اپنے رسولؐ کی مدد فرمائی اور یہ وہ حقیقت ہے کہ اسے حق تعالیٰ نے تمام آنے والے زمانوں میں ان لوگوں کی مدد کے لئے ایک نمونہ و مثال قرار دیا ہے جو اس کی طرف رجوع ہوں اور عہد رسالت میں اپنے بزرگوں کے ایمان کی طرح اس پر ایمان لے آئیں جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے:

وَکَانَ حقاً علَیْنَا نَصْرُ المؤمنین۔ — ہم نے مومنین کی مدد اپنے اوپر لازم کر لی ہے۔

اس وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بروز دوشنبہ بتاریخ ۲۰؍ رمضان م ۸؍ جنوری ۶۳۰ء مکہ میں داخل ہوکر اس کی بلندی پر اس قبہ میں جسے آپ کے صحابہ نے آپ کے لئے تیار کیا تھا ٹھہرے ہی تھے کہ آپؐ نے اپنے پیچھے سے ایک غیبی آواز سُنی کہ کوئی آپ کو جلدی بیت الحرام کی زیارت کیلئے کہہ رہا ہے چنانچہ آپ نے حضرت عمرؓ کو حکم دیا کہ وہ کعبہ میں داخل ہوکر اس کی تمام مورتیوں کو مٹادیں حضرت عمرؓ وہاں تشریف لے گئے اور کسی مزاحمت کے بغیر ارشاد نبوی کی تعمیل کردی۔ پھر آپ "قصوار" نامی اپنی اونٹنی پر سوار ہوئے پیچھے اسامہ بن زید کو بٹھایا اور کعبہ تک پہونچے جہاں زبان مبارک پر یہ کلمات جاری تھے:

اَللّٰھُمَّ اِنَّ العَیْشَ عَیْشُ الآخِرَۃ۔ — اے خدا حقیقی عیش صرف آخرت ہی کی عیش ہے۔

پھر اپنی سواری پر ہی کعبہ کے سات طواف فرمائے اور خمار چھڑی سے جو آپ کے دستِ مبارک میں تھی رکنِ یمانی کو بوسہ دیا۔ طواف پورا فرمانے کے بعد حضرت عثمان بن طلحہ (کلید بردارِ کعبہ) کو بلایا جنھوں نے آپ کے لئے کعبہ کا دروازہ کھول دیا۔ پس آپ اندر تشریف لے گئے اس وقت حضرت بلالؓ کو جو آپ کے ہمراہ تھے۔ کعبہ کے اندر اذان دینے کے لئے فرمایا۔ پھر آپ نے کعبہ کے دروازہ پر کھڑے ہوکر مجمع کے

سامنے یہ خطبہ دیا:-

لا الٰہ الا اللّٰہ وحدہٗ لاشریک لہ صدق وعدہٗ ونصر عبدہٗ وھزم الاحزاب وحدہٗ - الا کل ماثرۃ او دم او مال یدعی فھو تحت قدمی ھاتین الا سدانۃ البیت وسقایۃ الحاج الا وقتل الخطأ شبہ العمد بالسوط والعصا ففیہ الدیۃ مغلظۃ مائۃ من الابل اربعون فی بطونھا اولادھا - یامعشر قریش! ان اللّٰہ قد اذھب عنکم نخوۃ الجاھلیۃ وتعظمھا بالآباء الناس من آدم وآدم خلق من تراب ثم تلا قولہ تعالیٰ -

یا ایھا الناس انا خلقناکم من ذکر وانثیٰ وجعلناکم شعوباً وقبائل لتعارفوا ان اکرمکم عند اللّٰہ اتقاکم -

خدا کے سوا کوئی معبود نہیں وہی ایک خدا ہے جس کا کوئی شریک نہیں - اس نے اپنا وعدہ سچ کر دکھایا اپنے بندے کو فتح عطا فرمائی - اور دوسری تمام جماعتوں کو شکست دیدی - خبردار رہو! تمام آبائی مفاخر خون یا مال کے تمام دعاوی اور مطالبات میرے ان قدموں کے نیچے پامال ہیں - بجز خانۂ کعبہ کی پاسبانی اور حجاج کو آبِ زمزم پلانے کی خدمات کے - خبردار رہو! غلطی سے ارتکابِ قتل دانستہ کوڑے اور لاٹھی سے مار ڈالنے کے مماثل ہے پس اس میں سو اونٹنیوں کی شدید دیت ہے جن میں سے چالیس حاملہ ہونی چاہئیں -

اے جماعتِ قریش! اللہ تعالیٰ نے تم سے زمانۂ جاہلیت کے غرور وتکبر اور آبائی مفاخر کو مٹا دیا ہے - انسان سب کے سب آدم کی اولاد ہیں اور آدم مٹی سے پیدا کئے گئے تھے پھر حق تعالیٰ کا یہ قول تلاوت فرمایا:

"اے لوگو! ہم نے تمہیں مرد وعورت کے اختلاط سے پیدا کیا پھر تمہیں مختلف قوموں اور قبیلوں میں تقسیم کر دیا تاکہ باہم ایک دوسرے کو پہچان سکو - ورنہ خدا کے نزدیک تم میں معزز وہی ہے جو تم میں سب سے زیادہ پرہیزگار ہو -

ثُمَّ قَالَ : يَا مَعْشَرَ قُرَيْشٍ! يَا أَهْلَ مَكَّةَ! مَا تَرَوْنَ أَنِّي فَاعِلٌ بِكُمْ؟ قَالُوا خَيْرًا ۔ أَخٌ كَرِيمٌ وَ ابْنُ أَخٍ كَرِيمٍ ۔ قَالَ اِذْهَبُوا فَأَنْتُمُ الطُّلَقَاءُ ۔	پھر فرمایا : اے اہلِ قریش! اور اے اہلِ مکہ! تمہارا کیا خیال ہے کہ میں تم سے کیا معاملہ کروں گا؟ سب نے عرض کیا ہمیں آپ سے بہتر سلوک کی توقع ہے۔ آپ ہمارے مہربان بھائی اور مہربان بھائی کے فرزند ہیں اس پر آپ نے فرمایا : جاؤ تم سب آزاد ہو۔

پھر آپ مسجد میں تشریف فرما ہوئے تو حضرت علی بن ابی طالب رضؓ نے جن کے ہاتھ میں کعبہ کی کنجیاں تھیں کھڑے ہو کر عرض کیا۔ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! حجابہ (کعبہ کی دربانی کی خدمت) اور سقایہ (حجاج کو آب زمزم پلانے) کی خدمت ہمارے سپرد فرما دیجئے آپ نے فرمایا۔ آج احسان و وفاءِ عہد کا دن ہے۔ یہ فرما کر عثمان بن طلحہ کو بلایا اور کعبہ کی کنجیاں ان ہی کو واپس فرمادیں اور فرمایا اے بنی عبد الدار! یہ کنجیاں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے تمہارے سپرد ہیں انھیں بجز کسی ظالم کے تم سے کبھی کوئی نہیں لے سکے گا۔ پھر آپ چاہِ زمزم پر تشریف لے گئے اور عباس بن عبد المطلب رضؓ سے پانی پلانے کو فرمایا۔ اور فرمایا اگر مستقبل میں بنو عبد المطلب کے غلبہ کا اندیشہ نہ ہوتا تو میں اپنے ہاتھ سے اس میں سے ڈول کھینچتا۔ پھر حضرت عباس نے آپ کے لئے ڈول کھینچا جس سے آپ نے پانی پیا۔

پھر آپ نے کعبہ کے اطراف کے بتوں کو توڑنا شروع کیا جنھیں توڑتے وقت یہ آیت تلاوت فرماتے جاتے تھے۔

قُلْ جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ۔ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا ۔	اے پیغمبر! ان لوگوں سے کہدیجئے کہ دین حق آگیا اور باطل (کفر) نیست و نابود ہوگیا اور باطل تو یقیناً نیست و نابود ہونے ہی والا تھا۔

پھر لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کیلئے جمع ہوئے جن کے لئے آپ صفا پہاڑ پر بیٹھے اور آپ کے نیچے حضرت عمر بن خطاب رضؓ بیٹھے یہاں سب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کے دست مبارک پر آپ کی کامل اطاعت کی بیعت کی۔ جب آپ مردوں کی بیعت سے فارغ ہو چکے تو خواتینِ قریش حاضر خدمت ہوئیں جن میں ابو سفیان کی زوجہ ہند بنت عتبہ ام معاویہ بھی شامل تھیں۔ انھوں نے غزوۂ احد میں مسلمانوں کا کارٹون بنایا تھا اور آنحضرتؐ کے چچا حضرت حمزہؓ کا جگر چبا ڈالا تھا ان کی ان مذموم حرکات کی بنا پر آنحضرتؐ نے ان کے خون کو جائز قرار دیدیا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان خواتین سے فرمایا۔ تم سب مجھ سے اس امر پر بیعت کرو کہ خدا کا کسی کو شریک نہ کروگی۔ یہ سن کر ہند کسی ہیبت و خوف کے بغیر آپ کے سامنے آئی اور عرض کیا واللہ آپ وہ عہد لے رہے ہیں جو آپ نے مردوں سے نہیں لیا تاہم ہم آپ سے یہ عہد کرتے ہیں۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: چوری نہ کرنا۔ ہند نے کہا۔ واللہ میں ابو سفیان کے مال سے کچھ نہ کچھ چھپا کر لے لیا کرتی تھی اب مجھے معلوم نہیں کہ کیا وہ اس وقت حلال تھا یا نہیں؟ ابو سفیان نے جو اس کی باتیں سُن رہے تھے۔ کہا جو کچھ تم نے ماضی میں لے لیا وہ تمہارے لئے حلال ہے۔

پھر رسول اللہؐ نے فرمایا: کیا تو ہند بنت عتبہ ہے؟ عرض کیا ہاں میں ہند بنت عتبہ ہوں میری پچھلی فروگزاشتیں معاف فرما دیجئے۔ خدا آپ کو معاف فرمائے۔

پھر آپ نے فرمایا: اور زنا نہ کرنا۔ عرض کیا یا رسول اللہؐ! کیا کوئی آزاد عورت بھی زنا کرتی ہے؟

آپ نے فرمایا: اور اپنی اولادوں کو قتل نہ کرنا۔ عرض کیا۔ ہم نے تو ان کو بچپن سے پالا تھا لیکن آپ نے انھیں معرکۂ بدر میں قتل کر ڈالا پس اس کے متعلق آپ اور وہ ہی زیادہ جانتے ہیں۔ (اس جملہ پر حضرت عمرؓ ہنس پڑے حتیٰ کہ ان کی اس ہنسی پر لوگ متعجب ہوئے)

پھر آنحضرتؐ نے فرمایا: خود کسی پر بہتان نہ تراشنا۔ ہند نے عرض کیا۔ واللہ بہتان طرازی یقیناً اک مذموم اور حد اعتدال سے متجاوز حرکت ہے۔ پھر آپ نے فرمایا: کسی نیک کام میں میری نافرمانی نہ کرنا۔ عرض کیا۔ ہم اس مجلس میں اس لئے نہیں شریک ہوئیں کہ نیک کاموں

میں آپ کی نافرمانی کی نیّت رکھیں۔

پھر آپؐ نے حضرت عمرؓ سے فرمایا کہ ان سے بیعت لو اور ان کے لئے خدا سے دعائے مغفرت کرو۔ یہ اس لئے کہ خود رسول اللہؐ نہ عورتوں سے مصافحہ فرماتے تھے۔ نہ کسی عورت کو چھوتے تھے اور نہ کوئی غیر عورت محرم اور جائز خواتین کے سوا آپ کو چھو سکتی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عورتوں سے صرف زبانی بیعت لیا کرتے تھے۔

جب ہندؔ اسلام لے آئیں تو اس بُت کے پاس پہونچیں جو ان کے گھر میں تھا اور اسے پیروں سے ٹھوکر مارتی جاتیں اور کہتی جاتی تھیں کہ "ہم تیری طرف سے بڑے دھوکہ اور مغالطہ میں تھے"

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منادی نے عام منادی کردی کہ:

جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے وہ اپنے گھر کے ہر بُت کو توڑ ڈالے چنانچہ لوگوں نے اپنے اپنے گھروں کے بتوں کو توڑ پھوڑ دیا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چند صحابہ کو مکّہ اور اطراف مکّہ کے تمام بتوں خاص کر ان بڑے بڑے بتوں کو توڑنے کے لئے بھیجا جن پر کفّار ایسے ہی چڑھاوے چڑھایا کرتے تھے جیسا کہ کعبہ پر چڑھاتے تھے نیز ان پر سونے چاندی کی زنجیریں لٹکاتے ان کے نام کی منتیں مانتے اور ان کے سامنے جانوروں کی قربانی دیا کرتے تھے۔

پس آنحضرتؐ نے ۲۴ رمضان کو حضرت خالد بن ولیدؓ کو صحابہ میں سے تیس شہ سوار دیکر مشہور بُت "عزّیٰ" کو گرانے کے لئے بھیجا اور حضرت علی ابن ابی طالبؓ کو ۲۵ رمضان کو بیس شہ سواروں کے ساتھ "مناۃ" نامی بُت کو گرانے کی غرض سے بھیجا۔ چنانچہ آپ نے جاکر اُسے مسمار کر دیا اور حضرت عمرو بن عاص کو اسی وقت ایک مختصر فوج کے ساتھ مکّہ سے تین میل دور واقع "سواع" نامی بُت کو تہس نہس کرنے پر مامور فرمایا۔ جب آپ وہاں پہونچے تو اس بُت کے پاس اس کے پجاری کو پایا۔ اس نے آپ سے پوچھا کہ کیا چاہتے ہو؟ عمرو بولے

کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے مٹا دینے کا حکم فرمایا ہے۔ پجاری نے کہا آپ اس پر قابو نہیں پا سکتے۔ آپ نے پوچھا کیوں؟ کہا وہ آپ کو اس سے روک دیگا۔ حضرت عمروؓ نے فرمایا افسوس تو ابھی تک اس لغویت میں مبتلا ہے۔ پھر اس بُت کے قریب گئے اور اُسے توڑ پھوڑ کر رکھ دیا پھر پجاری سے پوچھا۔ کہو تم نے کیا دیکھا؟ اس پر پجاری بول اٹھا کہ اب میں جہانوں کے پروردگار پر ایمان لے آیا۔

اس طرح مکہ مکرمہ اور اس کا نواحی علاقہ بتوں کی پرستش سے بالکل پاک وصاف ہوگیا اور سب بُت پرست حلقہ بگوشِ اسلام ہوگئے۔ اور دینِ اسلام کی اشاعت۔ اعلاءِ کلمۃ اللہ اور دشمنانِ اسلام سے جنگ کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جھنڈے تلے جمع ہوگئے اور اپنے فاسد عقائد اور آباؤ اجداد سے ورثہ میں پائی ہوئی جاہلیت کی عادتوں سے باز آگئے۔ تمام حقوق میں سب انسان برابر ہوگئے۔ فسق و فجور۔ اپنی اولاد کو زندہ درگور کردینے اور عورتوں کو غلام بنائے رکھنے کی لعنت ہمیشہ کے لئے ختم کردی گئی۔ لوگوں کے جان و مال محفوظ ہوگئے اور وہ باعزت فتح کی لذت سے آشنا ہوگئے۔ بے شک حق تعالیٰ نے قرآن کریم میں صحیح ارشاد فرمایا ہے:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ وَ يُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ۔	اے ایمان لانے والو! اگر تم اللہ کی مدد کروگے تو اللہ بھی تمہاری مدد فرمائے گا اور اس زمین پر تمہارے قدم اچھی طرح جمادے گا۔

معرکۂ ہوازن و ثقیف (غزوۂ حنین)

فتح مکہ کی صورت میں جو زبردست تائید ربانی حاصل ہوئی اس سے مسلمان بہت مسرور ہوئے اور خیال کرنے لگے کہ اس فتح میں ان کی کثرتِ تعداد کو دخل ہے اور اس خیال سے افسردہ ہوئے کہ اس خدائی نصرت کی وجہ سے یہ لوگ اموال غنیمت سے محروم رہے اس لئے کہ رسول اللہ ؐ نے لڑائی اور مال غنیمت کی لوٹ ان پر حرام قرار دیدی تھی۔ اس بنا پر جب اسی دوران میں حضرت رسول اللہ ؐ نے قبیلۂ ہوازن سے جہاد کا ارادہ ظاہر فرمایا تو سب بے حد خوش ہوئے اور اہل مکہ نے بھی مدنی مجاہدین کے ہمراہ چلنے کی خواہش ظاہر کی۔

ہوازن عرب کا بہت بڑا قبیلہ تھا جو مکہ سے تین رات کی مسافت پر طائف کے قریب وادی حنین کے قریب آباد تھا اس کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا تھا کہ یہ قبیلہ آپ سے جنگ کی تیاری کر رہا ہے اور اس نے طائف میں بسنے والے قبیلۂ ثقیف کو بھی اس جنگ میں اپنی ہمراہ شرکت پر آمادہ کر لیا ہے اور وہ اس جنگ کے لئے پوری پوری تیاری کر رہا ہے طے یہ پایا ہے کہ کوئی قبیلہ جنگ سے منہ نہ موڑے گا جب تک کہ دوسرے کی رضامندی حاصل نہ کرے گا۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جہاد میں جلدی نہیں فرمائی بلکہ عبد اللہ بن ابی حدرد اسلمی کو ان قبیلوں میں روانہ فرمایا تاکہ ان میں گھوم پھر کر پوری خبریں لیکر آئیں چنانچہ وہ گئے اور واپس

اگر آپ کو خبر دی کہ اس جماعت نے آپ سے جنگ کا پختہ ارادہ کرلیا ہے اور اپنی کمان مالک بن عوف نصری کے سپرد کی ہے جو بہت بہادر اور آزمودہ کار جوان ہے۔ اس نے ان پر یہ شرط عائد کی ہے کہ اہل قبائل اپنی بیویوں - اولاد - اموال اور جانوروں کو بھی میدانِ جنگ میں اپنے ساتھ لے آئیں مگر ان کے اک بڑے لیڈر، درید بن صمہ نے اس کی اس رائے سے اختلاف کیا اور کہا ہے کہ خواتین -اولاد اور اموال کے وہاں لانے کی کیا ضرورت ہے؟ مالک نے جواب دیا میرا مقصد یہ ہے کہ میں ہر جنگجو کے پیچھے اس کے عیال اور مال کو رکھوں تاکہ وہ ان کی حفاظت کے لئے دل لگاکر لڑے اور انھیں کیلئے اپنی جان دیدے -اس پر درید نے کہا۔ کیا شکست پانے والے کو ان میں سے کوئی چیز لوٹا سکتی ہے؟ اس رائے سے باز آؤ کیونکہ اگر جنگ کا نتیجہ تمہارے حق میں رہا تو تلوار و نیزہ سے مسلح سپاہی کے سوا کوئی بھی تمہارے کام نہ آئے گا اور اگر یہ نتیجہ تمہارے خلاف رہا تو پھر اپنے مال وعیال میں تمہیں ذلت و رسوائی اُٹھانی پڑے گی۔ مگر مالک نے یہ نصیحت ماننے سے انکار کردیا اور درید کی رائے ٹھکرا دی پھر اپنے اطراف کے مجمع سے متوجہ ہو کر کہا:

اے جماعتِ ہوازن! یا تو تم میری کامل اطاعت کرو ورنہ میں اپنی اس تلوار پر بھروسہ کروں گا جو عنقریب میری کمر سے نکلے گی - حاضرین نے جواب دیا۔ ہم نے تمہاری اطاعت قبول کی -خود عبداللہ بن ابی حدرد نے مالک بن عوف کو اپنے ساتھیوں سے یہ کہتے ہوئے سُنا ہے کہ محمدؐ نے اس سے پہلے کبھی ایسی دلیر قوم سے جنگ نہیں کی ہے انھیں ناآزمودہ کار لوگوں سے واسطہ پڑا ہے جنھیں جنگ کا کوئی تجربہ نہ تھا اس لئے وہ ان پر غالب آگئے۔ صبح ہوتے ہی اپنے مویشیوں، عورتوں اور بیٹوں کو میدان جنگ میں اپنے ہمراہ رکھو پھر صف بندی کرو۔ حملہ کی ابتدا تمہاری طرف سے ہونی چاہئے اپنی تلواروں کی میانوں کو توڑ ڈالو اور بیس ہزار ننگی تلواروں سے ان پر اک دم جا پڑو اور سب مل کر

ایک شخصِ واحد کی طرح حملہ آور ہو اور خوب سمجھ لو کہ غلبہ اسی جماعت کو ہوتا ہے جو حملہ میں پہل کرتی ہے۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت عبداللہ بن ابی حدرد سے یہ تمام واقعات معلوم ہوئے تو آپ نے حضرت عمر بن خطاب رضؓ کو بلا کر یہ تمام واقعہ انھیں کہہ سُنایا اور اس معاملہ میں ان کی رائے طلب فرمائی۔ حضرت عمر رضؓ نے مشورہ دیا کہ یہ ضروری ہے کہ ہوازن کی طاقت کو خاطر میں لائے بغیر ان سے جہاد کے لئے فوراً کوچ فرمایا جائے۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضؓ کے مشورہ کو قبول فرمالیا۔ ادھر ہوازن نے اپنے فیصلہ پر عمل شروع کر دیا اور صبح ہوتے ہوتے وہ سب وادی حنین پر واقع بلند پہاڑی سلسلہ پر جمع ہو گئے ان کے پیچھے ان کی سب عورتیں۔ بچے اور تمام املاک تھیں۔ ادھر رسول اللہؐ بروز شنبہ بتاریخ ۶ر شوال ۸ھ م ۲۸ر فروری ۶۳۰ء مکہ سے باہر نکلے اور اہل مکہ بھی اپنی عورتوں سمیت سوار و پا پیادہ اور جن کا اسلام ابھی پختہ نہ ہوا تھا ان لوگوں کے ساتھ مل کر جو مدینہ سے مکہ کو فتح کرنے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آئے تھے آپ کی ہمراہ ہوازن سے جہاد کے لئے چلے اس لشکر کی مجموعی تعداد بارہ ہزار تک پہونچ گئی حتیٰ کہ یہ لوگ اپنی کثرتِ تعداد پر کچھ گھمنڈ کرنے لگے اور باہم ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ آج ہم تھوڑی سی جماعت سے ہرگز مغلوب نہ ہوں گے۔ راہ میں اک بہت بڑے سرسبز درخت پر سے گزر ہوا جس کے پاس مشرکین عرب ہر سال آتے اور طلبِ برکت کے لئے اس پر اپنے ہتھیار لٹکاتے تھے اور وہ اس درخت کو "ذات انواط" کہتے تھے۔ جب بعض اہل مکہ نے اسے دیکھا تو اپنی قدیم معتقدات کی طرف مائل ہوئے اور مختلف سمتوں سے پکارنے لگے یا رسول اللہ! ہمارے لئے بھی "ذات انواط" بنا دیجئے جیسا کہ فریق مخالف کے پاس "ذات انواط" ہے۔ یہ سن کر رسول اللہؐ نے فرمایا۔ اللہ اکبر۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں محمد کی جان ہے۔ تم نے اس وقت ایسی بات کہی ہے۔ جیسی موسیٰؑ کی قوم نے

ان سے کہی تھی:

اِجْعَلْ لَنَا اِلٰهًا کَمَا لَهُمْ آلِهَة - قَالَ اِنَّکُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ -

اے موسیٰ! ہمارے لئے بھی کئی معبود بنا دیجئے جیسے کہ کفار کے بہت سے معبود ہیں۔ حضرت موسیٰؑ نے فرمایا واقعی تم تو نری جاہل قوم ہو۔

یہ پرانی رسمیں ہیں اور تم ابھی تک پہلوں ہی کی رسم پر چل رہے ہو۔ یہ فرما کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انھیں لیکر آگے چلے حتیٰ کہ مقام حنینؔ کے قریب پہونچ گئے اس وقت شب نے اپنی ظلمت کے پردے ڈال دئے تھے۔ اس لئے سب سو رہے۔ جب صبح ہوئی تو یہ مجاہدین اپنی کثرتِ تعداد پر گھمنڈ اور مخالفین کی طاقت کی پرواہ نہ کرتے ہوئے وادی کی طرف روانہ ہوئے۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے سفید خچر پر سوار لشکر مجاہدین کے پیچھے پیچھے روانہ ہوئے۔ جبکہ حضرت خالد بن ولیدؓ بنی سلیم کے ساتھ آگے آگے چل رہے تھے ان حضرات نے حنین کی وادی کے ایک حصّہ کو عبور ہی کیا تھا کہ مخالفین نے اپنے طے شدہ نقشۂ جنگ کے مطابق ان پر دفعتہً برق آسا حملہ کر دیا اور مجاہدین کو نیزوں کی اَنی پر رکھنا شروع کر دیا۔

جبکہ مجاہدین ابھی فجر کے جھٹ پٹے اندھیرے ہی میں تھے کہ کفار نے انھیں پیچھے سے آگھیرا۔ یہاں خدا نے ان کے غرور پر ان کی گرفت کرنی چاہی کیونکہ انھوں نے کہا تھا کہ "آج ہم تھوڑی سی جماعت سے مغلوب نہ ہوں گے"۔ اس لئے انھیں بُری طرح شکست ہوئی اور وہ اس طرح پیچھے ہٹتے چلے گئے کہ کہیں جم ہی نہ سکے غالباً اس شکست میں ان نومسلم مجاہدین کا بھی ہاتھ تھا جنھوں نے رسول اللہؐ سے عرض کیا تھا کہ ہمارے لئے بھی ایک 'ذات انواط' بنا دیجئے جس سے "ابوسفیان بن حرب" بھی خوش ہوا اور اس نے اس شکست کو یوں بیان کیا کہ "شاید اب یہ فوج دریائے ورسے نہ رک سکے گی"۔

اسی طرح "شیبہ بن عثمان بن ابی طلحہ" نے بھی کہا تھا۔ "آج محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے میرا بدلہ اُتر گیا۔" اس نے یہ اس لئے کہا کہ اس کا والد غزوۂ احد میں قتل ہو گیا تھا۔ علیٰ ہٰذا "کلدہ ابن حنبل" نے کہا "اے لوگو! آج جادو بے اثر ہو کر رہ گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان تمام باتوں کا علم ہو گیا لیکن آپ نے ان باتوں پر بعد میں بھی کسی کو کوئی سزا نہیں دی۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قوم کی یہ حالت دیکھی تو اسلامی غیرت نے آپ کو گھیر لیا اور آپ باآواز بلند یہ نعرہ بلند فرمانے لگے۔

أَنَا النَّبِيُّ لَا كَذِب — میں سچا نبی ہوں اس میں کچھ بھی جھوٹ نہیں ہے۔

أَنَا ابْنُ عَبْدُ الْمُطَّلِب — میں عبد المطلب کا فرزند ہوں۔

اور اپنے چچا حضرت عباس سے جو بلند آواز والے تھے فرمایا کہ لوگوں میں منادی کر دیجئے کہ "اے حدیبیہ کے دن بیعت کرنے والے حضرات"

پس جس جس نے اس پکار کو سنا اس نے جواب میں کہا "لبیک لبیک" ہم حاضر ہیں ہم حاضر ہیں" اور بیتابانہ آپ کی طرف دوڑے یہاں تک کہ جب کوئی اپنے اونٹ کو روکنا چاہتا اور روک نہ سکتا تھا تو اپنی زرہ اپنی گردن میں ڈال کر اور اپنی تلوار و ڈھال ہاتھ میں لے کر اپنے اونٹ سے کود پڑتا اور اسے آزاد چھوڑ دیتا اور بے تحاشا اس آواز کی طرف چل پڑتا حتیٰ کہ رسول اللہؐ تک پہونچ جاتا۔ اسی طرح آنحضرتؐ کے گرد تھوڑی سی جماعت جمع ہو گئی۔ اس کو لیکر آنحضرتؐ نے لشکر اعداء پر جو وسط وادی میں تھا اکدم شدید حملہ کر دیا اور انھیں تلوار سے موت کے گھاٹ اُتارنا شروع کر دیا یہاں تک کہ وہ اپنے پیچھے اپنی عورتوں بچوں اور اموال کو چھوڑ کر بھاگنے پر مجبور ہو گئے جنھیں وہ اس لئے ساتھ لائے تھے کہ وہ ان کی حفاظت کے خیال سے شدید مقاومت کر سکیں گے لیکن خدا کی یہ مشیت ہوئی کہ یہ سب اموالِ غنیمت مسلمانوں کا حصہ ہوں۔ چنانچہ اس معرکہ میں

اموالِ غنیمت کا یہ حساب لگایا گیا تھا - بارہ ہزار اونٹ - چالیس ہزار بکریاں اور چار ہزار اوقیہ چاندی اور قیدیوں کی تعداد چھ ہزار تک پہونچی تھی - یہ سب اموال و قیدی رسول اللہؐ کی واپسی کے انتظار میں "جعرانہ" کے مقام پر بھیجدیئے گئے - رسول اللہؐ کی نظر میدانِ جنگ میں مشرکوں کے مقتول بچوں پر پڑی تو آپ کو بہت غصہ آیا اور مسلمانوں کو ان کے قتل سے سختی سے منع فرمایا - کسی صحابی نے عرض کیا کہ یہ تو ہمارے دشمن مشرکوں کے بچے ہیں - آپ نے فرمایا: اگرچہ دشمنوں ہی کے بچے کیوں نہ ہوں؟ پھر رسول اللہؐ کا گزر ایک مقتولہ عورت پر ہوا تو آپ نے فوراً حضرت خالدؓ کے پاس قاصد بھیج کر انھیں عورتوں اور خدام کے قتل کرنے سے منع فرما دیا اور رسول اللہؐ کا لشکر دشمنوں کے تعاقب میں روانہ ہوا اور اسے دور تک دباتا چلا گیا - ان میں کا کچھ حصہ بھاگ کر نخلستان میں جا چھپا تھا - جسے لشکرِ اسلام کے ایک دستہ نے ان کا تعاقب کر کے جا پکڑا اور باقی لشکر اپنے سپہ سالار مالک بن عوف کی سرکردگی میں پسپا ہو کر طائف پہونچ گیا اور وہاں جا کر قلعہ بند ہو گیا اور دوبارہ لڑائی کی تیاری کرنے لگا - رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں تک پہونچکر "وادی عقیق" میں خیمہ زن ہوئے اور دشمنوں کے قلعوں کو منجنیق سے اڑانا شروع کر دیا - کسی صحابی نے مشرکین کی اس جنگ میں دبابہ کے استعمال کا مشورہ دیا - یہ اک آلہ تھا جو کھالوں سے بنایا جاتا تھا فوجی ان میں بیٹھ کر ان کے سہارے دیواروں تک پہونچکر ان میں سوراخ کر دیتے تھے - رسول اللہؐ نے اس کا استعمال کرایا لیکن ان قلعوں کو مسمار کرنے میں کامیابی نہ ہو سکی -

جب محاصرہ پر بیس سے کچھ زائد دن گذر گئے اور نبی کریمؐ کا لشکر اس مقام سے اُکتا گیا نیز حنین کے لوٹے ہوئے اموال غنیمت کی تقسیم کے لئے واپسی کی خواہش کرنے لگا اور محاصرہ کے لئے طویل مدت درکار تھی تو ان وجوہ سے رسول اللہؐ نے محاصرہ اٹھا لینا اور مکہ کو واپس ہو جانا مناسب سمجھا اور آپ کو یہ یقین ہو گیا کہ یہ قبائل عنقریب خود کو آپ کے حوالہ کرنے پر مجبور پائیں گے - کیونکہ وہ آس پاس کے دوسرے تمام قبائل کے بائیکاٹ اور ان سے

علیحدگی کی صورت میں ہرگز زندگی بسر نہیں کر سکتے جن سے وہ ہر طرف سے گھرے ہوئے ہیں
چنانچہ رسول اللہؐ اپنے تمام ساتھیوں کو لیکر مکہ کی طرف لوٹے اور راہ میں "جعرانہ"
مقام پر ٹھہرے جہاں اموال غنیمت اور قیدی رکھے گئے تھے یہاں آپ نے یہ اموال مجاہدین
میں تقسیم فرمائے۔ اور اشرافِ قریش میں سے اپنے ان متبعین کو جو آخر میں مشرف باسلام
ہوئے تھے جیسے ابو سفیان بن حرب ان کے فرزند اور دوسرے نومسلموں کو ان کی تالیفِ قلوب
کی خاطر اموالِ غنیمت سے بطور خاص اتنا زیادہ حصہ عطا فرمایا جیسے ان لوگوں نے کبھی خواب
میں بھی نہ دیکھا تھا اور انصار کو اس مال میں سے کچھ بھی نہ دیا۔ اس پر بعض انصار نے
اپنے اپنے دلوں میں کہا کہ رسول اللہؐ اپنے لوگوں کی طرف جھک گئے۔ جب رسول اللہؐ کو
(الہام کے ذریعہ) اس کا علم ہوا تو آپ نے انصار کو جمع کر کے فرمایا۔ اے جماعت انصار! تم
نے جو کچھ کہا اور میری نسبت جو خیال تمہارے دلوں میں آیا وہ مجھے معلوم ہو گیا۔ کیا میں تمہارے
پاس نہیں آیا جبکہ تم گمراہ تھے پس (میرے ذریعہ) خدا نے تمہیں سیدھی راہ سجھادی؟ اور
تم فقیر تھے پس خدا نے تمہیں غنی کر دیا؟ اور تم ایک دوسرے کے دشمن تھے پس تمہارے
دلوں میں ایک دوسرے کی محبت ڈال دی؟ انصار نے جواب دیا بے شک۔ اللہ اور اس کا
رسول ہمیں بہت امان دینے والا اور بہت برتر و اعلیٰ ہے۔ پھر آپ نے فرمایا اے جماعت
انصار! کیا تم میری بات کا جواب نہ دو گے؟ عرض کیا یا رسول اللہ! فرمائیے ہم آپ کو کس بات
کا جواب دیں۔ بے شک اللہ اور اس کے رسول کا ہم پر بہت بڑا احسان و کرم ہے۔ تب
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کی قسم اگر تم چاہو تو یہ کہہ سکتے ہو اور تم اس قول
میں سچے بھی ہو کہ آپ ہمارے پاس جھٹلائے ہوئے آئے تھے لیکن ہم نے آپ کی تصدیق
کی۔ آپ رسوا ہو کر آئے تھے لیکن ہم نے آپ کی مدد کی۔ آپ ٹھکرائے ہوئے آئے تھے لیکن
ہم نے آپ کو پناہ دی۔ آپ بالکل مفلس ہو کر آئے تھے لیکن ہم نے آپ کی مالی مساعدت کی۔
اے گروہ انصار! کیا تم نے اس معمولی اور حقیر سی دنیا کو اپنے دل میں جگہ دے لی۔

جس سے میں نے اک قوم کی تالیف قلوب کا کام لیا تاکہ وہ پختہ مسلمان ہو جائیں اور تمہیں میں نے تمہارے پختہ اسلام کے حوالے کر دیا۔ اے گروہِ انصار! کیا تم اس پر راضی نہیں ہو کہ دوسرے لوگ تو اونٹ اور بکریاں لے کر جائیں اور تم خود رسول اللہ کو لیکر اپنے گھروں کو لوٹو؟ اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں محمد کی جان ہے اگر ہجرت نہ ہوئی ہوتی تو میں انصار ہی میں کا ایک فرد ہوتا اور اگر دوسرے لوگ کسی ایک طریقے پر چلتے اور انصار دوسرے طریقے پر تو میں انصار ہی کے طریقہ پر چلتا۔ اے اللہ تو انصار ان کی اولاد اور اولاد در اولاد سب پر رحم فرما۔ یہ خطبہ سن کر انصار اس قدر روئے کہ روتے روتے ان کی ڈاڑھیاں تر ہو گئیں اور سب نے یک زبان ہو کر عرض کیا ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تقسیم اور اس سعادت پر جو ہمارے حصہ میں آئی ہے بخوشی رضامند ہو گئے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مستقر پر تشریف لے گئے اور حاضرین سب منتشر ہو گئے۔ اس واقعہ کو تھوڑا ہی وقت گزرا تھا کہ ہوازن کا ایک وفد خدمت اقدس میں حاضر ہوا جس نے اپنے پورے قبیلہ کے اسلام کا اعلان کر دیا اور آپ کی کامل اطاعت کی پیش کش کی۔ پھر عرض کیا کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! ہم (اور ہمارے قیدی رفقاء) سب ہم جد اور ہم قبیلہ ہیں۔ ہمیں اس صورتِ حال سے جو دکھ پہونچا ہے وہ آپ پر پوشیدہ نہیں ہے۔ پس التجا ہے کہ آپ ہم پر احسان فرمائیں۔ اللہ آپ پر کرم فرمائے۔ پھر ہوازن میں سے ایک شخص اور اس کے بعد قبیلۂ بنی سعد بن بکر کے اک صاحب "زہیر ابو صرد" نامی شخص نے کھڑے ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! ان قیدیوں میں آپ کی پھوپھیاں۔ خالائیں اور آپ کو گود لینے اور پرورش کرنے والیاں بھی ہیں جو آپ کی پرداخت و کفالت کیا کرتی تھیں۔

اگر ہم حارث بن ابی شمر یا نعمان بن منذر کی پرورش کرتے پھر ان سے ہمیں وہ مشکل پیش آتی جو آپ سے آئی ہے تو ہم ان سے بھی مہربانی اور قیدیوں کی واپسی کی امید رکھتے اور آپ تو تمام پرورش پانے والوں میں سب سے افضل ہیں۔ ان قیدیوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کی دودھ شریک بہن "شیماء" بھی تھیں وہ بھی آپ کے سامنے آئیں اور آپ سے اپنا تعارف کرایا حتیٰ کہ آپ نے ان کو پہچان لیا ان کی تعظیم کے لئے کھڑے ہو گئے ان کے لئے اپنی چادر مبارک بچھا دی اور ان سے فرمایا۔ مانگئے کیا مانگتی ہیں۔ آپ کا سوال پورا کیا جائے گا سفارش کیجئے آپ کی سفارش قبول کی جائے گی۔ انھوں نے تمام قیدیوں کی عام معافی کی خواہش کی چنانچہ آپ نے سب قیدیوں کی معافی کا اعلان فرما دیا اور فرمایا کہ اگر آپ میرے پاس قیام کرنا پسند کریں تو دلی عزت و احترام کے ساتھ رکھی جائیں گی۔ اور اگر آپ اپنے کنبے میں واپس ہونا چاہیں تو آپ کو اختیار ہے انھوں نے دوسری صورت کو ترجیح دی پس آپ نے انھیں بہت سے اونٹ بکریاں غلام اور باندیاں دے کر رخصت فرمایا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہوازن سے سوال کیا کہ مالک بن عوف کا کیا ہوا؟ انھوں نے عرض کیا کہ وہ طائف میں ثقیف کے ہمراہ موجود ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جاکر مالک کو اطلاع دیدو کہ اگر وہ میرے پاس مسلمان ہو کر آگیا تو اس کے عیال و مال اسے واپس کر دوں گا۔ اور مزید برآں سو اونٹ بھی دوں گا۔ یہ سُن کر مالک حاضر خدمت ہوا۔ مالک کو قبیلۂ ثقیف سے اپنی جان کا خطرہ لگا ہوا تھا نیز یہ کہ اگر انھیں کہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس پیغام کا علم ہو گیا تو وہ اسے روک لیں گے۔ اس لئے اس نے اپنی اونٹنی کو تیار کرنے کا حکم دیا جو تیار کر دی گئی ساتھ ہی اپنے گھوڑے کو منگایا جو طائف میں اس کے پاس لایا گیا۔ چنانچہ اس نے رات کو گھوڑے پر سوار ہو کر اسے تیز دوڑایا حتیٰ کہ جس جگہ اپنی اونٹنی کو لاکر منتظر رہنے کو کہا تھا وہاں پہونچ کر اس پر سوار ہوا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مکہ یا جوانہ کے مقام پر حاضر ہو گیا آپ نے اس کے اہل وعیال اور اموال اسے واپس کر دئے اور حسب وعدہ مزید سو اونٹ عطا فرمائے۔

مالک مشرف باسلام ہوئے اور پختہ مسلمان ہوئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں انہی کی قوم کے مسلمانوں کا حاکم بنا دیا جو قبائل ثمالہ۔ سلمہ اور فہم پر مشتمل تھے۔

چنانچہ مالک ان کو لیکر ثقیف پر حملہ آور ہوئے اور ان کے مویشیوں کا جو گلہ نکلتا اسے تاخت وتاراج کرتے یہاں تک کہ وہ تنگ اور عاجز آ گئے۔

جب حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اموالِ غنیمت کو تقسیم اور قیدیوں کو واپس فرما چکے تو احرام باندھا اور عمرہ کے قصد سے مکہ کی طرف روانہ ہوئے۔ عمرہ سے فارغ ہو کر مدینہ واپس ہوئے اور عتاب بن اسید کو مکہ کا امیر مقرر فرما گئے اور ان کی ایک درہم یومیہ تنخواہ مقرر فرمادی ان کے ہمراہ حضرت معاذ بن جبل رضؓ کو بھی چھوڑ دیا تاکہ وہ لوگوں کو دینی مسائل کی تعلیم دیا کریں۔ ادھر مالک بن عوف رضؓ قبیلۂ ثقیف پر عرصۂ حیات تنگ کرتے رہے حتیٰ کہ کوئی کمین گاہ دہ تہ خانہ بھی انھیں محفوظ نہ رکھ سکا اور جب کبھی ان میں کا کوئی شخص باہر سر نکالتا فوراً قتل کر ڈالا جاتا اس نوبت پر بنو ثقیف کو یقین ہو گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کے سوا ان کے زندہ رہنے کی اور کوئی صورت باقی نہیں رہی چنانچہ انھوں نے یہ سوچ کر اپنی طرف سے پانچ افراد پر مشتمل ایک وفد کو اپنے اک معزز شخص "عبدیالیل" نامی کی سرکردگی میں خدمتِ اقدس میں روانہ کیا۔ یہ وفد ماہ رمضان ۹ھ م دسمبر ۶۳۰ء کو غزوۂ تبوک کے بعد مدینۂ منورہ میں حاضر ہوا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وفد کا شایانِ شان احترام فرمایا اور مسجد کے ایک کونہ میں ان کے قیام کے لئے ایک خاص خیمہ نصب کرادیا۔ اراکینِ وفد نے آنحضرت ؐ کے سامنے اس شرط پر پورے قبیلہ کے اسلام لے آنے پر رضامندی ظاہر کی کہ ان کے بڑے بُت (لات) نامی کو تین سال تک نہ توڑا جائے۔ بلکہ موجودہ حالت ہی پر باقی رہنے دیا جائے نیز ان سے نماز معاف فرمادی جائے۔ رسول اللہ ؐ نے ان دونوں شرطوں کو ماننے سے انکار فرما دیا۔ پھر طویل بحث ومباحثہ کے بعد وہ لوگ اس شرط پر مسلمان ہونے اور نماز کی پابندی کرنے پر راضی ہو گئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ہاتھوں ان کے بتوں کو توڑنے سے معذور رکھیں۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ کسی دوسرے کو بھیج کر انھیں تڑوا ڈالیں اس پ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم راضی ہو گئے اور عثمان بن عاص کو جو اس وقت کمسن تھے ان کا امیر مقرر فرمایا یہ وہاں کی امارت سنبھالنے کے لئے ان سب کے ہمراہ طائف روانہ ہوئے۔ روانگی کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں حسب ذیل ہدایت فرمائی:

تَجَاوَزْ فِی الصَّلٰوۃِ وَقَدِّرِ النَّاسَ	نماز کو مختصر اور آسان کرنا اور کمزوروں کا
بِاَضْعَفِہِمْ فَاِنَّ فِیْہِمُ الْکَبِیْرَ وَالصَّغِیْرَ	لحاظ رکھنا کیونکہ نمازیوں میں بڑے چھوٹے کمزور
وَالضَّعِیْفَ وَذَا الْحَاجَۃِ -	اور کاروبار والے ہر قسم کے افراد شریک ہوتے ہیں۔

وفد و امیرِ وفد کی رخصت کے بعد ابوسفیان اور مغیرہ بن ابی شعبہؓ کو "لات" نامی بُت کو منہدم کرنے کے لئے روانہ فرمایا۔ جو ثقیف کے بتوں میں سب سے بڑا بُت تھا۔ چنانچہ مغیرہ نے اسے منہدم کر دیا اور ثقیف کی عورتیں کھڑی حسرت سے روتی رہیں لیکن کسی کو اس بُت کے قریب آنے اور خود اسے توڑنے کی جرأت نہ ہوئی۔ اس طرح تمام اہل طائف کے اسلام لے آنے سے پورے ملک حجاز کا اسلام مکمل ہو گیا۔

حق تعالیٰ نے اکثر مقامات پر فتح و نصرت عطا فرما کر اپنے خاص بندوں پر اپنا احسان عظیم فرمایا۔ ساتھ ہی اپنی کثرت تعداد پر غرور کرنے کی وجہ سے غزوۂ حنین میں ان کی شکست کی طرف بھی اشارہ فرما دیا اور یہ بھی ظاہر فرما دیا کہ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ثابت قدمی اور اس کثرت کی شکست کے بعد جس پر وہ ناز کرتے تھے اور اس کی تاثیر کے دھوکہ میں مبتلا ہو گئے تھے۔ انجام کار ان کی مدد فرمائی چنانچہ آیت ذیل میں اسی واقعہ کا ذکر فرمایا گیا ہے:

لَقَدْ نَصَرَکُمُ اللّٰہُ فِیْ مَوَاطِنَ کَثِیْرَۃٍ	حق تعالیٰ نے تمہاری بہت سے مواقع پر مدد
وَّیَوْمَ حُنَیْنٍ اِذْ اَعْجَبَتْکُمْ کَثْرَتُکُمْ	فرمائی خاص طور سے معرکۂ حنین کے دن جبکہ تمہاری
فَلَمْ تُغْنِ عَنْکُمْ شَیْئًا وَّضَاقَتْ	کثرت تعداد نے تمہیں غرور میں مبتلا کر دیا تھا لیکن
عَلَیْکُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ	کوئی چیز بھی تمہارے کام نہ آسکی اور زمین اپنی

وَلَّيْتُمْ مُّدْبِرِيْنَ - ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا وَعَذَّبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ -

پ ۱۰ - ع ۱۰

وسعت کے باوجود تم پر تنگ ہوگئی پھر تم شکست کھاکر پیچھے بھاگنے لگے - زاں بعد خدانے (اپنے فضل سے) اپنے رسول اور مومنوں پر اپنی طرف سے سکون وطمانینت نازل فرمائی اور نظر نہ آنے والا تائیدی لشکر بھیجکر کافروں کو مبتلائے عذاب کیا اور کافروں کی یہی سزا ہوا کرتی ہے -

جنگِ روم کی تیاری

حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آخر ذی قعدہ ۸ھ میں مکّہ سے مدینہ واپس ہوئے اور اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر پیداوار کا دسواں حصّہ بطور زکوٰۃ اور عقیدۂ شرک پر باقی رہنے والے عربوں پر خراج فرض فرما دیا تھا پس آپ نے اس فریضہ کے نفاذ اور خراج کی وصولی پر عمل شروع فرما دیا اور جو ان واجبات کی ادائی سے انکار کرتا اس کے مقابلہ کے لئے آپ تادیبی فوجی دستے بھیجتے۔ سات ماہ تک آپ اسی میں مشغول رہے اسی اثناء میں آپ بعض حوادث اور داخلی مشکلات مثلاً اپنی صاحبزادی حضرت زینب کی وفات۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ولادت اور ازواج مطہرات کے اختلافات سے دو چار رہے۔ اسی حال میں آپ اک عظیم الشان قلبی کوفت محسوس فرماتے رہے وہ یہ کہ غزوۂ موتہ سے مسلمان فوجوں کو بچا کر نکال لانے کی وجہ سے مسلمانوں کو جو ذلّت اُٹھانی پڑی تھی اور جس نے قریش کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جنگی قوت کو حقیر سمجھتے ہوئے آپ سے اس عہد شکنی پر آمادہ کر دیا تھا جو انجام کار (کفّار کے برعکس مسلمانوں کی تائید میں) فتح مکّہ کا باعث بنی۔ پھر بھی آپ سابقہ سُبکی کے خیال سے متفکر رہنے لگے اور اگرچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دشمن کی مہیب و مہلک قوت و تعداد کے سامنے جن کا رسول اللہؐ کو پہلے سے علم نہ تھا۔ اسلامی لشکر کو صحیح سالم نکال لانے پر حضرت خالد بن ولیدؓ کی اصابت رائے اور حسنِ تدبیر کی قدر فرمائی تھی۔ تاہم اس طرح

فوجوں کو ہٹا لانے میں رومی دشمنانِ اسلام کی نظر میں اسلام کی عظمت کو جو ٹھیس لگی تھی اس کی کسک آپ کے دل سے دور نہ ہوئی تھی۔ اسی لئے اس وقت اس ذلت کو مٹانے کی ضرورت جتانے کے لئے آپ نے حضرت خالدؓ اور ان کے باقیماندہ لشکر کے متعلق مقولۂ ذیل میں اک اشارہ فرما دیا تھا:

بَلْ هُمُ الْكَرَّارُونَ۔ بلکہ وہ آیندہ پھر حملہ آور ہونے والے ہیں۔

اور آیندہ چل کر آپ کو جو باعزت کامیابی نصیب ہوئی گویا وہ بھی آپ کی نظر میں لوگوں کے دلوں سے اسلامی لشکر کی اس واپسی کے اثر کو زائل کر دینے کے لئے کافی نہ تھی۔ کیونکہ آپ کے نزدیک جزیرۂ عرب پر آپ کا تسلّط کافی نہ تھا اور آپ کی نظر میں اس کی اتنی اہمیت نہ تھی جتنی اللہ اس کے رسول اور مؤمنین کی عزّت و سربلندی کی اہمیت تھی اور یہ عزّت روم کے مقابلہ میں مسلمانوں کے پیچھے ہٹ جانے کی وجہ سے اہل روم کی نظر میں مخدوش و مجروح ہو چکی تھی۔ غالباً یہی وہ احساس تھا جو فتح مکہ کی راہ ہموار کرنے والے اسباب کے حصول اور اسلام کے بدترین دشمن قریش پر کامیابی حاصل کرنے کے باوجود مدینہ کو واپسی کے وقت سے آپ کے فکر و ذہن کو متأثر اور آپ کی نیند کو حرام کئے ہوئے تھا۔ ان جذبات سے مغلوب ہو کر آپ نے اپنی عادت کے خلاف اپنی روم سے جنگ کرنے کی خواہش کا اعلان عام فرما دیا تاکہ تمام عالم میں یہ خبر پہونچ جائے اور اگر اہل روم میں طاقت ہو تو وہ آپ سے مقابلہ کے لئے تیار ہو جائیں۔ حالانکہ اس سے پہلے آپ کا ہمیشہ یہ طریقہ کار تھا کہ جب آپ کسی طرف کوچ کا ارادہ فرماتے تو اسے ظاہر نہ فرماتے تھے بلکہ جدھر کا قصد ہوتا اس کی دوسری طرف اشارہ فرماتے تھے کیونکہ آپ غایت درجہ رازداری برتنا چاہتے تھے۔ لیکن اس مرتبہ آپ نے کھلم کھلا اپنے عزم کو بیان فرما دیا اور مسلمانوں کو اک دشوار گزار مسافت اور راہ جہاد میں پیش آنے والے خطرات کے مقابلے کے لئے تیار ہو جانے کا حکم دیدیا ادھر مسلمان سابق میں غزوۂ موتہ میں لشکر کو پیش آنے والے

مصائب سے واقف ہی تھے۔

بظاہر یہ وقت حملہ کے لئے ناموزوں بھی تھا کیونکہ لوگ عام طور سے تہیدست تھے۔ موسم بے حد گرم تھا۔ ملک میں قحط سالی تھی۔ پھلوں کا موسم آنے والا تھا۔ لیکن غالباً آپ کو ان حالات سے فائدہ اٹھا کر اپنے متبعین کے قلوب کی آزمائش کرنی مقصود تھی چنانچہ آپ نے قبیلۂ بنوسلمہ کے اک شخص' جد بن قیس' سے فرمایا: اے جد! کیا روم کے ملک کی خبریں لا سکتے ہو؟ عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا آپ مجھے معذور رکھیں گے اور اس فتنہ میں مبتلا نہ فرمائیں گے؟ خدا کی قسم میری قوم اچھی طرح جانتی ہے کہ مجھ سے زیادہ کوئی شخص عورتوں کا دلدادہ نہیں ہے۔ مجھے ڈر ہے کہ روم کی حسین عورتوں کو دیکھ کر مجھ سے صبر نہ ہو سکے گا۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا خیال چھوڑ دیا اور فرمایا میں نے تمہارا عذر قبول کر لیا۔ اس پر فوراً یہ آیت نازل ہوئی:

وَمِنْهُمْ مَنْ يَقُولُ ائْذَنْ لِي وَلَا تَفْتِنِّي أَلَا فِي الْفِتْنَةِ سَقَطُوا۔ وَإِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيطَةٌ بِالْكَافِرِينَ۔	مسلمانوں میں بعض لوگ ایسے ہیں جو کہتے ہیں کہ مجھے معاف فرما دیجئے اور اس آزمائش میں مبتلا نہ کیجئے۔ خبردار رہو کہ یہ لوگ فتنہ میں تو مبتلا ہو چکے اور بلاشبہ دوزخ کفار کو گھیرے ہوئے ہے۔

یعنی اگرچہ اسے روم کی عورتوں کے فتنہ میں مبتلا ہونے کا صرف خطرہ ہی لاحق ہوا تھا ابھی ابتلا نہیں ہوا تھا مگر وہ اس سے کہیں زیادہ رسول اللہ کا ساتھ چھوڑنے اور خود بخود اپنے کو جہاد سے بچانے کے شدید فتنے میں ابھی سے مبتلا ہو گیا اور حق تعالیٰ نے فیصلہ فرما دیا کہ "دوزخ اس کے سامنے ہے"۔

اودھر منافقوں کی جماعت نے جہاد سے بچنے۔ حق و صداقت میں تردد کرنے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے لوگوں کو بدظن کرنے اور ان کے یقین کو متزلزل کرنے کی غرض سے ایک دوسرے سے یہ کہنا شروع کر دیا کہ "گرمی میں باہر نہ نکلو" پس ان کے متعلق

یہ آیت نازل ہوئی :

وَقَالُوا لَا تَنْفِرُوا فِي الْحَرِّ ۔ قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ اَشَدُّ حَرًّا لَوْ كَانُوا يَفْقَهُوْنَ فَلْيَضْحَكُوا قَلِيلًا وَلْيَبْكُوا كَثِيرًا جَزَاءً بِمَا كَانُوا يَكْسِبُوْنَ ۔	منافقین کہتے ہیں کہ گرمی میں باہر مت نکلو۔ ان سے کہہ دیجئے کہ اگر وہ سمجھدار ہوتے تو سمجھتے کہ دوزخ کی آگ اس گرمی سے کہیں زیادہ شدید گرم ہے پس انھیں اپنے بُرے اعمال کے نتیجہ میں ہنسنا کم چاہئے اور رونا زیادہ چاہئے ۔

اسی دوران میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر ملی کہ کچھ منافقین "سویلم یہودی" کے گھر میں جمع ہو کر لوگوں کو غزوۂ تبوک میں جانے سے روک رہے ہیں۔ اس خبر پر آپ نے "طلحہ بن عبید اللہ" کو چند صحابہ کے ساتھ ان کی طرف بھیجا اور حکم دیا کہ سویلم کا گھر پھونک آئیں چنانچہ حضرت طلحہ نے اس حکم کی تعمیل کر دی ۔

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگی تیاری کو مکمل کرنے کا حکم دیا اور مالداروں کو مصارف جہاد میں چندہ دینے اور لشکری تیاری کی ضروریات میں ہاتھ بٹانے کی طرف رغبت دلائی ۔ چنانچہ مسلمانوں نے اس تحریک میں دل کھول کر حصہ لیا۔ صرف حضرت عثمان بن عفان رضؓ نے اپنی دولت میں سے ایک ہزار دینار دئے ادھر مجاہدین غیر معمولی تعداد میں جہاد کے لئے جمع ہو گئے حتیٰ کہ سات افراد نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر درخواست کی کہ انھیں کسی سواری پر میدانِ جہاد میں لے جانے کا انتظام فرما دیا جائے آپ نے کافی سواریوں کے نہ ہونے کی بنا پر عذر فرمایا تو یہ لوگ اس معرکہ میں نہ جاسکنے کی حسرت پر روتے ہوئے واپس ہوئے ۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تیاری مکمل فرمالی تو ماہ رجب ۹ھ م اکتوبر ۶۳۰ء کو منافقین کی پوری جماعت کے پیچھے رہ جانے کے باوجود جن کا سردار عبداللہ بن ابی بن سلول تھا۔ آپ نے چالیس ہزار مخلص مجاہدین کو لیکر مدینہ منورہ سے کوچ فرمایا۔

مدینہ سے چودہ منزل طے فرماکر مقام تبوک پر پہونچکر پڑاؤ ڈالا جہاں کچھ عرصہ تک مقیم رہ کر اپنے دشمنوں کو جنگ کا چیلنج فرماتے اور عیسائیوں کو قبول اسلام ورنہ بصورت دیگر اطاعت کی دعوت دیتے رہے۔ چنانچہ یوحنا بن روبہ حاکم ایلہ نے جو شام کے سرحدی علاقہ کے عیسائی امراء میں سے ایک امیر تھا خدمت اقدس میں حاضر ہوکر آپ کی اطاعت قبول کرلی اور جزیہ ادا کرنے پر رضامندی ظاہر کردی۔

علیٰ ہذا ملک شام کے نواح میں واقع عمان کے اضلاع اذرح اور جرباء کے باشندوں نے بھی حاضر خدمت ہوکر آپ کی اطاعت اور جزیہ کی ادائی قبول کرلی۔ ان سب کو رسول اللہ ؐ نے امن کے وثیقے لکھ کر دیدئے۔ ان میں ایک کا مضمون یہ تھا جو یوحنا کو لکھکر دیا گیا تھا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ ھذہٖ اَمَنَۃٌ مِنَ اللّٰہِ ومحمدٍ النبیِّ رسولِ اللّٰہِ لِیُوحَنَّا بنِ رُوبَۃَ واَھلِ اَیلَۃَ سُفُنُھُم وسَیَّارَتُھُم فی البَرِّ والبحرِ لَھُم ذِمَّۃُ اللّٰہِ وذِمَّۃُ محمدٍ النبیِّ ومَن کانَ مَعَھُم مِن اَھلِ الشَّامِ واَھلِ الیَمَنِ واھلِ البحرِ۔ فَمَن اَحدَثَ مِنھُم حَدَثًا فَاِنَّہٗ لا یَحُولُ مالُہٗ دونَ نَفسِہٖ۔ واِنَّہٗ طَیِّبٌ لِمَن اَخَذَہٗ مِنَ النّاسِ واِنَّہٗ لا یَحِلُّ اَن یُمنَعُوا ماءً یَرِدُونَہٗ ولا طریقًا یُرِیدُونَہٗ مِن بَرٍّ اَو بَحرٍ۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ یہ اللہ اور اس کے رسول محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف سے یوحنا بن روبہ اور ایلہ والوں کے لئے امن کا وثیقہ ہے۔ خشکی وتری میں ان کی اور ان کے شامی یمنی اور ساحلی علاقہ کے رفقاء کی کشتیاں اور دوسری سواریاں، اللہ اور محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ذمہ داری اور پناہ میں ہیں اگر ان میں سے کسی نے معاہدہ کی کوئی خلاف ورزی کی تو اس کی جان کے عوض کوئی مالی فدیہ قبول نہ کیا جائے گا اور جس شخص نے بھی کسی معاہدہ شکنی کرنے والے کو پکڑ لیا اس کا مال اس کے لئے حلال ہوگا۔ نیز مسلمانوں کیلئے جائز نہ ہوگا کہ جس چشمہ سے یہ لوگ مستفید ہونا چاہیں یا خشکی وتری کے جو راستے سے آمد ورفت رکھنا چاہیں اسے ان پر بند کردیں۔

پھر حضرت خالد بن ولیدؓ کو چار سو بیس سواروں کا اک دستہ دیکر اس امیر کے چچازاد بھائی "اکیدر" کی طرف روانہ فرمایا۔ یہ شخص قبیلۂ کندہ کا اک عیسائی تھا جو قیصر روم کی طرف سے "دومۃ الجندل" کا حاکم تھا۔ آپ نے حضرت خالدؓ کو اسے حاضر خدمت کرنے کا حکم دیا۔ جب آپ وہاں پہونچے تو اسے اپنے بھائی "حسان" کے ہمراہ اپنے قلعہ کے باہر موجود پایا۔ حضرت خالدؓ نے فوراً اسے گھیر کر گرفتار کرلیا لیکن اکیدر مخالفت سے باز آگیا اس لئے انہوں نے اس سے صلح کرلی اور اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لاکر پیش کردیا جہاں اس نے اپنی اطاعت اور ادا جزیہ کی پیشکش کی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلوں کی طرح اسے بھی اس کی ذات اور اس کی قوم کے حق میں وثیقۂ امن لکھکر دیدیا۔

حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس تمام چیلنج کے باوجود "ہرقل" نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ کرنے کے لئے جرأت نہ کی اور آپ کے ان تصرفات پر بھی کوئی اعتراض نہیں کیا اس لئے اب آنحضرتؐ کے لئے تبوک سے واپسی کے سوا کوئی چارۂ کار نہ رہا خصوصاً اہل روم پر ان کی بستیوں میں جاکر کسی قسم کی زیادتی کرنا آپ کا مطمح نظر بھی نہ تھا بلکہ آپ کا اصلی مقصد صرف مسلمانوں سے ذلت وپستی کا داغ مٹانا اور ان کی عزت وسربلندی کو قائم فرمانا تھا اور آپ کا یہ مقصد ہرقل کے ماتحت سلاطین وامراء پہ جزیہ مقرر فرمانے اور پوری جنگی تیاری کے ساتھ خود قیصر کو جنگ کا چیلنج دینے اور نصف ماہ سے زیادہ مدت تک تبوک میں ٹھہرے رہنے سے حاصل ہوگیا تھا پس آپ سربلندی اور عزّ وافتخار کے ساتھ مدینہ کو واپس ہوگئے۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں پیش آنیوالے جنگی معرکوں میں یہ آخری معرکہ تھا۔ اس کے بعد ہی آپ کی خدمت میں پے درپے وفود کا تانتا بندھ گیا جو حاضر خدمت ہو ہو کر اپنے اپنے اسلام کا اعلان کرتے جاتے تھے اور بطیب خاطر حلقہ بگوش اسلام ہوتے جاتے تھے۔ پس اللہ کی طرف سے فریضۂ رسالت کی ادائی اور دعوت الٰہیہ کی اشاعت کی اس توفیق پر آپ بیحد مسرور وشادکام ہوئے۔

غزوۂ تبوک میں شرکت نہ کرنے والوں سے آپ کا معاملہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قوم کی عسرت و تنگ حالی ۔ گرمی کی شدت اور اک خوفناک و خونریز جنگ کے پیش آنے کی توقع پر بھی آپ کے احکام کی تعمیل اور آپ کی دعوت کی قبولیت میں ان کے باہمی مسابقت کے مظاہرہ سے بے حد مسرور و شادکام ہو کر تبوک کی طرف روانہ ہوئے ۔ مجاہدین کے شوقِ جہاد کا عالم یہ تھا کہ بعض ضعیف الحال مجاہدین جو اس معرکہ میں (سواری نہ ہونے کی وجہ سے) سفر پر قادر نہ ہو سکے وہ روتے ہوئے واپس ہوئے ۔ یہ وہ امر واقعہ ہے جو مجاہدین کے دلوں میں ایمان کے کامل استحکام اور دلوں سے موت کا خوف بالکل زائل ہو جانے کو ثابت کرتا ہے ۔

لیکن اس کے ساتھ ہی آپ اس گروہ کے موقف سے بیحد آزردہ خاطر تھے جو آپ کی ہمراہ میدانِ جہاد میں جانے سے بیٹھ رہا تھا اور جس نے آپ کے سامنے ایسے عذر گھڑ کر پیش کئے تھے جو عذر کہلانے ہی کے قابل نہ تھے بلکہ صرف ان کے ضعفِ ایمانی اور عقیدہ کے متزلزل ہونے کی دلیل تھے اور ان ہی لوگوں میں ان کا پیش رو سرگروہِ منافقین عبداللہ بن ابی بھی تھا ۔ تاہم رسول اللہ صلعم نے ان میں سے کسی پر عتاب فرمانا مناسب نہ سمجھا بلکہ مدینہ میں حضرت علی بن ابی طالب رضؓ کو اپنا نائب بنا کر چھوڑ گئے اس پر منافقین نے لوگوں میں بد گمانی پھیلانے کی غرض سے اک لغو الزام بیان کرنا شروع کر دیا وہ یہ کہ آنحضرت صلعم حضرت علیؓ کو اپنے اوپر بوجھ سمجھ کر اپنا بار ہلکا کرنے کی غرض سے یہاں چھوڑ گئے ہیں ۔ جب منافقین نے

یہ بات اُڑائی تو حضرت علی بن ابی طالب رضؓ ہتھیار بند ہو کر مدینہ سے نکل کھڑے ہوئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مقام "جرف" پر جا ملے اور عرض کیا کہ یا نبی اللہ! منافقین نے یہ افواہ اڑادی ہے کہ آپ نے مجھے بار سمجھ کر اور خود پر سے یہ بار اُتارنے کی غرض سے مجھے مدینہ میں چھوڑ دیا ہے۔

آپ ﷺ نے فرمایا انھوں نے غلط بیانی کی ہے ایسا نہیں ہے بلکہ میں نے تم کو اپنے متعلقین و اہل بیت پر نگران کار کی حیثیت سے چھوڑا ہے پس تم ابھی واپس ہو جاؤ اور میرے اور اپنے متعلقین میں میری قائمقامی کا فریضہ انجام دو۔ اے علیؓ! کیا تم اس پر راضی نہیں ہو کہ مجھ سے تمہارا تعلق ایسا ہی ہو جیسا کہ ہارون علیہ السّلام کا موسیٰ علیہ السلام سے تھا۔ بجز اس کے کہ میرے بعد کوئی اور نبی نہ ہوگا۔ پس حضرت علیؓ مدینہ منوّرہ کو واپس ہو گئے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے سفر پر روانہ ہو گئے حتیٰ کہ جب آپ (ذا اَوان) مقام پر پہونچے جو مدینہ سے ایک گھنٹہ کی مسافت پر واقع تھا تو آپ سے وہاں کے کچھ باشندے آکر ملے۔ جنھوں نے وہاں اک نئی مسجد اس خیال کے تحت بنائی تھی کہ یہ بیماروں اور ضرورتمندوں کیلئے نیز بارش و سرما کی راتوں میں مفید ہوگی اور آپ سے وہاں تشریف لے چلنے اور اس میں ان کی امامت فرمانے کی درخواست کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے اس قول سے دلگیر ہوئے کیونکہ اگر وہ واقعۃً مخلص ہوتے تو انھیں اس مسجد کی تعمیر پر فخر کرنے کی بجائے اس لشکر میں شرکت کی جلدی کرنی چاہئیے تھی لیکن آپ نے اسی وقت ان کی درخواست کو رد کر دینا پسند نہ فرمایا بلکہ یہ عذر فرما دیا کہ اس وقت آپ کو اک اہم سفر درپیش ہے اور آپ بیحد مشغول ہیں۔ یہ فرما کر آپ آگے روانہ ہو گئے اور اپنے دل میں انھیں بھی منافقین ہی کے گروہ میں شامل سمجھا۔ جب آپ کا وہ مقصد پورا ہو چکا جس کے لئے آپ نے یہ سفر اختیار فرمایا تھا اور "تبوک" سے اپنے اس عمل کی کامیابی پر جس نے غزوۂ موتہ میں مسلمانوں کی سابقہ ہزیمت کی ذلّت کا دھبّہ مٹا دیا تھا مسرور و خوشدل واپس ہوئے تو

حق تعالیٰ نے اس مسجد کی حقیقت اور ان وجوہ پر جن کی بنا پر اس کی تعمیر عمل میں آئی تھی آپ کو مطلع فرما دیا۔ چنانچہ اس سلسلہ میں جو وحی نازل ہوئی وہ درج ذیل ہے:۔

وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَّكُفْرًا وَّتَفْرِيْقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَاِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ مِنْ قَبْلُ ؕ وَلَيَحْلِفُنَّ اِنْ اَرَدْنَاۤ اِلَّا الْحُسْنٰى ؕ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ - لَا تَقُمْ فِيْهِ اَبَدًا ؕ لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ - فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ۔

پ ۱۱ - ع ۲

کچھ لوگ وہ ہیں جنھوں نے مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کفر و نفاق پھیلانے۔ مومنوں میں پھوٹ ڈلوانے اور خدا و رسول کے دشمن (ابو عامر راہب) کی تحریک سے جو ہمیشہ اللہ اور اس کے رسول کے خلاف نبرد آزما رہا ہے ایک نئی مسجد تعمیر کی ہے۔ وہ ضرور قسمیں کھائیں گے کہ ہمارا اس ملعونہ مسجد کی تعمیر سے بجز بھلائی کے کچھ اور مقصد نہیں ہے لیکن خدا گواہ ہے کہ وہ یقیناً جھوٹے ہیں۔ اس مسجد میں آپ کبھی بھی نماز کے لئے کھڑے نہ ہوجیئے کیونکہ مسجد قبا جس کی بنیاد روز اوّل سے تقویٰ و رضاء الٰہی پر رکھی گئی ہے وہ اس کی زیادہ مستحق ہے کہ آپ اس میں کھڑے ہو کر نماز پڑھائیں اس میں ایسے دیندار حضرات نماز پڑھتے ہیں جو دل سے پاک رہنے کی خواہش رکھتے ہیں اور اللہ بھی ایسے ہی پاکیزہ لوگوں کو دوست رکھتا ہے۔

آپ مدینہ کو واپسی کے اثنا میں جب مقام (ذی آوان) پر پہونچے تو مسجد والوں کو آپ نے انتظار میں پایا لیکن اس مسجد میں آپ سے نماز ادا فرمانے سے متعلق ان کی استدعا کو قبول فرمانے کی بجائے آپ نے اچانک اس مسجد کو منہدم کر دینے اور جلا دینے کا حکم صادر فرما دیا یہ سُن کر آپ کے صحابہ اپنی اپنی جگہ سہم گئے۔ یہ خدا کی طرف سے اپنے رسول کی فتح تھی کہ آپ کے سامنے ان کو رسوا کر دیا اور وہ جان گئے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی نیتوں پر آنحضرت ﷺ

کو مطلع فرمادیا ہے۔ شدتِ خوف و گھبراہٹ سے ان کی نیندیں اُڑ گئیں اور وہ ڈر کے مارے چھپ گئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا سفر جاری رکھا اور جب آپ مدینہ پہونچے تو وہ منافقین جنھوں نے آپ کی ہمراہ جانے سے معذرت کی تھی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور وہ اپنی کرتوت کی ندامت و پریشانی سے متاثر نظر آتے تھے۔ لیکن وہ اپنی غلطی کے اقرار اور اس سے توبہ کرنے کی بجائے نت نئے عذر چھانٹنے لگے اور انھیں صحیح باور کرانے کے لئے قسمیں کھانے لگے اور ان جھوٹی قسموں کے ذریعہ آپ کو مغالطہ میں رکھنا چاہا حتیٰ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی فطری اور طبعی رحمدلی و شفقت کی بنا پر ان اعذار کو قبول کرنے پر مجبور ہو گئے لیکن حق تعالیٰ نے ان کے یہ اعذار باطل قبول نہیں فرمائے کیونکہ ان کی قسمیں (نعوذ باللہ) خدا کو جھوٹا بنانے اور ان کے اس امر سے انکار کے مترادف تھیں کہ اللہ تعالیٰ ان کے ظاہر و باطن سب کو بخوبی جانتا ہے۔ پس خدا نے ان کے حق میں یہ وحی نازل فرمائی :-

يَعْتَذِرُونَ إِلَيْكُمْ إِذَا رَجَعْتُمْ إِلَيْهِمْ - قُلْ لَا تَعْتَذِرُوا لَنْ نُؤْمِنَ لَكُمْ قَدْ نَبَّأَنَا اللَّهُ مِنْ أَخْبَارِكُمْ وَسَيَرَى اللَّهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُولُهُ ثُمَّ تُرَدُّونَ إِلَىٰ عَالِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ سَيَحْلِفُونَ بِاللَّهِ لَكُمْ إِذَا انْقَلَبْتُمْ إِلَيْهِمْ لِتُعْرِضُوا عَنْهُمْ - فَأَعْرِضُوا عَنْهُمْ إِنَّهُمْ

مسلمانو! تمہاری غزوۂ تبوک سے واپسی پر جہاد سے غیر حاضر منافقین تمہارے سامنے اپنے اعذار پیش کریں گے۔ ان سے کہدیجئے کہ بہانے نہ بناؤ ہم تمہاری بات کا ہرگز یقین نہ کریں گے کیونکہ اللہ نے ہمیں تمہارے نفاق سے آگاہ فرمادیا ہے اور آیندہ بھی اللہ اور اس کا رسول تمہارے اعمال کو دیکھتا رہے گا پھر تم قیامت کے روز جوابدہی کے لئے اس خدا کے سامنے پیش کئے جاؤ گے جو چھپی اور کھلی ہر بات کا جاننے والا ہے، وہ تمہیں تمہارے پچھلے سب کرتوت بتادے گا عنقریب وہ تمہاری واپسی پر تمہارے سامنے قسمیں کھا کھا کر تمہیں

رِجسٌ وَّمَاْوٰهُمْ جَهَنَّمُ۔	اپنی صفائی کا یقین دلائیں گے تاکہ تم ان سے درگزر کرو۔
جَزَآءً بِمَا کَانُوْا یَکْسِبُوْنَ۔	سو تم انھیں ان کے حال پر چھوڑ دو وہ لوگ ناپاک ہیں اور
یَحْلِفُوْنَ لَکُمْ لِتَرْضَوْا	کفر و نفاق کے بدلے میں جو وہ دنیا میں کیا کرتے تھے
عَنْهُمْ۔ فَاِنْ تَرْضَوْا عَنْهُمْ	ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے یہ لوگ تمہیں اپنے سے راضی
فَاِنَّ اللّٰهَ لَا یَرْضٰی عَنِ	کرنے کے لئے قسمیں بھی کھائیں گے لیکن بالفرض اگر تم
الْقَوْمِ الْفٰسِقِیْنَ۔	ان سے راضی بھی ہوگئے تو اللہ تو ایسے فاسق لوگوں سے
پ ۱۱ - ع ۱	کبھی بھی راضی نہ ہوگا۔

یہ لوگ ہمیشہ اپنے نفاق پہ قائم رہے مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ ان سے بہتر معاملہ فرماتے رہے اور انھیں ان کے قلبی حال پر چھوڑے رکھا تاکہ کسی وقت ان کے ضمیر خود انھیں ملامت کریں اور وہ اپنے نفاق سے باز آکر اپنے دلوں کی اصلاح کرلیں اور اپنی غلطی سے توبہ کرلیں یہاں تک کہ جب ان کا سردار عبداللہ بن ابی بن سلول بیمار پڑا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود اس کی عیادت کو تشریف لے گئے اس پر وہ خوش ہوا اور اس نے آپ سے استدعا کی کہ اس کی موت کے بعد آپ اس کی نماز پڑھائیں۔ اس کی قبر پر تشریف لے جائیں اور اپنا پیرہن اسے عطا فرمائیں تاکہ اسے اسی کا کفن دیا جائے۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک عمدہ کرتا اس کے پاس بھیجدیا اس نے اسے واپس کردیا اور آپ کے جسد مبارک سے مس کیا ہوا مستعمل پیرہن طلب کیا چنانچہ آپ نے اس کے عطا فرمانے میں بھی بخل نہیں فرمایا۔ البتہ حضرت عمرؓ نے آپ کے اس فعل پر مزاحمت کی اور عرض کیا کہ اپنا کرتہ اس ناپاک کو نہ دیجئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا کہ میرا کرتہ اسے اللہ سے کچھ بھی فائدہ نہیں پہونچا سکتا لیکن مجھے یہ اُمید ہے کہ شاید میرے اس عمل سے خدا ہزاروں منافقوں کو اسلام میں داخل فرما دے۔

منافقین عبداللہ بن ابی سے کبھی الگ نہ ہوتے تھے جب انھوں نے دیکھا کہ وہ آپ سے

کرتہ مانگتا ہے اور اس سے آخرت میں فائدہ کی توقع بھی رکھتا ہے نیز رسول اللہؐ نے اس کے دینے میں کچھ بھی تردد نہیں فرمایا تو بہتوں نے نفاق سے توبہ کر لی۔ جب ماہ ذوالقعدہ ۹ھ میں وہ فوت ہو گیا تو اس کے بیٹے عبد اللہ بن عبد اللہ بن ابی نے حاضر خدمت ہو کر آپ سے اس کی نماز جنازہ پڑھانے کی درخواست کی یہ خود باپ کے فاسد عقیدہ کے برخلاف تھے بلکہ انھوں نے ہمیشہ منافقین کے ناقص اسلام کی اصلاح کی کوشش کی۔ مگر حضرت عمرؓ کھڑے ہو گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عبد اللہ کے جنازے کی نماز پڑھانے سے روکنا چاہا اور اسلام کی مخالفت میں اس کے واقعات کو گنوانا شروع کر دیا اور عرض کیا کہ بھلا اس اللہ کے دشمن کی میت پر آپ کس طرح نماز پڑھیں گے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ سب سن کر تبسم فرماتے جاتے تھے پھر تشریف لے گئے اور اس کی نماز پڑھائی۔

ایک روایت ہے کہ آپ نے حضرت عمرؓ سے فرمایا کہ مجھے اس بارے میں اختیار دیا گیا ہے پس میں نے اس صورت کو اختیار کر لیا۔ کیونکہ حق تعالیٰ فرماتا ہے:

اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ۔ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ۔	آپ منافقین کے لئے مغفرت مانگیں یا نہ مانگیں ان کے لئے برابر ہے۔ اگر آپ ان کے لئے ستر مرتبہ بھی مغفرت مانگیں گے تو حق تعالیٰ انھیں ہرگز نہیں بخشے گا۔

اور اگر مجھے یہ معلوم ہو جاتا کہ ستر مرتبہ سے زیادہ ان پر دعائے مغفرت کرنے سے ان کی بخشش ہو سکے گی تو میں بلاشبہ ستر مرتبہ سے بھی زیادہ ان کے لئے دعائے مغفرت کرتا۔

جب آپ اس کی نماز پڑھا چکے اور جنازہ کی ہمراہ تشریف لے گئے اور اس کی قبر پر بھی کھڑے ہوئے تو ان اعمال سے فراغت کے بعد ہی خدا کی طرف سے آئندہ

آپ کو ایسا کرنے سے منع فرما دیا گیا چنانچہ یہ آیت نازل ہوئی:

وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ ۗ اِنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَمَاتُوْا وَهُمْ فٰسِقُوْنَ۔

ان منافقین میں سے کوئی مر جائے تو آپ اس کی نماز جنازہ نہ پڑھائیں اور نہ اس کی قبر پر طلب مغفرت کے لئے کھڑے ہوں کیونکہ انھوں نے دل سے اللہ اور اس کے رسولؐ کو تسلیم نہیں کیا اور وہ حالتِ کفر پر ہی مرے۔

منافقین سے بچے مومنوں کے طرزِ عمل کے بارے میں یہ اک فیصلہ کن حکم تھا۔ عبداللہ بن ابی کی موت سے نفاق کا ستون منہدم ہو گیا اور دوسرے منافقین کے دل نفاق سے پاک صاف ہو گئے اور سب کو اس کا پورا پورا یقین ہو گیا کہ دلوں کی مخفی اور باطن کی پوشیدہ باتوں میں سے ادنیٰ چیز بھی خدا سے چھپی نہیں رہ سکتی۔

منافقین کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طرزِ عمل ایسا ہی تھا یعنی ان سے چشم پوشی۔ درگزر۔ ان کی اصلاح کا انتظار اور مختلف ذرائع کے استعمال سے انھیں راہ راست پر لے آنے کی جد و جہد۔

لیکن مخلص مومنین کے ساتھ آپ کا طرزِ عمل دوسرا ہی تھا۔ اور وہ ان کی برائی کی صراحت اس پر تنبیہ و سزا اور خاطی کو اس سے پاک وصاف کرنا تھا۔ چنانچہ مخلص صحابہ میں سے تین حضرات اپنے خاص دنیوی کاموں کی وجہ سے رسول اللہ کے ہمراہ آپ سے معذرت کئے بغیر تبوک جانے سے رہ گئے اور آپ کو بھی ان کے رہ جانے کا علم اثنا سفر ہی میں ہوا۔ یہ تین حضرات کعب بن مالک، مرارہ بن ربیع، اور ہلال بن امیہ تھے ان حضرات کا یہ فعل دراصل کسی بدنیتی یا ضعفِ ایمانی کی بنا پر نہ تھا لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بارے میں اپنے صحابہ سے فرمایا کہ تم میں سے کوئی بھی ان تینوں سے کوئی بات چیت نہ کرے (اور ان سے مکمل قطع تعلق کرے) جب رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ واپس تشریف لے آئے تو لوگوں نے ان سے قطع تعلق کر لیا۔ بات چیت اور راہ و رسم بند کر دی۔ مجبور ہو کر یہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے انھیں دیکھکر آپ نے اک غصہ آمیز تبسم فرمایا اور کعب سے فرمایا: قریب آؤ۔ چنانچہ جب وہ آپ کے حضور میں آ کر کھڑے ہو گئے تو آپؐ نے دریافت فرمایا کہ تم شرکتِ جہاد سے کیوں پیچھے رہ گئے؟

عرض کیا، یا رسول اللہ! خدا کی قسم ہے اگر میں آپ کے سوا کسی دنیا دار کے پاس ہوتا تو کوئی عذر بیان کر کے اس کے عتاب سے نجات پا لیتا کیونکہ مجھے خدا نے خوش بیانی کا ملکہ عطا فرمایا ہے۔ لیکن مجھے پورا یقین ہے کہ اگر آج آپ سے غلط بات بیان کر دوں تو آپ یقیناً مجھ سے راضی ہو جائیں گے لیکن حق تعالیٰ مجھ پر ضرور عتاب نازل فرمائے گا۔ اور اگر آپ سے صحیح واقعہ بیان کر دوں تو آپؐ اس میں مجھے مجرم قرار دیدیں گے۔ پس میں اس معاملہ میں حق تعالیٰ ہی سے اپنا فیصلہ چاہتا ہوں۔ خدا کی قسم ہے مجھے کسی قسم کا عذر نہ تھا۔ جب میں آپ سے پیچھے رہ گیا تو میں کافی تونمند اور فارغ البال تھا۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم نے یہ سب صحیح کہا اب تم واپس چلے جاؤ جب تک کہ حق تعالیٰ تمہارے حق میں کوئی فیصلہ صادر نہ فرما دے۔ پس، وہ چلے اور ان کی ہمراہ ان کے دونوں ساتھی، مرارہ بن ربیع، اور ہلال بن امیہ اور ان کے پیچھے قبیلۂ بنو سلمہ کے لوگ بھی ہو لئے۔ انھوں نے کعب سے کہا کہ تم اپنا عذر اس طرح پیش نہ کر سکے جس طرح دوسرے پیچھے رہنے والوں نے اپنا عذر پیش کر دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تمہارے لئے دعائے مغفرت کرنا کافی تھا۔ انھوں نے جواب دیا کہ میں خدا کی بخشش کا طلبگار ہوں۔ اس کے بعد سے یہ اور ان کے دونوں ساتھی لوگوں کی نظروں میں حقیر اور ان کے قطع تعلق کا نشانہ بنے رہے۔ خدا کی زمین اپنی وسعت کے باوجود ان پر تنگ ہو کر رہ گئی اور اپنی غلطی پر رنج و الم کی شدت کے اثر سے ان کے دل سینوں میں گھٹنے لگے

انھوں نے برابر استغفار کا ورد جاری رکھا حتیٰ کہ اسی حالت پر پچاس شبانہ روز گزرنے کے بعد رسول اللہؐ نے انھیں بلا بھیجا۔ جب کعب آپ کی خدمت میں آکر کھڑے ہوئے تو آپ نے فرمایا۔ اے کعب! جب سے تمہاری ماں نے تمہیں جنم دیا ہے اس وقت سے اب تک اپنے حق میں سب سے بہتر و افضل دن کی خوشخبری سُن لو۔

کعبؓ نے عرض کیا۔ کیا آپ کی طرف سے معافی ہوئی یا خدا کی طرف سے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں۔ بلکہ خدا کی طرف سے پھر حق تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ یہ تازہ آیت تلاوت فرمائی:

لَقَدْ تَابَ اللّٰہُ عَلَی النَّبِیِّ وَالْمُہَاجِرِیْنَ وَالْاَنْصَارِ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْہُ فِیْ سَاعَۃِ الْعُسْرَۃِ مِنْ بَعْدِ مَا کَادَ یَزِیْغُ قُلُوْبُ فَرِیْقٍ مِّنْہُمْ۔ ثُمَّ تَابَ عَلَیْہِمْ اِنَّہٗ بِہِمْ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ۔ وَّعَلَی الثَّلٰثَۃِ الَّذِیْنَ خُلِّفُوْا حَتّٰی اِذَا ضَاقَتْ عَلَیْہِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَیْہِمْ اَنْفُسُہُمْ وَظَنُّوْا اَنْ لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰہِ اِلَّا اِلَیْہِ ثُمَّ تَابَ عَلَیْہِمْ لِیَتُوْبُوْا اِنَّ اللّٰہَ

بے شک حق تعالیٰ نے اپنے نبی اور ان مہاجرین و انصار پر بڑا ہی فضل و کرم فرمایا جنھوں نے ایسی تنگی کے وقت جبکہ (شدتِ گرما اور زادِ راہ کی کمی کے باعث) بعض لوگوں کے دل جہاد پر جانے سے ہچکچا گئے تھے آپ کا اتباع کیا۔ پھر اُس نے انھیں ان نازک حالات کے باوجود ثابت قدمی اور جہاد کی توفیق سے سرفراز فرماکر ان پر خاص مہربانی فرمائی۔ بے شک وہ بہت مہربان اور بڑا رحم فرمانے والا ہے۔ اور جہاد سے رہ جانے والے ان تین صحابہ پر بھی اللہ نے اپنا فضل فرمایا جن کا فیصلہ خدا کے حکم پر موقوف رکھا گیا تھا حتیٰ کہ جب زمین اپنی وسعت کے باوجود ان پر تنگ ہوگئی اور ان کی جانیں بھی (قطع تعلق کی وجہ سے) ان کے سینوں میں گھٹنے لگیں اور انھوں نے خیال کرلیا کہ اب اللہ کے قہر سے اس کے سوا کہیں اور پناہ نہیں تو پھر

هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِیم ۔ اس نے مہربانی فرماکر انھیں توبہ کی توفیق بخشی جو
پ ۱۱ - ع ۳ قبول ہوئی بیشک حق تعالیٰ بڑا ہی توبہ قبول کرنے والا اور
بہت ہی رحم فرمانے والا ہے۔

یہ سُن کر کعب نے عرض کیا - خدا کی حضور میں میری توبہ یہ ہوگی کہ میں اللہ اور اس کے رسول کی حضور میں اپنا تمام مال صدقہ کے طور پر پیش کردوں گا - اس پر رسول اللہؐ نے فرمایا کچھ مال اپنے پاس رہنے دو کہ یہ تمہارے حق میں بہتر ہوگا ۔

کعب نے عرض کیا - یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) خدا نے میری راست گوئی کی بنا پر مجھے نجات عطا فرمائی ہے اور خدا سے میری توبہ یہ ہے کہ زندگی بھر سچ ہی بولتا رہوں گا ۔

پھر اس کے بعد وہ کہا کرتے تھے کہ خدا کی قسم ہے جب سے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے یہ عہد کیا تھا میں کسی ایسے شخص کو نہیں جانتا جسے حق تعالیٰ نے راست گوئی کے معاملہ میں ایسی سخت آزمائش میں ڈالا ہو - واللہ جب سے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے یہ عہد کرلیا تھا اس دن سے آج تک کبھی جھوٹ نہیں بولا - مجھے قوی اُمید ہے کہ خدا بقیہ زندگی میں بھی مجھے اس سے محفوظ رکھے گا اور اس آیت میں حق تعالیٰ نے ہمارے بعد میں رہ جانے کا جو ذکر فرمایا ہے وہ ہمارے جہاد سے پیچھے رہ جانے سے متعلق نہیں ہے ۔ بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان منافقین کے مقابلہ میں جنھوں نے آپ کے سامنے حلف اُٹھاکر اپنا عذر پیش کردیا تھا اور آپ نے ان کا عذر قبول بھی فرمالیا تھا ہمارے مسئلہ کا فیصلہ اس وقت ملتوی رکھنے اور خدائی فیصلہ کے انتظار پر محول رکھنے کا بیان فرمایا ہے ۔

ایک اہم واقعہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش کے مطابق ایک عظیم الشان اور پُر شوکت اسلامی مملکت کا وجود عمل میں آگیا اور آپ کی حسب منشا خانۂ کعبہ ان بتوں سے پاک و صاف ہو گیا جو اس کے اندر اور باہر نصب تھے اور جن کی وجہ سے کفار مختلف سمتوں سے بیت اللہ کا سفر کیا کرتے تھے تاکہ یہاں آکر ان معبودانِ باطل کی عبادت کے فرائض انجام دیں جنھیں وہ اللہ کا شریک سمجھتے تھے اور ان کی نسبت عقیدہ رکھتے تھے کہ وہ بیت اللہ میں موجود ہونے کی حالت میں ان کفار کو اللہ کا مقرب بنا دیں گے۔ لیکن رسول اللہؐ کا ان کو تڑوا دینا اور مومنوں کو غیر اللہ کی عبادت سے روک دینا۔ کفار کو اپنے عادی مذہبی رسوم کی ادائی کے لئے ان مقدس مقامات کی طرف رجوع ہونے سے منع نہیں کر سکتا تھا اور یہ صورت حال رسول اللہؐ اور ان کے سچے دین کے لئے ایک چیلنج تھی۔ کیونکہ اللہ جل شانہٗ نے جب اس مقدس مقام پر اپنی عبادت کے لئے ایک خاص گھر مخصوص فرما دیا تھا جس کی طرف ہر اس شخص کو آنے کی آزادی حاصل تھی جو اس کی عبادت کرنا چاہے اور اسے اپنی طرف آنے والوں کا ملجأ و مأمن قرار دیدیا تھا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام سے یہ وعدہ بھی فرمالیا تھا کہ وہ اس کے گرد و پیش کو طواف۔ اعتکاف اور رکوع و سجود کرنے کیلئے جسمانی و روحانی آلائشوں سے پاک صاف رکھے گا۔ پھر مشرک آئے اور انھوں نے اس خانۂ خدا میں بتوں کو نصب کر کے خدا کو چھوڑ ان کی پرستش شروع کردی اور یہ ان کا کھلا شرک تھا

جو توحید کے منافی تھا۔ پس اب کہ ان بتوں کو مسمار کر دیا گیا تھا تو یہ اس خانۂ کعبہ میں غیراللہ کی عبادت کے جاری رہنے کے کوئی معنی نہ تھے۔

جب یہ مسلم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی بنیاد ہی بُت پرستی سے مقابلہ اور صرف خدائے واحد کی عبادت پر قائم ہے تو یہ بات نامناسب و ناقابل فہم ہے کہ وہاں کسی صورت اور کسی سمت سے بھی جس پر آپ کا اقتدار قائم ہو چکا ہو خدا کے شرک کو برقرار رکھا جائے اور آپ کا دل کیونکر گوارا کر سکتا تھا کہ آپ مشرکین کو اپنی آنکھوں سے بحالتِ شرک خانۂ کعبہ کا حج ادا کرتے ہوئے اور مشرکانہ قبیح رسوم کو جاری رکھتے ہوئے دیکھتے رہیں۔

لیکن سوال یہ تھا کہ ان سب باتوں کے باوجود کفار کو اس سے روکنے کا کیا طریقہ ہو سکتا تھا جبکہ آپ اپنے اوپر یہ پابندی عائد فرما چکے تھے کہ آپ بیت اللہ کی زیارت کرنے والے کسی شخص کو بھی نہ روکیں گے اور محترم مہینوں میں کسی کو خائف و دہشت زدہ نہ ہونے دیں گے۔ علیٰ ہذا آپ کے اور بعض عرب قبائل کے درمیان معین و محدود مدتوں کے لئے بعض مخصوص معاہدے مزید برآں تھے۔ ان کے علاوہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بلا امتیاز و تفریق تمام انسانوں کی طرف بھیجے گئے تھے اور آزادی رائے اور عقائد و احساسات میں لوگوں سے کسی قسم کی مزاحمت نہ کرنا اور انھیں کوئی تکلیف نہ پہونچانا آپ کی شریعت کے اہم اساسی اصول میں داخل تھا۔ اس لئے آپ لوگوں کو اپنے اوپر ایمان لے آنے کے لئے کیونکر مجبور فرما سکتے تھے۔ دوسری طرف آپ اس پر بھی مامور تھے کہ شریعتِ اسلامی کے بانی اوّل اور اپنے جدِ اعلیٰ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ارشادات کی تعمیل فرمائیں جو بیت اللہ کے قرب و جوار میں ہر محسوس ہونے اور مشاہدہ میں آنے والی نجاست مثلاً بتوں کے وجود سے اسے پاک و صاف کرنے سے متعلق تھے۔ چنانچہ یہ بات حاصل ہو گئی اور یہ ظاہری ناپاکی مٹا دی گئی۔ رہا معنوی نجاست یعنی غیر اللہ کی

عبادت کو مٹا دینے کا ارشاد سوجھی ممکن تھا کہ مکہ مکرمہ کو صرف اللہ پہ ایمان لانے والوں اور اعتکاف و رکوع و سجود کرنے والوں کے لئے مخصوص فرمادیں جس کا آپ کو متعدد وجوہ سے پورا پورا حق پہونچتا تھا۔

ہم اس بارے میں اپنے تصورات کا خلاصہ ذیل میں پیش کرتے ہیں:۔

۱- اس لئے کہ بیت اللہ کے سامنے مومنوں کے دیکھتے سنتے جو غیر اللہ کے مذہب کے قائل نہیں غیر اللہ کی پرستش مومنوں کے لئے کھلا چیلنج- ان کے احساسات کو مجروح کرنے والا اور ان کی مذہبی آزادی میں وجہ رکاوٹ تھا- نیز مسلمانوں میں اپنے مذہب سے متعلق شکوک پیدا کرنے اور انھیں ان کے آبائی دین کی یاد دلاتے اور اس کی طرف متوجہ کرنے کا باعث ہو سکتا تھا۔

۲- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس زمین و آسمان کے مالک کے رسول کی حیثیت سے جس میں ہم زندگی بسر کر رہے ہیں یہ حق حاصل ہے کہ کوئی حصۂ زمین جس کے لئے مناسب سمجھیں اور جس غرض کے لئے مناسب سمجھیں مخصوص فرمادیں۔

۳- اس وجہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خدائے رب العالمین کی طرف سے تمام انسانوں کی طرف مبعوث ہوئے ہیں- آپ کے لئے لازم ہے کہ اپنے اوپر ایمان لانے والوں کے مذہبی احساسات اور ان کے دینی عقائد کی حمایت فرمائیں اور ان کے سوا دوسروں کی ہدایت کے وہ تمام ذرائع اختیار فرمائیں جو آپ مناسب سمجھتے ہوں اور جن میں ان کی سعادت دارین اور اخروی بھلائی کے مصالح مضمر ہوں۔

۴- اس لئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہر دو عالم کے پروردگار کی طرف سے تمام انسانوں کی طرف رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں آپ کا اہم فریضہ تھا کہ لوگوں کی کجروی کی اصلاح ان کے رب کے احکام کے سامنے انھیں جھکا دیں اور قرآن کریم میں خدائے نازل فرمودہ احکام کی تعمیل کرانے کے لئے ان کی عام اصلاحی تربیت

اور ان کی اصلاح کے تمام ممکنہ وسائل استعمال فرمائیں۔

۵۔ اس لئے بھی کہ شریعتِ نبویہ محض دینی شعائر کی حد تک محدود نہیں بلکہ وہ احکامِ الٰہی کا ایک مکمل مجموعہ ہے جو مشرکین کے رسوم و رواجات کے بالکل برعکس ہے اور ان کی ان قبیح رسوم کو مٹا دینا ازبس ضروری تھا جیسے کہ لڑکیوں کو زندہ دفن کر دینا اور دوسرے شدید ترین معاصی و جرائم کا مرتکب ہونا۔

اغلباً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذہن مبارک میں اکثر اس قسم کے خیالات گھومتے رہتے ہوں گے اور غالباً یہی خیالات اس سال یعنی ۹ھ میں آپ کے فریضۂ حج کی ادائی میں مانع رہے ہوں گے۔

اہل جاہلیت میں ایک یہ بھی رواج تھا کہ وہ ہر سال ذی الحجہ کے مہینہ میں حج کا زمانہ نہ رکھتے تھے۔ بلکہ ہر چھتیس سال میں ایک مرتبہ اس ماہ میں حج رکھتے تھے اس سال اتفاق سے حج ذی الحجہ کے مہینہ ہی میں واقع ہو گیا تھا۔ اس لئے خدا نے اسے 'حج اکبر' فرمایا۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اس کے سوا چارہ کار نہ تھا کہ آپ حضرت ابوبکرؓ کو اپنی طرف سے مسلمانوں پر امیر بنا کر روانہ فرما دیں جو مسلمانوں کے حج کا اہتمام و انتظام کریں۔ چنانچہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ مسلمانوں کو لیکر آخر ذی القعدہ میں حج اکبر کی ادائی کے ارادہ سے مدینہ سے روانہ ہوئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں حکم فرمایا کہ میری طرف سے حاضرین میں درج ذیل اعلان کر دیں:

یا اَیُّھَا النَّاسُ! اِنَّہٗ لَا یَدْخُلُ الْجَنَّۃَ کَافِرٌ وَلَا یَحُجُّ بَعْدَ الْعَامِ مُشْرِکٌ وَلَا یَطُوْفُ بِالْبَیْتِ عُرْیَانٌ وَمَنْ کَانَ لَہٗ عِنْدَ الرَّسُوْلِ عَھْدٌ فَھُوَ اِلٰی مُدَّتِہٖ۔	اے حاضرین! بلاشبہ نہ کوئی کافر جنت میں داخل ہو سکے گا اور نہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج کر سکے گا نہ ہی کوئی برہنہ شخص بیت اللہ کا طواف کر سکے گا اور جس کسی کا رسول اللہ سے کوئی معاہدہ ہو تو وہ اپنی مدت پر بغیر کسی توسیع کے ختم ہو جائے گا۔

اسی وقت وحی نازل ہوئی جس میں آپ کو خوش کرنے والی - آپ کے دل کو سکون بخشنے والی اور آپ کے اور خاص و عام سب مشرکین کے درمیان جو پیچیدگیاں تھیں انھیں ایک خاص وعدہ کے ذریعہ دور کرنے والی آیات نازل ہوئیں انہی میں حق تعالیٰ نے مشرکوں کو اس سال کے بعد سے حرم کعبہ کے داخلہ سے روک دیا تھا جبکہ آپ پر اوائلِ سورۂ توبہ کی چالیس سے زائد آیتیں نازل ہوئیں جو یہ ہیں:-

"جن مشرکین سے مسلمانوں نے عہد و پیمان کر رکھا تھا (ان کی عہد شکنی کی وجہ سے) یہ اللہ اور اس کے رسول ؐ کی طرف سے اس عہد سے دست برداری کی اطلاع ہے پس انھیں سُنا دیجئے کہ تم شوال تا محرم چار مہینے زمین میں جہاں چاہو امن کے ساتھ چلو پھرو - اور جان لو کہ اللہ جس وقت چاہے تمہیں سزا دے سکتا ہے تم اسے روک نہیں سکتے وہ کفّار کو یقیناً ذلیل و خوار کر کے رہے گا - یہ اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے حج اکبر کے دن سب لوگوں کی اطلاع کے لئے عام اعلان ہے کہ اللہ اور اس کا رسول مشرکین کے عہد معاہدہ سے دست بردار ہو چکے ہیں - پس اے مشرکو! اگر تم کفر و شرک سے توبہ کر لو تو یہ تمہارے لئے بہتر ہے اور اگر تم نے نہ مانا تو خوب جان لو کہ تم عذاب الٰہی کو کسی طرح بھی ٹال نہیں سکتے - ان کافروں کو ہولناک عذاب کی وحشت اثر خبر سنا دیجئے - البتہ جن مشرکین سے تم نے عہد کیا تھا اور انھوں نے نہ تو عہد شکنی کی اور نہ تمہارے خلاف کسی مخالف کی مدد کی ان سے معاہدہ کی مدّتِ معینہ تک عہد پورا کرو - بے شک اللہ عہد شکنی سے بچنے والوں کو محبوب رکھتا ہے - پھر جب حرمت والے مہینے گزر جائیں (یعنی بعد محرم) تو مشرکین کو جہاں کہیں پاؤ ان کا قتلِ عام شروع کر دو - انھیں گرفتار کر لو ان کا محاصرہ کر لو ہر سمت سے ان کی ایسی ناکہ بندی کر لو کہ وہ نکل کر نہ جا سکیں - پس اگر وہ توبہ کر کے پابندی سے نماز ادا کرنے لگیں اور زکوٰۃ دینے لگیں تو پھر ان سے کوئی تعرض نہ کرو - بے شک اللہ بڑا بخشنے والا اور رحم فرمانے والا ہے - اور اگر کوئی مشرک آپ کی پناہ کا طالب ہو تو اسے پناہ دیدیجئے تا کہ وہ اللہ کا کلام

اطمینان سے سن سکے پھر اسے بحفاظت اس کے ٹھکانہ پر پہونچا دیجئے۔ یہ رعایت اس لئے ہے کہ وہ لوگ ابھی اسلام کی حقیقت سے واقف نہیں ہوئے۔ بھلا اللہ اور اس کے رسول کے نزدیک مشرکین کے عہد و پیمان کا کیسے اعتبار ہو سکتا ہے (پس ان کے قتل میں تردد کی ضرورت نہیں ہے) البتہ جن سے تم نے مسجد حرام کے پاس عہد و پیمان کیا تھا (جیسے بنی کنانہ وغیرہ جنھوں نے عہد شکنی نہیں کی) جب تک وہ اپنے عہد پر قائم رہیں تم بھی ان سے اپنا عہد نبھاؤ بیشک اللہ پرہیز گاروں کو دوست رکھتا ہے۔ بھلا ان لوگوں کا عہد کیسے معتبر ہو سکتا ہے جبکہ حالت یہ ہو کہ اگر وہ تم پر غلبہ پالیں تو تمہارے بارے میں نہ تو رشتہ داری کا پاس کریں گے نہ عہد و پیمان کا کچھ لحاظ کریں گے۔ وہ صرف تمہیں خوش کرنے کو زبانی جھوٹے عہد کر لیتے ہیں مگر دراصل ان کے دل ان معاہدوں کے خلاف ہوتے ہیں۔ اس طرح ان میں کے اکثر بدعہد ہوتے ہیں۔ انھوں نے خدائی آیتوں کو بہت تھوڑی سی قیمت پر فروخت کر دیا اور دوسروں کو راہ حق سے روکنے لگے۔ ان کی یہ حرکت نہایت ہی مذموم ہے۔ وہ مومن کے بارے میں نہ تو رشتہ داری کا لحاظ کرتے ہیں اور نہ عہد و پیمان کا پاس کرتے ہیں یہی لوگ شرارت میں حد سے متجاوز ہیں۔ پس اگر وہ توبہ کر کے ادائے نماز و زکوٰۃ کی پابندی کرنے لگیں تو پھر وہ تمہارے دینی بھائی ہیں اور ہم اہل علم کے لئے اپنی آیتیں واضح طور پر بیان کرتے ہیں اور اگر وہ حلفیہ عہد و پیمان کے بعد اپنا عہد توڑنے لگیں اور تمہارے اسلام میں نکتہ چینی کرنے لگیں تو ایسے کفر کے سرغنوں سے ضرور لڑو کیونکہ ان کی قسموں کا کچھ اعتبار نہیں تاکہ وہ عہد شکنی سے باز آجائیں۔ کیا تم ان لوگوں سے نہیں لڑو گے جنھوں نے اپنی قسمیں توڑ دیں اور رسول اللہ کو مکہ سے نکالنے کی کوشش کی اور پہلی مرتبہ لڑائی کی ابتدا بھی انھوں نے ہی کی تھی کیا تم ان سے ڈرتے ہو؟ اگر تم پکے مومن ہو تو تمہیں تو صرف اللہ ہی سے ڈرنا چاہئے۔ مسلمانو! ایسے عہد شکن مشرکوں سے ضرور لڑو تاکہ اللہ انھیں تمہارے ہاتھوں ان کی عہد شکنی کی سزا دیدے اور تمہیں ان پر فاتح بنا کر انھیں دنیا میں ذلیل و خوار کر دے اور مسلمانوں کے سینوں کو

ٹھنڈا کر دے ان کے دلوں کا غصہ وغضب دور کر دے اور جو لوگ توبہ کر لیتے ہیں اللہ ان میں سے جس کی چاہے توبہ قبول فرما لیتا ہے اور اللہ سب کچھ جاننے والا اور حکمت و دانائی والا ہے۔ اے مسلمانو! کیا تم سمجھ رہے ہو کہ خدا تم میں سے جہاد کرنے والوں اور اللہ اس کے رسول اور مسلمانوں کو چھوڑ کر دوسروں کو دوست نہ بنانے والوں کو معلوم کئے اور اعمال کی کسوٹی پر پرکھے بغیر تمہیں یوں ہی چھوڑ دے گا۔ درحقیقت اللہ تمہارے اعمال سے بخوبی واقف ہے۔ مشرکین کو یہ حق نہیں پہونچتا کہ وہ کفر پر قائم رہتے ہوئے اللہ کی مسجدوں (خانہ کعبہ وغیرہ) کو آباد کریں کیونکہ ان کے تمام اعمال ضائع ہو چکے اور وہ ہمیشہ ہمیشہ دوزخ ہی میں رہا کریں گے۔ دراصل مسجدیں تو وہ لوگ ہی آباد رکھ سکتے ہیں جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان لے آئے۔ وہ نماز با جماعت ادا کرتے اور مال کی زکوٰۃ نکالتے رہتے ہیں اور خدا کے سوا کسی اور سے نہیں ڈرتے درحقیقت یہی لوگ راہ راست پر ہیں۔ کیا تم نے حجاج کو پانی پلانے اور مسجد حرام کو آباد رکھنے کو ایسا ہی قرار دے لیا ہے جیسا کہ ان مومنوں کا عمل جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان لائے اور انھوں نے راہِ خدا میں جہاد کئے۔ درحقیقت خدا کے نزدیک یہ دونوں ہرگز برابر نہیں ہو سکتے۔ اور خدا ظالموں کو راہِ راست پر نہیں لاتا۔ جن لوگوں نے ایمان قبول کر لیا اور دین کی خاطر اپنا وطن اور گھر بار چھوڑ کر ہجرت کی اور اپنے مالوں اور جانوں سے راہِ خدا میں جہاد کیا یقیناً اللہ کے نزدیک ان کے مرتبے بہت بلند و بالا تر ہیں اور وہی لوگ کامیاب ہیں۔ اللہ ایسے مخلص مسلمانوں کو ان پر اپنی رحمت کے نزول ان سے اپنی رضامندی اور ان کے لئے ان بہشتوں کی خوشخبری دیتا ہے جن میں ان کے لئے ہر طرح کی آسائش ہوگی اور جن میں وہ ہمیشہ ہمیشہ آباد رہیں گے۔ بے شک خدا کے یہاں نیک اعمال کا بہت بڑا اجر مقرر ہے۔ اے مسلمانو! تم اپنے ان والدین اور برادران سے بھی دوستی و تعلق نہ رکھو جو ایمان کے مقابلہ میں کفر کو پسند کرتے ہوں کیونکہ کافروں سے دوستی رکھنے والے بڑے ہی ظالم ہوتے ہیں۔ آپ مسلمانوں سے صاف صاف فرما دیجئے

کہ اگر تمہیں اپنے والدین۔ بیٹے۔ بھائی۔ بیویاں اور دوسرے رشتہ دار اور اپنی کمائی کی دولت اور اپنی تجارت جس میں تمہیں نقصان کا اندیشہ ہو اور اپنے رہائشی مکانات جنھیں تم پسند کرتے ہو اللہ اس کے رسول اور اس کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ عزیز ہوں تو عذاب الٰہی کا انتظار کرو (کیونکہ خدا و رسول کے مقابلہ میں ان چیزوں کو عزیز سمجھنا اللہ کی نافرمانی ہے) اور اللہ نافرمانی کرنے والوں کی ہدایت نہیں کرتا۔ یقیناً بہت سے مواقع خصوصاً غزوۂ حنین میں خدا تمہاری مدد فرما چکا ہے جبکہ تم اپنی کثرتِ تعداد پر بہت نازاں تھے لیکن یہ کثرت تمہارے کچھ بھی کام نہ آئی اور اللہ کی یہ زمین اپنی وسعت کے باوجود تم پر تنگ ہو کر رہ گئی اور تم پیٹھ پھیر کر میدانِ جنگ سے بھاگ نکلے۔ اس کے بعد اللہ نے اپنے رسول اور مسلمانوں پر اطمینان وتسکین نازل فرمائی اور آسمان سے وہ لشکر اُتارا جو تمہیں دکھائی نہ دیتا تھا اس طرح کفار کو عذاب میں مبتلا کر دیا اور درحقیقت کفار اسی سزا کے مستحق تھے۔ پھر اس سزا کے بعد خدا جس توبہ کرنے والے کی چاہے توبہ قبول کر لیتا ہے وہ بڑا بخشنے والا اور بہت مہربانی فرمانے والا ہے۔

اے ایمان والو! یاد رکھو کہ مشرک سرتا سر نجس اور پلید ہیں پس وہ آج کے بعد سے مسجد حرام کے پاس بھی نہ جانے پائیں اور اگر تمہیں ان کے روکنے کی وجہ سے تجارتی قطع تعلق کی بنا پر اپنی مفلسی کا اندیشہ ہو تو خاطر جمع رکھو کہ اگر اللہ نے چاہا تو وہ تمہیں اپنی خاص مہربانی سے غنی کر دیگا۔ بے شک وہ بڑا جاننے والا اور حکمت و تدبیر والا ہے۔ اور اہل کتاب میں سے جو لوگ اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اور ان کی حرام کی ہوئی چیزوں کو حرام نہیں سمجھتے اور سچے مذہب اسلام پر نہیں چلتے جب تک وہ ذلیل وخوار ہو کر جزیہ ادا کرنا منظور نہ کر لیں ان سے بھی برابر جہاد کرتے رہو۔ یہودی کہتے ہیں کہ حضرت عزیز اللہ کے بیٹے ہیں اور نصاریٰ کہتے ہیں کہ حضرت مسیح اللہ کے فرزند ہیں۔ یہ صرف ان کے منہ کی بات ہے اس کی کوئی دلیل موجود نہیں یہ ان کافروں کی سی بات ہے جو ان سے پہلے گزر چکے ہیں۔ انھیں خدا کی مار ہو یہ لوگ کدھر بہکے چلے جا رہے ہیں۔ ان بدبختوں نے اللہ کو چھوڑ کر اپنے عالموں اور پادریوں کو اپنا رب بنالیا ہے۔

حالانکہ خود ان کی کتابوں میں بھی انہیں صرف ایک خدا کی عبادت کا حکم دیا گیا تھا جس کے
سوا دوسرا کوئی معبود نہیں۔ وہ ذات شریک سے بالکل پاک اور مبرا ہے۔ کفار چاہتے ہیں کہ
اللہ کے نور (دینِ اسلام کے چراغ) کو اپنی پھونکوں سے بجھا دیں لیکن خدا کو یہ ہرگز منظور نہیں
وہ کافروں کی ناگواری کے علی الرغم بھی اپنے نور (یعنی دین اسلام) کو پورا پھیلاکر اور
درجۂ کمال تک پہونچا کر رہے گا۔ وہ وہی خدا ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دینِ حق
دیکر بھیجا تاکہ وہ اسے عالم کے تمام مذاہب پر غالب کردے خواہ مشرکین کو کتنا ہی ناگوار
کیوں نہ گزرے۔ اے ایمان والو! بہت سے یہودی عالم اور پادری جو لوگوں کے مال ناجائز طریقوں
(رشوت۔ غبن۔ خیانت۔ سرقہ وغیرہ) سے کھاتے ہیں اور لوگوں کو دینِ اسلام کے قبول
کرنے سے روکتے ہیں اور وہ لوگ جو سونا چاندی وغیرہ کی ذخیرہ اندوزی کرتے ہیں اور اسے
راہِ خدا میں صرف نہیں کرتے ان سب کو دردناک عذابِ الٰہی کی خبر سُنادو کہ انھیں سخت
عذاب ہوگا جس دن (روزِ قیامت) اس سونے چاندی کو دوزخ کی آگ میں تپاکر اس سے ان لوگوں
کی پیشانیوں پہلوؤں اور پیٹھوں کو داغا جائے گا اور ان سے کہا جائے گا کہ یہ وہی
مال ہے جسے تم نے اپنے لئے ذخیرہ کیا تھا پس آج اس ذخیرہ اندوزی کا مزہ بھی چکھ لو۔
بلاشبہ ازل کے دن سے جس میں اللہ نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا تھا اللہ کی کتاب
(لوحِ محفوظ) میں سال کے مہینوں کا شمار بارہ ہے جن میں سے چار مہینے بڑے ادب اور
احترام کے ہیں پس ان کے ادب واحترام کا لحاظ رکھنا ہی سیدھا دین ہے لہذا ان میں
جرائم کا ارتکاب کرکے اپنی جانوں پر ظلم وتعدی نہ کرو اور مشرکوں سے سب مل کر لڑو جیسا
کہ وہ سب مل کر تم سے لڑتے ہیں۔ اور جان لو کہ اللہ پرہیزگاروں کا ساتھی ہے بلاشبہ
حرمت والے مہینوں کو ان کے وقت سے آگے پیچھے ہٹا دینا (جیساکہ عرب جاہلیت کیا
کرتے تھے) ان کے ازدیادِ کفر کی دلیل ہے جس کی وجہ سے وہ کافر صحیح راہ سے بھٹکتے
رہتے ہیں جو ایک سال تو اسے اپنی جنگی اغراض کے لئے حلال سمجھتے ہیں اور دوسرے سال

اسے حرام سمجھ لیتے ہیں تاکہ اس طرح اللہ کے مقرر کردہ حرمت والے مہینوں کی گنتی پوری کر دیں۔ پس جس مہینے کو اللہ نے حرام کیا ہے اسے وہ حلال کر لیتے ہیں ان کے یہ بُرے اعمال انھیں بہت بھلے معلوم ہوتے ہیں اور خدا ایسے سرکش کفار کو راہِ راست نہیں دکھاتا۔

اے مسلمانو! تمھیں کیا ہو گیا ہے کہ جب تمھیں (غزوۂ تبوک میں) راہِ خدا میں جہاد کے لئے نکلنے کو کہا گیا تو تم اپنی زمین پر ایسے بھاری بن گئے کہ وہاں سے تمھیں حرکت کرنا دشوار ہو گیا۔ کیا تم نے دنیا کی فانی اور ہیچ زندگی کو آخرت کی ابدی زندگی پر ترجیح دے لی ہے؟ سو تمھیں معلوم ہونا چاہیئے کہ آخرت کے نفع کے مقابلہ میں دنیوی نفع بالکل ہیچ اور بے حقیقت ہے۔ اگر تم (غزوۂ تبوک میں) جنگ کے لئے باہر نہ نکلو گے تو اللہ تمھیں سخت عذاب دے گا اور تمھارے بدلے تمھارے سوا دوسرے لوگ پیدا فرما دے گا جو اللہ و رسول کے فرمانبردار ہوں گے اور تم اللہ کو ذرا سا بھی نقصان نہ پہونچا سکو گے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اگر تم رسول اللہؐ کی مدد نہ کرو گے تو کچھ پرواہ نہیں۔ خدا خود آپ کی مدد اس وقت بھی کر چکا ہے جبکہ کافروں نے آپ کو مکّہ سے نکال دیا تھا اور آپ اپنے رفیقِ غار حضرت ابو بکرؓ کے دوسرے ساتھی تھے جبکہ یہ دونوں غار میں چھپے ہوئے تھے اور (کفّار کے ان کی تلاش میں غار کے دہانہ تک پہونچ جانے کی وجہ سے حضرت ابو بکرؓ کے بشری اضطراب پر) آپ اپنے ان ساتھی کی تسلّی کو فرما رہے تھے کہ تم کچھ فکر نہ کرو یقیناً اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ پھر اللہ نے آپ پر تسلّی و سکینت نازل فرمائی اور فرشتوں کے ایسے لشکروں سے آپ کی مدد فرمائی جنھیں تم دیکھ نہ سکے تھے۔ اس طرح اس نے کافروں کی بات ہیٹی کر دی اور واقعہ بھی یہی ہے کہ ہمیشہ خدا ہی کا بول بالا ہوتا ہے۔ وہ بڑا زبردست حکمت والا ہے۔ تمھارے پاس سامانِ جنگ ہو یا نہ ہو ہر حالت میں جہاد کا حکم ملتے ہی فوراً نکل کھڑے ہو اور اپنے مالوں اور جانوں سے جہاد میں حصّہ لو۔ اگر تمھیں کچھ سمجھ ہو تو تمھارے حق میں یہی بہتر ہے۔"

پ ۱۰ - ع - ۶ تا ۱۲-

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کے نازل ہوتے ہی فوراً حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بلایا اور انھیں حکم دیا کہ ابھی مکہ روانہ ہو جائیں وہاں پہونچکر جب سب لوگ قربانی کے دن منیٰ میں جمع ہوں تو ان سب کو یہ آیتیں پڑھ کر سنادیں اور ان میں عام اعلان کر دیں کہ کوئی کافر ہرگز جنت میں داخل نہ ہوگا - اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہ کر سکے گا اور نہ کوئی شخص عریاں ہو کر بیت اللہ کا طواف کر سکے گا - نیز جس کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی سابق معاہدہ ہو وہ مدتِ معاہدہ کے ختم ہوتے ہی ختم ہوجائے گا۔

یہ حکم سُنتے ہی حضرت علی رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کان چھدی اونٹنی پر سوار ہو کر مکہ کو روانہ ہوگئے اور راستہ میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے جا ملے حضرت ابوبکر رضؓ نے جب ان کو آتے دیکھا تو دریافت کیا کہ کیا حاکم ہو کر آئے ہو یا محکوم؟ حضرت علی رضؓ نے جواب دیا محکوم - پھر دونوں مل کر روانہ ہوئے - حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو حج کرایا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام سُنایا - رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کا لوگوں میں اعلان کیا اور انھیں سورۂ توبہ کی مذکورہ آیتیں پڑھ کر سنائیں اور حج سے فارغ ہو کر حضرت ابوبکر و علی رضی اللہ عنہما مدینہ منورہ کو واپس ہو گئے۔

پس اس سال کے بعد سے آج تک نہ تو کسی مشرک نے فریضۂ حج ادا کیا اور نہ ہی کسی شخص نے عریاں ہو کر بیت اللہ کا طواف کیا۔

منشورِ خداوندی

ہم یہ بیان کر چکے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کے نویں سال حج کے سفر سے خود رک گئے تھے کیونکہ مشرکین اس وقت تک برابر ان مقدس مقامات پر حاضر ہوتے اور وہاں اپنی وہ مذہبی رسوم ادا کرتے تھے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی خدائے واحد کی عبادت کے منافی ہوتی تھیں باایں ہمہ آپ ان کو اس سے منع نہیں فرما سکتے تھے اس لئے کہ آپ ان سے کئے ہوئے متعدد خاص و عام معاہدوں کی وجہ سے اس کے پابند تھے اس بنا پر حق تعالیٰ نے آپ پر سورۂ توبہ کی پہلی آیتیں نازل فرمائیں ان کے نازل ہوتے ہی آپ نے فوراً حضرت علیؓ کو مکہ کی طرف بھیجا اور آپ کو حکم دیا کہ وہ عین قربانی کے دن لوگوں کے سامنے اجتماع عام میں اس کا اعلان کر دیں اور سورۂ توبہ کی ان آیتوں کو انھیں سُنا دیں۔

چونکہ پورا قرآن خدا کی طرف سے تمام بنی نوع انسان کی طرف اک پیغام تھا اور سورۂ توبہ کی مذکورہ آیتیں خصوصیت سے اس عام اسلامی دعوت کے دورِ جدید کے آغاز کی حیثیت رکھتی تھیں جس کا مکہ میں وعظ و ارشاد سے آغاز ہو کر تیرہ سال تک جاری رہا پھر مدینہ کے زمانہ میں لوگوں کے معاملات میں فیصلہ فرمانے اور اس جدید و نوخیز اسلامی مملکت کے تحفظ و بقا کی خاطر مخالفین کی مدافعت کرنے نیز پیش آمدہ واقعات کو کبھی حسن تدبیر و نرمی اور کبھی دور اندیشی اور سختی سے سلجھانے کے سلسلہ میں اللہ کے احکام کے اجرا نے ایک نیا ہی رُخ اختیار کر لیا تھا۔ اس لئے جب بلاتخصیص تمام بنی نوع انسان میں اس دعوت

کو عام طور سے پھیلانے کا وقت آگیا تو آپ نے فرامین و خطوط کا سلسلہ شروع فرما دیا۔ چنانچہ سلاطین ۔ امراء ۔ سرکردہ زعما اور لیڈروں کے پاس خطوط بھیجکر انھیں اسلام کی دعوت دی اور بصورت انکار خدا کے عذاب سے ڈرایا ۔ جس شخص تک یہ تہدید پہونچ گئی اس پر حجت قائم ہو گئی پھر اس کے لئے اس کے سوا چارۂ کار نہیں رہا کہ وہ فوراً ہی آپ کا مطیع بن جائے اور آپ جاہلوں کے جہل اور سرکشوں کے انکار کی حد متعین فرمادیں ۔ بیت اللہ کی پاکی و تطہیر کا اعلان فرمادیں ۔ مشرکوں کو اس کے پاس آنے سے روک دیں ۔ توحید کا جھنڈا بلند فرمادیں اور اس جھنڈے کے نیچے پناہ نہ لینے والوں کی آہنی پنجہ سے سرزنش فرمائیں کیونکہ تمام انسان بلاتخصیص صرف اسی ایک خدا کے حقیر بندے ہیں جس نے اولاً انھیں پیدا فرمایا ۔ اور سیدھا پیدا فرمایا نیز انھیں عقل جیسی دولت سے سرفراز فرمایا تاکہ وہ اس عقل و سمجھ کی رہبری سے حیاتِ انسانی کا صحیح راستہ معلوم کرسکیں ۔ مزید برآں ان کے پاس اپنے خاص مقرب رسول بھی بھیجے جو اس صحیح منزل کی جانب ان کی رہبری فرمائیں نیز اسی مقصد کی تکمیل کے لئے قرآن کریم کو تمام انسانی ضروریات و معاملات سے متعلق اک ہمہ گیر عالمی دستور اور اک جامع و مکمل قانون کی حیثیت سے ان کے فائدے کے لئے نازل فرمایا ۔ اس لئے ان پر فرض ہو جاتا ہے کہ وہ سب کے سب اس کی طرف جھک جائیں اور برضا و رغبت اس کے مطیع و منقاد ہو جائیں اور ان میں سے جو شخص اس سے الگ تھلگ رہے گا اس پر اللہ کا فیصلہ نافذ کر دیا جائے گا ۔

پس ہر اس مسلمان پر جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان رکھتا ہو یہ لازم ہے کہ وہ اس کی کتاب کی تلاوت کرے اس کے احکام کا اتباع کرے اور اعلاء کلمۃ اللہ شریعتِ الٰہیہ کی تنفیذ اور اس کے دین کی حمایت و طرفداری میں اپنی جان و مال سے ہر قسم کی سعئ بلیغ اور جہاد کرے ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کافی وضاحت اور اعلان کے ساتھ پیغامِ ربانی

کی تبلیغ کا حق ادا فرمادیا۔ پھر اس عربی اُمت کی قیادت فرمانے اور حکومتِ الٰہیہ کی سیاست کو نافذ کرنے کی غرض سے مدینہ کی طرف ہجرت فرما گئے اور اب تمام عالم کو خدائے رب العالمین کی عبادت کی طرف جھکانے کا وقت آگیا پس حق تعالیٰ نے آپ پر سورۂ توبہ کی ابتدائی آیتیں نازل فرمائیں اور آپ لوگوں میں ان آیات کی تشہیر فرمانے لگے جس سے آپ کا مقصد انھیں صرف اپنے اس خاص دین کی طرف جھکانا یا اس کے احکام کا پابند بنانا ہی نہ تھا بلکہ آپ انھیں اس کی ہدایت فرماتے تھے کہ وہ خدا کی بخشی ہوئی عقل و فراست کو صحیح حقائق کے انکشاف میں استعمال کریں اور تحقیقی طور پر اللہ سے رابطہ و تعلق پیدا کریں نیز ہر امر میں اللہ جل شانہ کی طرف رجوع کریں تاکہ وہ ان کے معاملات سنوار دے اور ان کے حالات درست فرمادے آپ کا منشا کبھی بھی یہ نہ تھا کہ آپ انسانوں کو اپنا غلام بنالیں یا ان پر اپنی حکومت قائم فرمالیں بلکہ آپ کا مقصد صرف اتنا تھا کہ آپ بنی نوع انسان کو ماسوی اللہ کی پرستش سے نجات دلادیں جو ان معبودانِ باطل کی عبادت میں مبتلا تھے جو نہ انھیں کوئی فائدہ پہونچا سکتے تھے اور نہ خدا کے حضور میں ان کی شفاعت ہی کرسکتے تھے اور نہ ہی خدا سے انھیں بے نیاز کرسکتے تھے۔ نیز آپ کا مقصد یہ تھا کہ انھیں ان مہمل پابندیوں سے نجات دلادیں جو ان پر ان کے علماء نے عائد کر رکھی تھیں تاکہ وہ ان پر اپنا اقتدار قائم رکھیں اور انھیں ہر حالت میں اپنے ہی رحم و کرم اور اپنے ہی حکم کے تابع رہنے پر مجبور رکھیں۔

لیکن اس کے برعکس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تمام بنی نوع انسان میں دلی محبت کا بیج بو دینا اور سب انسانوں کو باہم بھائی بھائی بنا دینا چاہتے تھے جن میں نہ ہی کوئی تفوق و برتری رہے اور نہ ہی ان میں بغض و حسد کے زہریلے جراثیم باقی رہیں۔

اس بلند مقصد کے حصول کی راہ میں اگر آپ نے لوگوں کو اسلام کی دعوت دینے اور اور اپنی اطاعت اور احکام خداوندی کے اتباع کی طرف مائل کرنے میں کسی قسم کی شدت بھی اختیار فرمائی ہو تو اس میں ہرگز کوئی مضائقہ نہیں اور یہ عمل بھی آپ کی اجتہادی رائے سے

نہیں تھا بلکہ یقیناً اس خدائی حکم کے منشا کے عین مطابق تھا جو آپ کے مولیٰ اور تمام انسانوں کے پروردگار کی طرف سے آپ پر نازل ہوا تھا۔

سچ تو یہ ہے کہ ہر شخص بالکل آزاد ہے اور اسلام نے انتہائی شخصی آزادی کی ضمانت دی ہے کیونکہ وہ کہتا ہے کہ:

مَتَى اسْتَعْبَدْتُمُ النَّاسَ وَقَدْ وَلَدَتْهُمْ أُمَّهَاتُهُمْ أَحْرَارًا۔ — تم کب سے لوگوں کے شخصی غلام بن گئے حالانکہ تمہاری ماؤں نے تو تمہیں آزاد جنا تھا۔

لیکن شخصی آزادی کے یہ معنی بھی نہیں ہیں کہ کوئی شخص دوسرے کے حقوق پر چھاپہ مار کر دوسروں کے احساسات کو مجروح کر دے بلکہ یہ ضروری ہے کہ یہ آزادی اک خاص قانونی حدود کے دائرہ میں رہے ورنہ تو یہ شخصی آزادی اک عام غیر منظم لاقانونیت کی صورت اختیار کر لے گی۔ جس کی وجہ سے باہم ایک دوسرے کے ہلاک و قتال تک نوبت پہونچ جائے گی اسی وجہ سے حق تعالیٰ نے انسان کے لئے اک عام قانون نازل فرمایا اور سورۂ توبہ کی ابتدائی آیتوں کو لوگوں کے اللہ کی طرف رجوع ہونے کی بنیادی دفعات اور اجمالی قواعد کی حیثیت دی جن پر توحید پرست مؤمنوں اور مشرکوں کے درمیان معاملات و معاشرت کی بنیاد قائم فرما دی ہے۔ اس وجہ سے ان دفعات کا وسیع اور گہرا مطالعہ کرنا ضروری ہے تاکہ ہم پر اپنے پروردگار کا حکم اور اس خصوص میں اس کے ارشادات واضح ہو جائیں اور اسی اقتضاء حال کی بناء پر ہم نے سورۂ توبہ کی متعلقہ آیات کی مندرجہ ذیل وضاحت ضروری سمجھی۔

(بَرَاءَةٌ) بَرِیَٔ کا مصدر ہے جس کے معنی اجراء احکام اور فرمان کے ہیں۔

مِنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ اِلَى الَّذِيْنَ عَاهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ۔ — یعنی یہ فرمان اک نئے شرعی دستور پر مشتمل ہے جس کی دفعات حسب ذیل ہیں:

۱۔ (فَسِيْحُوْا فِي الْاَرْضِ) اے مشرکو! زمین میں آزادی کے ساتھ چلو پھرو (اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ) چار ماہ تک۔ اپنی جانوں پر کسی قسم کے خوف و خطرہ کے بغیر اس مدت میں مسلمان نہ تم سے

کوئی جنگ کریں گے نہ تمہیں کوئی اذیت پہونچائیں گے تمہیں اس مدت کے اندر یا تو اسلام میں داخل ہو جانے یا اگر تم بدستور شرک و نافرمانی پر اڑے رہے تو پھر خود کو قتل و عذاب کیلئے پیش کرنا ہوگا۔

۲۔ (وَاعْلَمُوْا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِی اللّٰہِ) یقین رکھو کہ تم خدا کو مجبور و بے بس نہیں بنا سکتے۔ کیونکہ تم اس کے زمین و آسمان میں سے کہیں نکل جانے کی قدرت نہیں رکھتے مگر حق تعالیٰ اگر چاہے تو وہ کسی خاص اہتمام و توجہ کے بغیر تمہیں اپنے احکام کے سامنے جھکا دینے کی پوری پوری قدرت رکھتا ہے۔ بایں ہمہ اس نے تمہیں آزادی رائے بھی عطا فرمائی ہے تاکہ تم اسلامی امن میں داخل ہونے یا دنیا میں مسلمانوں سے جنگ کرنے اور خدا سے شرک کے نتیجہ میں روز آخرت دوزخ میں داخل ہونے کو ترجیح دینے کے متعلق خود اپنی عقلوں کو حکم بناؤ اور اپنی آزادانہ رائے ظاہر کرو (وَاَنَّ اللّٰہَ مُخْزِی الْکٰفِرِیْنَ) اور بلاشبہ خدا قیامت کے روز کفار کو ضرور رسوا و خوار کرے گا۔

۳۔ (وَاَذَانٌ) اور ایسی بلند آواز سے جو سامعین کے کانوں کے پردے تک پھاڑ دے لوگوں کو اچھی طرح معلوم کرانے کے لئے۔

(مِنَ اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ اِلَی النَّاسِ) اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے تمام بنی نوع انسان کے لئے۔

(یَوْمَ الْحَجِّ الْاَکْبَرِ) حج اکبر کے دن جس میں اپنے اپنے عقائد و مسلک کے اختلافات کے باوجود ہر طبقہ کے لوگ جمع ہوتے ہیں اک عام اور واضح اعلان کیا جاتا ہے۔

(اِنَّ اللّٰہَ بَرِیْٓءٌ مِّنَ الْمُشْرِکِیْنَ وَرَسُوْلُہٗ) کہ اللہ اور اس کا رسول مشرکین کے سابقہ معاہدوں کی ذمہ داریوں اور ان کے خلاف توحید اعمال و معتقدات اور ان کی تمام خرافات وجاہلانہ رسومات اور شرک و گمراہی وغیرہ سے سرتاسر بیزار اور بری الذمہ ہیں۔

(فَاِنْ تُبْتُمْ) پس اگر تم نے اس تمام خرافات سے دلی توبہ کر لی اور اللہ کی طرف سے لائے ہوئے دین اسلام کو قبول کر لیا۔

(فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ) تو یہ دین و دنیا میں تمہارے لئے بہتر ہوگا کیونکہ اسلام کا بتایا ہوا صحیح راستہ ہی سعادت و کامرانی کا راستہ ہے۔

(وَإِن تَوَلَّيْتُمْ) اور اگر تم نے توبہ سے روگردانی کی (فَاعْلَمُوا أَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِي اللَّهِ) تو یہ سمجھ لو کہ تم اللہ کو عاجز نہیں کر سکتے بلکہ وہ اس پر قادر ہے کہ تمہیں مشکلات میں پھنسا دے اور اسی دنیا میں تم پر ایسی ایسی سختیاں اور مصائب نازل کر دے جو اس سے پہلے تم نے کبھی نہ دیکھی ہوں خواہ وہ تمہیں مسلمانوں کے ہاتھوں پہونچیں یا خود تم میں سے ایک کو دوسرے پر مسلط کر کے اور تم میں باہم جنگ و جدل کرا کر پہونچائی جائیں۔

(وَبَشِّرِ) اے محمد خوشخبری دیدیجئے (الَّذِينَ كَفَرُوا بِعَذَابٍ أَلِيمٍ) کفار کو اس دردناک عذاب کی جو ان پر عنقریب نازل ہونے والا ہے۔

(إِلَّا الَّذِينَ عَاهَدتُّم مِّنَ الْمُشْرِكِينَ ثُمَّ لَمْ يَنقُصُوكُمْ شَيْئًا وَلَمْ يُظَاهِرُوا عَلَيْكُمْ أَحَدًا) بجز ذمیوں کے یا ان مشرکین کے جن سے تم نے کوئی خاص معاہدہ کر لیا ہو کہ ان لوگوں پر تمہیں کسی قسم کے تشدد کا حق نہ ہوگا اور ان کے معاہدہ کی میعاد کے اندر تمہیں ان سے لڑائی کا کوئی حق نہیں پہونچتا۔

(فَأَتِمُّوا إِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ إِلَىٰ مُدَّتِهِمْ) پس جس مدت تک کا تم نے ان سے معاہدہ کر لیا ہے اس مدت کو ضرور پورا کرو۔

(إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ) بلاشبہ اللہ تعالیٰ ان پرہیزگاروں کو دوست رکھتا ہے جو پابندیِ معاہدہ کی رعایت رکھنے۔ معاہدہ شکنی نہ کرنے اور اک مرتبہ نظام اور مکمل انصاف و روا داری کا لحاظ رکھنے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں۔

۴۔ (فَإِذَا انسَلَخَ الْأَشْهُرُ الْحُرُمُ) جب حرمت والے وہ چار مہینے پورے ہو گئے۔ جس میں تم نے انھیں کوئی سا راستہ اختیار کرنے کی آزادی دے دی تھی مگر انھوں نے رضامندی کے طریقہ سے اسلام میں داخل ہونے کا اقدام کیا نہ وہ تم سے بھائی چارہ کے

تعلق پر رضامند ہوئے تو اس وقت وہ خطاکار و سرکش قرار دئے جائیں گے جنھیں ان کے پروردگار کے احکام کے سامنے جھکانے کے لئے قوت کے استعمال کے سوا دوسرا کوئی طریقہ باقی ہی نہیں رہا تب تمہارے لئے ان کا خون بہانا جائز ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو انھیں دردناک عذاب سے ڈرانے کا جو حکم دیا گیا ہے۔ عملی طور پر اس کا نفاذ ضروری ہے۔

(فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ) پس اب تم مشرکوں کو جہاں کہیں بھی پاؤ خواہ حل میں یا حرم میں ہر جگہ قتل کرنا شروع کردو (وَخُذُوْهُمْ) اور اگر تم مصلحت سمجھو تو انھیں قید کرلو (وَاحْصُرُوْهُمْ) اور اگر ان پر حملہ آور ہونے اور جنگ کرنے میں بھاری نقصان کا خطرہ ہو تو ان کا محاصرہ کرلو یہاں تک کہ وہ خدائی حکم ماننے پر اتر آئیں۔

(وَاقْعُدُوْا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ) اور ان کی تاک میں ہر گھات میں بیٹھو ان کی تمام حرکات و سکنات پر کڑی نظر رکھو اور انھیں اللہ کے دین کی اتباع پر مجبور کر دینے کے لئے تمام وسائل استعمال کرو (فَاِنْ تَابُوْا) اگر انھوں نے کلمۂ شہادت پڑھ کر شرک سے توبہ کرلی (وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ) اور وہ اسلام کے دو اہم فرائض یعنی پابندی نماز اور ادائے زکوٰۃ پر عمل پیرا ہوگئے۔ (فَخَلُّوْا سَبِيْلَهُمْ) تو پھر ان کا راستہ چھوڑ دو اور ان کے مقابلہ اور محاصرہ وغیرہ سے باز رہ کر ان کی آزادی کو باقی رہنے دو۔

(اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ) بلاشبہ حق تعالیٰ گزرے ہوئے شرک کو معاف فرما دینے والا (رَّحِيْمٌ) اور آیندہ بہت مہربانی فرمانے والا ہے جو مشرکوں کے اللہ کی طرف رجوع کر لینے اور توبہ کر لینے کے بعد ان کے سابقہ جرائم پر مواخذہ نہیں فرماتا۔

۵ - (وَاِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ) اور اگر مشرکین میں سے کوئی شخص آپ سے اپنی جان کی امان مانگے تاکہ وہ آپ کے پاس حاضر ہو کر آپ سے آپ کی اسلامی دعوت کی حقیقت سمجھ سکے شاید وہ دلائل سے آپ کے دین کے قبول کرنے پر راضی ہو جائے (فَاَجِرْهُ) تو آپ اسے جان کی امان دیکر اپنی خدمت میں حاضر ہونے کی اجازت دیدیجئے (حَتّٰى) تاکہ

وہ حاضر ہو جائے (يَسْمَعَ كَلَامَ اللّٰهِ ثُمَّ أَبْلِغْهُ مَأْمَنَهُ) اور اللہ کا کلام سُنے اور وہ اپنے معاملہ میں غور و فکر کے بعد پھر کوئی مناسب راہ اختیار کر سکے اور آپ ایسا نہ کریں کہ زبردستی اسلام کو اس کے سر تھوپ دیں یا یہ کہ دباؤ اور خوف کے تحت اس سے اسلام کا اقرار کرالیں اور وہ آپ کے شہر میں ہونے کی وجہ سے مجبور ہو جائے۔ بلکہ اسے اللہ کا کلام سُنا کر بحفاظت تمام اس کے ٹھکانہ تک پہونچا دیجئے۔

(ذٰلِكَ) یعنی امان چاہنے والے مشرکوں کو امان دینے اور انھیں بحفاظت ان کے ٹھکانوں تک پہونچا دینے کا حکم (بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَا يَعْلَمُونَ) محض اس وجہ سے ہے کہ وہ لوگ ابھی تک ایمان کی صحیح حقیقت سے واقف نہیں ہوئے اور ان کا ثبوت پر یہ حق ہے کہ وہ ایمان کی حقیقت کو صحیح طور پر جان لیں تاکہ پھر دلی عقیدہ و یقین کے ساتھ اسے قبول کر سکیں کیونکہ اسلام میں محض رسمی تقلید و خوش عقیدگی کافی نہیں ہے۔

پھر حق تعالیٰ نے ان احکام کو سلسلہ وار بیان فرمانے کے بعد درج ذیل آیات میں ان احکام کے اسباب بیان فرمائے ہیں:

۱۔ (كَيْفَ يَكُونُ لِلْمُشْرِكِينَ عَهْدٌ عِندَ اللّٰهِ وَعِندَ رَسُولِهِ) خدا و رسول کے نزدیک عام مشرکوں کا عہد و پیمان کیونکر معتبر ہو سکتا ہے جبکہ کوئی ایسا قوی حاکم نہیں جو انھیں ایفاءِ عہد پر آمادہ رکھ سکے۔ اور ان کا کیرکٹر یہ ہے کہ وہ ہمیشہ آپس میں ہی جنگ و جدل کرتے رہے ہیں اور ان کے باہمی معاہدات کا احترام بھی محض قوت و ضعف کے تابع رہا ہے اور ایسا بہت کم ہوتا ہے کہ قوی کمزور سے کیا ہوا معاہدہ پورا کرتا ہو جیسا کہ مدینہ کے یہودیوں اور قبیلۂ بنو بکر اور ان کے اعوان و انصار یعنی رؤسائے قریش کی طرف سے عہد شکنی کا واقعہ پیش آچکا ہے۔

(إِلَّا الَّذِينَ عَاهَدتُّمْ عِندَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ) بجز ان مشرکوں کے جن سے تم نے مسجدِ حرام کے پاس خصوصی معاہدہ کیا تھا اور انھوں نے عہد شکنی نہیں کی۔[۱]

---

[۱] جیسے بنو کنانہ و بنو ضمرہ۔ م

(فَمَا اسْتَقَامُوا لَكُمْ فَاسْتَقِيمُوا لَهُمْ) تو وہ جب تک تم سے سیدھا صاف معاملہ رکھیں تم بھی ان سے ویسا ہی معاملہ رکھو کیونکہ تمہاری طرف سے عہد شکنی اور خیانت نہ ہونی چاہئے۔ (إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ) بلاشبہ حق تعالیٰ ان پرہیزگاروں کو محبوب رکھتا ہے جو ایفاء عہد میں خدائی احکام کا لحاظ رکھتے ہیں۔

ب۔ (كَيْفَ) بجز اُن مشرکین کے جنھیں آپ نے آزما لیا ہے اور ان سے ایفاء معاہدہ عنداللہ مشروع ہے عام مشرکین کا کیا اعتبار ہے اور حق سبحانہ ان کے دلی حالات سے باخبر ہے (و) اور ان کے کردار کا حال یہ ہے کہ (إِنْ يَظْهَرُوا عَلَيْكُمْ) اگر وہ کسی وقت پر آپ پر اپنی قوت کے ذریعہ غالب آجائیں۔ (لَا يَرْقُبُوا فِيكُمْ إِلًّا وَلَا ذِمَّةً) تو وہ آپ سے ہرگز کسی قسم کی شفقت و مہربانی سے پیش نہ آئیں گے کیونکہ آپ کے اور ان کے درمیان کسی قسم کا ایسا رابطہ و تعلق موجود نہیں ہے جو انھیں آپ سے محبت و عنایت پر آمادہ کرسکے۔ پس صورت حال یہ ہے کہ (يُرْضُونَكُمْ بِأَفْوَاهِهِمْ) یہ لوگ اپنی کمزور حالت میں روباہ بازی اور مکر سے صرف زبانی جمع خرچ کرکے آپ کو راضی رکھنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں (وَتَأْبَىٰ قُلُوبُهُمْ) لیکن ان کے دل آپ سے مخلصانہ محبت اور وفاء عہد سے قطعی گریزاں رہتے ہیں (وَيَقُولُونَ بِأَلْسِنَتِهِمْ) وہ صرف زبان سے وہ باتیں بناتے ہیں جن کی وجہ سے آپ ان سے خوش رہیں (مَا لَيْسَ فِي قُلُوبِهِمْ) حالانکہ ان کے دلوں میں وہ باتیں جاگزیں نہیں ہوتیں پس وہ آپ سے معاہدہ کرتے وقت ہی سے اس کے ایفاء کی نیت نہیں رکھتے۔ (وَأَكْثَرُهُمْ فَاسِقُونَ) بلکہ ان میں کے اکثر تو فاسق و فاجر ہیں جو کھلم کھلا شدید جرائم کے ارتکاب اور حرام چیزوں کو حلال سمجھنے سے بالکل اجتناب نہیں کرتے۔ اس حالت میں ان سے کیسے توقع کی جاسکتی ہے کہ وہ اپنے دلوں میں خدا کا دھیان تک بھی لاتے ہوں گے چہ جائیکہ ان سے وعدہ وفائی کی توقع رکھی جاسکے۔ (اشْتَرَوْا بِآيَاتِ اللَّهِ) انھوں نے ان خدائی آیتوں کے بدلے میں جو خدائی توحید کے وجوب کو ثابت کرتی ہیں (ثَمَنًا قَلِيلًا) اس فانی دنیا کا حقیر سامان خرید لیا ہے پس ان میں کے سب سے زیادہ دولتمند شخص کے پاس

جتنی دولت ہے وہ بھی اس نعمت کے مقابلہ میں جس کا خدا نے اپنے مؤمن بندوں سے وعدہ فرمایا ہے بہت کم ہے (فَصَدُّوا) پس انھوں نے دوسروں کو بھی (عن سبیلہ) راہ خدا سے روک دیا اور ان پر ان کی پیدائش ان کی ہستی کے عدم سے وجود میں لانے اور خدا کی عطاکردہ انواع و اقسام کی ان صدہا نعمتوں کے عظیم الشان انعام کا انھوں نے کچھ بھی لحاظ نہیں رکھا جن میں وہ غیر شعوری طور پر دن رات کھیلتے ہیں کہ یہ تمام کائنات حتیٰ کہ وہ تمام مصنوعات و ایجادات بھی جنھیں وہ خود اپنے ہاتھوں بناتے اور ان سے لذّت اندوز ہوتے ہیں۔ خدائی تخلیق سے باہر نہیں ہیں۔ کیونکہ ان بشری ایجادات کے ابتدائی مادہ کا خالق بھی تو وہ ہی ہے۔

(اِنَّھم سَاءَ مَا کَانُوا یَعْمَلُونَ) پس ان کا یہ کردار کتنا قبیح و مذموم ہے کیونکہ یہ ان خدائی نعمتوں کی ناشکری پر مبنی اور احسان الٰہی کا صریح انکار ہے اور یہ کسی ذی ہوش اور صاحب فہم و فراست کے لئے مناسب نہیں ہے اسی وجہ سے آپ انھیں دیکھتے ہیں۔

(لَا یَرْقُبُوْنَ فِی مُؤْمِنٍ اِلًّا وَّلَا ذِمَّۃً) کہ وہ کسی مومن کے بارے میں اس سے کسی رشتہ داری تک کا لحاظ کرتے ہیں نہ کسی معاہدہ کا۔ کیونکہ ان کے یہاں نہ تو کوئی رشتہ داری ہی ہے جو محبت کی مقتضی ہو اور نہ کوئی ذمہ داری ہی ہے جو ایفاءِ وعدہ کی محرک ہو بلکہ ان کی نظر میں کسی مومن کا سب سے بڑا جرم اس کا صرف مومن ہونا ہی ہے جو ان کی گمراہی کے خلاف ہے پس جب مؤمنوں کے ساتھ ان کا طرز عمل یہ ہے تو اس میں شک نہیں کہ (اِنَّھم اِنْ یَّظْھَرُوا عَلَیْکُمْ) اگر وہ کبھی تم پر اپنے غلبہ و استیلا کی بنا پر قابو پالیں گے تو وہ (لَا یَرْقُبُوا فِیکُمْ اِلًّا وَّلَا ذِمَّۃً) تمہاری محبت اور معاہدہ کی ذمہ داری کی کچھ بھی پرواہ نہ کریں گے اور تم پر بے تحاشا ظلم و ستم روا رکھنے تم پر جبر و تشدد کرنے اور تمہاری خونریزی تک سے دریغ نہ کریں گے۔

(وَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُعْتَدُوْنَ) بلاشبہ یہی لوگ خدائی حد سے تجاوز کرنے والے اور

عام خدائی نظام سے بالکل الگ تھلگ رہنے والے ہیں۔ پس جب تم پر ان کے ظلم و تشدد کا سبب صرف ان کا شرک میں انہماک و شغف اور ایمان و اہل ایمان سے نفرت و کراہت ہے تو پھر ان کی ایذا رسانی سے بچنے کی اس کے سوا اور کوئی صورت باقی نہیں رہتی کہ وہ کفر سے باز آجائیں تم میں مدغم ہو جائیں اور اللہ کی وحدانیت پر ایمان لانے اور ظاہر و باطن خاص اسی کی رضا کے لئے نیک اعمال کرنے کو ضروری تصور کر کے تمہارے ہم عقیدہ بن جائیں (فَاِنْ تَابُوْا) پس اگر انھوں نے اپنے شرک سے توبہ کر کے خدا کی طرف رجوع کر لیا اور اس کی وحدانیت پر ایمان لے آئے (وَاَقَامُوا الصَّلٰوۃَ) اور انھوں نے نماز کو رائج کر دیا جو منتہائے طاعتِ الٰہی اور جناب باری میں عجز و انکساری کی اک اعلیٰ تعبیر و تصویر ہے اور جس کی شان یہ ہے کہ وہ نفوسِ انسانی کو فحش اور مکروہات سے باز رکھتی ہے۔

(وَاٰتَوُا الزَّکٰوۃَ) اور انھوں نے صرف خدا کی خوشنودی کی خاطر ضرورت مند مستحقین کو زکوٰۃ دینی شروع کر دی۔ (فَاِخْوَانُکُمْ فِی الدِّیْنِ) تو اب وہ تمہارے دینی بھائی بن گئے یعنی اُن سے اِن دو اُمور ترویجِ نماز اور اداء زکوٰۃ کا صدور اس کی پختہ دلیل ہے کہ وہ تم سب کے سچے دینی بھائی بن گئے۔ کیونکہ وہ خدا کے سامنے عجز و انکساری اور اس کی مخلصانہ عبادت گزاری میں جس کی تعبیر و توضیح ان کی یہ نماز کرتی ہے نیز قلبی رقت اور فقراء سے حسنِ سلوک میں جس کی تعبیر ان کی ادائی زکوٰۃ کرتی ہے۔ تمہارے ساتھ متحد و متفق ہو چکے ہیں اس لئے اس کے مقابلہ میں تم پر بھی ان سے محبت و خلوص کا برتاؤ لازمی ہے۔

(وَنُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ) اور ہم ان آیتوں کو اس قوم کے سامنے جو صاحبِ فہم و فراست ہے اور ان آیتوں کے مخفی مقاصد اور حکمتوں سے واقف ہے کھول کھول کر بیان کرتے اور بار بار دہراتے ہیں۔

(وَاِنْ نَّکَثُوْا اَیْمَانَهُمْ مِّنْ بَعْدِ عَهْدِهِمْ) اور اگر انھوں نے کفر سے توبہ کے عہد کو جس کے ذریعہ وہ اسلام میں داخل ہوئے تھے توڑ دیا (وَطَعَنُوْا فِیْ دِیْنِکُمْ) اور انھوں

نے قرآنی احکام پر کوئی اعتراض وارد کرکے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مذمت کرکے یا آپ کی رسالت کو مطعون کرکے یا اسی قسم کے مزخرفات سے تمہارے دین کو مطعون ومتہم کیا (فَقَاتِلُوٓا اَئِمَّةَ الکُفرِ) تو تم کفر کے ان سرغنوں اور علم برداروں کا قتلِ عام شروع کردو (اِنَّھُم لَا اَیمَانَ لَھُم) کیونکہ ان کی قسموں کا کچھ اعتبار نہیں ہے اور بلاشبہ وہ ہی اسلام کے خلاف اس غلط اور مذموم پروپیگنڈے کو رواج دینے والے ہیں رہے ان کے سوا سادہ لوح اور عوام سو ان کی کوئی ذاتی رائے نہیں ہوتی بلکہ وہ تو اکثر وبیشتر ہر منادی کے پیچھے چل پڑتے ہیں۔ (لَعَلَّھُم یَنتَھُونَ) شاید اس طرح یہ لوگ اپنی چالبازیوں اور اشتعال انگیزیوں سے باز آجائیں۔ اور تم ایسا ہرگز نہ کر بیٹھنا کہ اپنے جوش وغضب کو محض عوام اور اپنے اسلام کے مطعون کرنے والے غوغائیوں پر صرف کردو اور ان کے سرکردہ لیڈروں اور اکابر کو چھوڑ دو جو دراصل پس پردہ اس تحریک کو چلانے والے ہیں خواہ ان سے خوفزدہ ہو جانے کی وجہ سے یا اس وجہ سے کہ تم نے ان سے براہ راست کوئی بری بات نہ سنی ہو حالانکہ فتنہ کی اصلی جڑ وہ ہی ہیں جن کا قتل کرڈالنا نہایت ضروری ہے (اَلَا تُقَاتِلُونَ قَوماً) کیا تم ان لوگوں سے جنگ نہ کروگے جو مشرکوں کے سربرآوردہ لیڈر ہیں اور ان کی اور ان جیسے دوسروں کی شان یہ ہے کہ (نَکَثُوٓا اَیمَانَھُم) انھوں نے اپنی قسمیں توڑ ڈالیں اور دراصل عہدشکنی تو ان کی فطرت ہی میں داخل ہے۔ (وَھَمُّوا بِاِخرَاجِ الرَّسُولِ) اور انھوں نے تو رسول اللہؐ کو بھی اپنے تمام وسائل و ذرائع کے ساتھ مکہ سے نکالنے کی پوری پوری سعی کرلی۔

(وَھُم بَدَءُوکُم اَوَّلَ مَرَّةٍ) اور پہلی مرتبہ مقام بدر میں آپ سے جنگ کرنے کی ابتدا بھی ان ہی کی طرف سے ہوئی تھی۔ کیونکہ جب انھیں اس کا علم ہوگیا کہ ان کا وہ تجارتی قافلہ جسے وہ بچانے کے لئے آئے تھے صحیح سالم بچ کر نکل گیا ہے تو انھوں نے کہا تھا کہ اب ہم واپس نہ لوٹیں گے جب تک (نعوذ باللہ) محمدؐ اور ان کے ساتھیوں کو بالکل فنا نہ کردیں گے

پھر اس خوشی میں ہم چند دن بدر میں ٹھہر کر خوب شرابیں پیئں گے اور گانے والی چھوکریاں ہمارے سامنے گائیں بجائیں گی۔ علیٰ ہذا ان کا یہی عزم احد اور خندق اور دوسرے غزوات میں بھی تھا پس یہ تمام معرکے صرف انہی سربرآوردگان و زعمار قوم کے زیر قیادت چھڑے تھے اور ان سب میں مؤمنوں سے جنگ کرنے میں انھوں نے ہی پہل کی تھی۔

(اَتَخۡشَوۡنَهُمۡ) کیا تم ان کے سرداروں سے ڈر کر ان سے جنگ کرتے ہوئے اس وجہ سے گھبراتے اور پیچھے ہٹتے ہو کہ وہ شوکت و طاقت والے ہیں (فَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنۡ تَخۡشَوۡهُ) تو جان لو کہ اللہ اس کا زیادہ حقدار ہے کہ اس سے خوف کیا جائے کیونکہ وہی تمام قوتوں کا سرچشمہ ہے اور اسی کی ذات شوکت اور غلبہ والی ہے جو کبھی مغلوب نہیں ہو سکتی (اِنۡ كُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِيۡنَ) اگر تم اس پر ایمانِ کامل رکھتے ہو کہ درحقیقت حق تعالیٰ ہر امر پر قادر ہے اور صرف وہ ہی اک ذات ہے جو اپنے بندوں میں سے جس کی چاہے مدد فرماتی اور جس کی چاہے اپنی قوت سے مدافعت فرماتی ہے تو تمہیں خدا کے دشمنوں سے مقابلہ کرنے میں سب سے زیادہ دلیر اور اس دینِ حق کی مدد پر سب سے زیادہ آمادہ رہنا چاہئے۔

(قَاتِلُوۡهُمۡ) ان پر اپنے آہنی ہاتھوں سے وار کرو (يُعَذِّبۡهُمُ اللّٰهُ) اللہ انھیں غیب سے خفیہ طریقوں سے عذاب دے گا مثلاً انھیں تم سے مرعوب کر دے گا ان کے دلوں کو رنج و غم میں مبتلا کر دے گا مگر ان پر یہ عذاب ظاہر میں تمہاری ہی طرف منسوب ہوگا اور وہ (بِاَيۡدِيۡكُمۡ) انھیں تمہارے ہی ہاتھوں پہونچے گا بھی اور اس پر تمہیں بھی فخر حاصل ہوگا اور تم ہی اس تائیدِ الٰہی پر مسرور و شادکام بھی ہوگے (وَيُخۡزِهِمۡ) اور جو ان میں سے قتل ہونے سے بچ رہے ہوں گے انھیں خدا قید یا اپنے قہر اور فقر و فاقہ کی ذلت میں مبتلا کر دیگا۔ (وَيَنۡصُرۡكُمۡ عَلَيۡهِمۡ) اور جس ایمان کو قبول کرنے کی خاطر ان سے جہاد کیا گیا تھا انھیں اس کے سامنے جھکا کر تمہیں ان پر غلبہ عطا فرمادے گا۔ (وَيَشۡفِ صُدُوۡرَ قَوۡمٍ مُّؤۡمِنِيۡنَ) اور خدا اسلام کی سربلندی و عزت اور مؤمنوں کی تائید و نصرت کے ذریعہ ان کے قلوب کو

اطمینانِ کامل نصیب فرما دے گا جو زندگی میں ان کی انتہائی مراد ہے (وَیُذْهِبْ غَیْظَ قُلُوبِهِمْ) اور مؤمنوں کے اس غیظ و غضب کو ٹھنڈا کر دے گا۔ جو مؤمنوں سے کفار کی عہد شکنی اور ان پر ظلم کی وجہ سے پیدا ہو گیا تھا جس نے چند کفار کی ظاہری عظمت و دبدبہ کا مظاہرہ کیا تھا۔ (وَیَتُوبُ اللّٰهُ عَلٰی مَنْ یَّشَآءُ) اور حق تعالیٰ جس کی توبہ چاہے قبول فرما لیتا ہے (وَاللّٰهُ عَلِیْمٌ) اور خدا پہلے ہی سے ان کے حالات سے بخوبی واقف ہے (حَکِیْمٌ) اور ان کے حسبِ ارادہ انہیں اختیار دینے میں حکمت و مصلحت کا لحاظ فرمانے والا ہے جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ اللہ جل و علا نے پہلے ہی سے مؤمنوں کے ہاتھوں ان کا عذاب مقدر فرما دیا ہے۔ تاکہ ہر دو صورتوں میں اس پر ثواب مرتب ہو (اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تُتْرَکُوْا) کیا تمہیں یہ خیال ہے کہ تم یوں ہی چھوڑ دئے جاؤ گے (یعنی یہاں اک اور نکتہ ہے جس کے متعلق تمہیں غور و فکر کرنا اور اس کا محاسبہ کرنا ضروری ہے اور وہ یہ ہے کہ وہ کون سی ہستی ہے جو کفار کے تم سے جنگ کرنے تم سے عہد شکنی کرنے۔ تمہارے مذہب پر اعتراضات کرنے اور جیسا کہ ظہورِ اسلام کے وقت سے ان کا وطیرہ رہا ہے اسلام لانے سے دوسرے لوگوں کو بھی روکتے رہنے کے دوبارہ اعادہ نہ ہونے کی ضمانت دے سکے)

(و) یا تم سدا ایک ہی حال پر رہو گے اور یہ کہ (لَمَّا یَعْلَمِ اللّٰهُ) حق تعالیٰ تمہیں اعمال کی کسوٹی پر نہ پرکھے گا (الَّذِیْنَ جَاهَدُوْا مِنْکُمْ) کہ تم میں سے کن لوگوں نے خدا کی راہ میں جہاد کا حق ادا کیا ہے (وَلَمْ یَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلَا رَسُوْلِهٖ وَلَا الْمُؤْمِنِیْنَ وَلِیْجَةً) اور کن لوگوں نے اللہ۔ اس کے رسول اور مؤمنوں کو چھوڑ کر دشمنانِ اسلام کو اپنا دوست نہیں بنایا یعنی غیر اللہ سے ان کا کسی قسم کا کوئی تعلق اور خفیہ ارتباط نہیں ہوا۔ پس اس صورت حال سے تمہارا گریز کرنا ضروری ہے۔ اک شاعر نے کیا حکیمانہ نکتہ بیان کیا ہے:

اذا والی صدیقک من تعادی   فقد عاداک وانقطع الکلام

ما اگر تمہارے کسی دوست نے تمہارے دشمن سے دوستی پیدا کر لی تو اس نے ایسا

کر کے یقیناً تم سے بھی دشمنی مول لے لی۔ جس کے نتیجہ میں تمہاری بھی آپس کی بول چال اور تعلقات ختم ہو گئے"۔

(واللہ خبیر بما تعملون) اور حق تعالیٰ تمہارے تمام ظاہری و باطنی اعمال پر مطلع ہے پس تمہارے دشمنانِ اسلام سے خفیہ تعلقات اس سے چھپ نہیں سکتے اگرچہ وہ کتنی ہی حسن نیت کے ساتھ کیوں نہ ہوں اور تمہارے ان سے اس تعلق کے دوررس اور مضر نتائج سے خدا بخوبی واقف ہے۔

ج۔ (ما کان للمشرکین ان یعمروا مساجد اللہ) مشرکوں کو خدا کی مسجدوں (یعنی خانۂ کعبہ) کو آباد کرنے کا حق نہیں پہونچتا یعنی مشرکوں کے معاہدات کا احترام نہ کرنے کا دوسرا سبب یہ ہے کہ انھیں مساجد میں جمع ہونے کا حق نہیں ہے جو صرف خدا کی عبادت کے لئے مخصوص ہیں جبکہ (شاھدین علیٰ انفسھم بالکفر) انھوں نے اپنے آپ اور اپنے ساتھ دوسروں پر بھی کفر کا ٹھپہ لگا رکھا ہے تو یہ اک صریح تناقض ہے جس کی کوئی توجیہ ممکن نہیں (اولٰئک) وہ لوگ جو غیر اللہ کی پرستش کرتے ہیں (حبطت اعمالھم) ان کے تمام کارنامے اس وجہ سے رائیگاں گئے کہ وہ خالصتہً لوجہ اللہ نہ تھے اس لئے ان کا مسجد کے آباد کرنے والوں میں شمار نہیں ہو سکتا (و) اور ان کے متعلق خدا نے یہ قطعی فیصلہ صادر فرما دیا ہے کہ (فی النار ھم خالدون) وہ اپنے شرک و کفر کی پاداش میں ہمیشہ کے لئے دوزخ ہی میں رہیں گے۔

(انما) جو اس کا واقعی اہل ہے کہ وہ (یعمر مساجد اللہ) اللہ کی مسجدوں کو آباد کرے اسے ان پانچ صفات سے متصف ہونا چاہئے۔ پہلی صفت یہ ہے کہ وہ (من آمن باللہ) خدا پر ایمان رکھے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنائے پس وہ اس کا اہل ہے کہ خدا کی مسجدوں میں وہ اپنے رب کو زیادہ سے زیادہ پکارے۔ جیسا کہ ارشاد باری ہے:۔

ان المساجد للہ فلا تدع — بلاشبہ مساجد صرف خدا ہی کے لئے ہیں پس وہاں

مَعَ اللّٰہِ اَحَدًا۔ خدا کے ساتھ کسی اور کو مت پکارو۔

دوسری صفت یہ ہے کہ (وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ) اور وہ آخرت کے دن یعنی اس دوسرے عالم میں انسان کے دوسری مرتبہ اٹھائے جانے اور دوبارہ زندگی پانے پر اعتقاد رکھے تو ایسے لوگ اس روز نجات کی طلب کے لئے مساجد کو آباد کرنے کے زیادہ مستحق ہیں۔

تیسری صفت یہ ہے کہ (وَاَقَامَ الصَّلٰوۃَ) وہ پنج وقتہ ادائے نماز کی پابندی کرے اس لئے نماز ادا نہ کرنے والوں کو ان کی راہ میں دشواری پیدا کرنا روا نہیں ہے۔

چوتھی صفت یہ ہے کہ (وَاٰتَی الزَّکٰوۃَ) اور وہ زکوٰۃ کے مستحق فقراء کو زکوٰۃ ادا کرے ان سے ربط و تعارف پیدا کرے اور اس طرح صحیح مستحقین تک زکوٰۃ کامل پہونچائے۔

پانچویں صفت یہ ہے کہ (وَلَمْ یَخْشَ اِلَّا اللّٰہَ) خدا کے سوا کسی اور سے ہرگز نہ ڈرے اور پختہ اعتقاد رکھے کہ صرف خدا ہی کی تنہا ہستی نفع اور نقصان پہونچانے والی ہے اس بناء پر صرف خدا ہی سے محبت رکھے اور اسی سے توقعات وابستہ رکھے تو اسے یہ حق پہونچتا ہے کہ وہ خدا کی مساجد میں اعتکاف کرے اور ہمیشہ اس ذات اقدس سے اپنا روحانی رشتہ قائم رکھے (فَعَسٰی اُولٰٓئِکَ) شاید ان پانچ اوصاف کے جامع (اَنْ یَّکُوْنُوْا مِنَ الْمُھْتَدِیْنَ) ہدایت یافتہ مسلمانوں میں شمار ہونے لگیں اور قرآن کریم سید البشر حضرت محمدؐ کی سنت کے ان متبعین کی صراطِ مستقیم کی طرف رہنمائی کردے۔

(اَجَعَلْتُمْ سِقَایَۃَ الْحَاجِّ) کیا تم نے حاجیوں کے پانی پلانے (وَعِمَارَۃَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ) اور مسجدِ حرام کی ظاہری خدمت اور انتظامات کو اس کی اصلی آبادی قرار دے لیا ہے جس سے تمہارا یہ خیال قائم ہوگیا ہے کہ اس سے تمہیں اس کے پڑوس میں رہنے سہنے کا حق حاصل ہوگیا ہے؟

(کَمَنْ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَجٰھَدَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ) جیسا کہ ان لوگوں کو حق ہے جو خلوصِ نیت اور صفاءِ باطن اور صرف خدا کی طرف دل لگا کر اس پر اور یوم آخرت پر

ایمان لائے اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا۔ ایسا خیال کر لینا تمہارے تصور اور اندازِ فکر کی غلطی ہے کیونکہ (لَا يَسْتَوُوْنَ عِنْدَ اللّٰهِ) وہ سب اللہ کے نزدیک مساوی نہیں ہو سکتے۔ پس تم نے یہ ظاہری کام محض دوسرے لوگوں پر فخر و بڑائی کے اظہار کے لئے اپنے دل سے گھڑ لئے ہیں۔ حالانکہ یہ وہ اعمال ہیں جن کا خدا نے خود حکم فرمایا ہے اور ان کی قبولیت کا وعدہ فرمایا ہے (وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي) اور اللہ تعالیٰ ان لوگوں کی حق کی طرف ہدایت نہیں کرتا (الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ) جنھوں نے خالصاً للہ اعمال نہ کرنے یا اللہ سے کوئی تعلق نہ رکھنے کی وجہ سے اس کی طرف دل سے متوجہ نہ ہونے کی بنا پر خود اپنی جانوں پر ظلم روا رکھا ہے۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ (اَلَّذِيْنَ آمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ اَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰهِ) وہ لوگ جو خدا پر دل سے ایمان لائے انھوں نے صرف خدا کے لئے ہجرت کی اور اسی کی راہ میں اپنی جانوں اور مالوں کے ذریعہ جہاد کیا۔ اللہ کی خوشنودی کے لئے ہجرت کے مصائب اور جان و مال کی قربانیاں برداشت کرنے کی وجہ سے ان کا مرتبہ خدا کے نزدیک بہت بڑا ہے۔ (وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ) اور وہی خدا کے نزدیک کامیاب و بامراد ہیں (يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ) حق تعالیٰ انھیں ابھی سے (بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَرِضْوَانٍ) دنیا میں ان کے نیک اعمال کی جزا میں اپنی رحمت و خوشنودی کی (وَجَنّٰتٍ) اور آخرت میں جنتوں کی خوشخبری دیتا ہے (لَّهُمْ فِيْهَا نَعِيْمٌ مُّقِيْمٌ) جن میں ان کے لئے دائمی راحت و آسائش مہیا ہوگی (خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا) جو ان نعمتوں اور راحتوں کے زوال کے خطرہ کے بغیر ان میں ہمیشہ ہمیشہ آباد رہیں گے (اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ) بلاشبہ ایسے متقیوں کے لئے اللہ کے پاس (اَجْرٌ عَظِيْمٌ) اتنا بڑا اجر ہے کہ لوگوں کا تصور بھی وہاں تک نہیں پہونچ سکتا۔ کیونکہ آخرت میں وہ وہ نعمتیں ہوں گی جو پہلے نہ کسی آنکھ نے دیکھی ہوں گی نہ کسی کان نے سنی ہوں گی اور نہ کسی دل میں ان کا خیال ہی گزرا ہوگا۔ بلکہ وہاں اک معنوی صلہ بھی ہوگا جو عقلا کے نزدیک ان تمام مادی نعمتوں سے جن سے

انسان مستفید و متمتع ہوں گے کہیں زیادہ افضل و بہتر ہوگا اور وہ پروردگارِ دو جہاں خدائے مالک الملک کی خوشنودی اور اس کے قرب کا اعزاز ہوگا جس میں وہ عظیم الشان لذت ہوگی جس کا ہر ایک شخص تصور تک نہیں کرسکتا بجز اس کے جو اس دنیاوی زندگی میں سلاطین و امراء کی عنایات سے لذت اندوز ہوا ہو پس قیامت کے دن اس خالق اکبر کے الطافِ بیکراں کے متعلق تمہاری کیا رائے ہے؟ جس دن نہ مال ہی کام آئے گا نہ اولاد ہی کی شفاعت کام دے گی، بجز اس کے نیک اعمال کے جسے خدا نے قلبِ سلیم عطا فرمایا ہو۔

جب مشرکین کے عہد و پیمان کا احترام نہ کرنے انہیں ایمان لانے پر مجبور کرنے اور اس مقصد کے حصول کے وسائل و ذرائع سے متعلق خاص احکامات پر مشتمل فرمانِ الٰہی ختم ہو چکا تو اب خدا نے مؤمنین کے لئے وہ نصیحتیں شروع فرمادیں جو ان کے ایمان اور اعمالِ حسنہ کے نتیجہ کے طور پر ان کے اقتدار و عزت کے حصول پر مشتمل ہیں جن کا خلاصہ درجِ ذیل ہے:۔

۱۔ مشرکین پر بالکل بھروسہ نہ کیا جائے اگرچہ وہ ان کے قریب ترین عزیز ہی کیوں نہ ہوں جیسا کہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے: (یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا) اے اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) پر ایمان لانے والو! (لَا تَتَّخِذُوْا آبَاءَکُمْ وَاِخْوَانَکُمْ) اپنے والدین اور بھائیوں کو اگرچہ وہ بلاشبہ تمہیں سب لوگوں سے زیادہ محبوب ہیں (اَوْلِیَاءَ) اپنا دوست بناؤ نہ ان سے کسی قسم کی امداد چاہو اور نہ مصائب میں ان پر بھروسہ کرو۔ (اِنِ اسْتَحَبُّوا الْکُفْرَ عَلَی الْاِیْمَانِ) اگر وہ کفر کو ایمان پر ترجیح دیتے ہوں یعنی جب تک وہ دین کے معاملہ میں تمہاری مخالفت کرتے رہیں کیونکہ شخصی محبت کے تعلقات جب قوی ہو جاتے ہیں تو وہ نہ تو انسان کو اپنے سابقہ دین کو بدلنے دیتے ہیں اور نہ ہی اسے اپنے نفس کی عزت و برتری کے مقابلہ میں کسی اپنے عقیدہ کے مخالف کی اہانت کرنے دیتے ہیں۔ (وَمَنْ یَّتَوَلَّهُمْ مِنْکُمْ) تم میں سے جو بھی ان سے دوستانہ روابط رکھے گا اور اس واضح حقیقت کے بعد بھی ان سے طالبِ اعانت ہوگا تو (اُولٰٓئِکَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ) ویسے لوگ سرتاسر اپنی جانوں پر

ظلم کرنے والے شمار ہوں گے کیونکہ وہ ایسے افراد کی طرف جھکتے ہیں جن کی طرف جھکنا کسی طرح بھی مناسب نہیں۔ کیونکہ یہ تو ممکن ہے کہ اک شخص اپنے بھائی کے مقابلہ میں اپنے باپ کی مدد کرے لیکن یہ ممکن نہیں کہ کوئی خاص اپنی ذات کے مقابلہ میں کسی دوسرے کی مدد کرے۔

۲۔ مؤمن کو چاہئے کہ وہ اپنے قلب کو اللہ اور اس کے رسول کے ماسوائے ہر کسی کی محبت سے خالی اور بیگانہ کرلے اور ہر چیز کے مقابلہ میں صرف انہی ہر دو کی اطاعت کو ترجیح دے لے جیسا کہ خود حق تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

(قُلْ) اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! ان حضرات سے جو آپ پر ایمان لے آئے ہیں اور انھوں نے آپ کی رسالت کی تصدیق کر دی ہے فرما دیجئے کہ اگر تم نے اللہ کو اچھی طرح پہچان لیا ہے اور تمہیں اس کا یقینِ کامل ہو چکا ہے کہ صرف اسی ایک ذات نے تمہیں پیدا فرمایا اور وہی تمہیں رزق عطا فرماتا ہے تو تم پر اس کی مخلصانہ اور سچی محبت لازم ہے جس میں ذرہ برابر بھی کھوٹ نہ ہو اور اس کے احکام کی ایسی مخلصانہ تعمیل کرو کہ اس راہ میں کوئی رکاوٹ تمہارے مزاحم نہ ہو سکے اور مجھے میرے رب نے تم تک یہ پیغام پہونچانے کا حکم فرمایا ہے کہ:

(قُلْ إِنْ كَانَ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ وَإِخْوَانُكُمْ وَأَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيرَتُكُمْ وَأَمْوَالٌ اقْتَرَفْتُمُوهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسَاكِنُ تَرْضَوْنَهَا أَحَبَّ إِلَيْكُمْ مِنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَجِهَادٍ فِي سَبِيلِهِ فَتَرَبَّصُوا حَتَّىٰ يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرِهِ)

ان سے کہدیجئے کہ اگر تمہارے والدین تمہاری اولاد تمہارے بھائی تمہاری بیویاں تمہارے کنبے والے تمہاری کمائی ہوئی دولت تمہاری وہ تجارت جس کی کساد بازاری کا تمہیں خطرہ لگا رہتا ہے اور تمہارے اپنے پسندیدہ رہائشی مکانات تمہارے نزدیک اللہ اس کے رسول اور اس کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ عزیز ہیں تو پھر عذاب الٰہی کا انتظار کرو کہ تمہارے خدائی نعمتوں

کی قدر نہ کرنے اور اس کے احسان کے انکار کی بنا پر خود تمہارے ہی اعمال و افکار میں ان کا بدلہ موجود ہے (وَاللّٰہُ لَا یَھْدِی) اور اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو اپنی اور اپنے رسول کی محبت نیز اس کی راہ میں جہاد کی دوسری تمام چیزوں پر فوقیت و ترجیح اور ان پر مرتب ہونے والی باہمی محبت۔ ہمدردی اور اتحادی طاقت کے فضائل کا علم ہی عطا نہیں فرماتا (القومَ الفاسقین) کیونکہ یہ لوگ فاسق و فاجر۔ ہدایتِ الٰہی کے قبول کرنے سے باز رہنے والے اور شرعی حدود سے تجاوز کرنے والے ہیں۔

۳- اپنی ذاتی قوت پر غرور کا ذرا سا بھی خیال دل میں لائے بغیر صرف خدا کی ذات پر پورا پورا بھروسہ رکھنا چاہئے اور اسی کی طرف سے امداد کی توقع رکھنی چاہئے جیسا کہ خدا کا ارشاد ہے:-

(لَقَدْ نَصَرَکُمُ اللّٰہُ فِیْ مَوَاطِنَ کَثِیْرَۃٍ) بلاشبہ حق تعالیٰ نے بہت سے موقعوں پر تمہاری مدد فرمائی ہے تم کو یاد رکھنا چاہئے کہ اللہ کا مؤمنوں سے محبت فرمانا دوسرے اقربا کی محبت سے کہیں زیادہ بڑھ کر ہے اور حق تعالیٰ کا غیبی اور معنوی قوتوں کے ذریعہ اپنے رسول اور مؤمنوں کی تائید فرمانا۔ عددی کثرت اور اسی قبیل کی کسی مادی قوت کے مقابلہ میں اس کا عظیم الشان کرم اور اس کی مدد کا بہترین ضامن ہے۔ پس ان مواقع پر جن میں تمہیں کسی طرف سے کسی قسم کی مدد ملنے کا خیال تک نہ تھا حق تعالیٰ نے تمہارے لئے اپنی غیبی مدد بھیجی۔

(وَیَوْمَ حُنَیْنٍ اِذْ اَعْجَبَتْکُمْ کَثْرَتُکُمْ) اور خاص طور سے غزوۂ حنین کے دن بھی جبکہ تم اپنی کثرتِ تعداد پر نازاں ہو گئے تھے اور تم نے اپنے والدین۔ فرزندان اور دوسرے افرادِ خاندان سے مدد کی توقعات وابستہ کر لی تھیں اور تم نے یہاں تک دعویٰ کر ڈالا تھا کہ ہم آج تعداد کی کمی کی بناء پر ہرگز مغلوب نہ ہوں گے مگر پھر تم ذلیل اور شکست خوردہ ہو گئے تو اس وقت خدائی امداد ہی ان سب کے مقابلہ میں تمہاری بہت بڑی معاون

ثابت ہوئی۔ (فَلَمْ تُغْنِ عَنْکُمْ) اس وقت نہ تو تمہاری کثرتِ تعداد (شَیْئًا) تمہارے کچھ کام آسکی اور نہ اس وقت تمہارا کوئی مال و اولاد تمہیں فائدہ پہونچا سکا۔ (وَضَاقَتْ عَلَیْکُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّیْتُمْ مُّدْبِرِیْنَ) اور تم پر اللہ کی یہ زمین اپنی وسعت کے باوجود تنگ ہوگئی پھر تم پیٹھ پھیر کر میدانِ جنگ سے ایسے بھاگے کہ کہیں بھی نہ جم سکے۔ (ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰہُ سَکِیْنَتَہٗ عَلٰی رَسُوْلِہٖ وَعَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ) پھر اس کے بعد حق تعالیٰ نے اپنے رسول اور مومنوں پر اپنی طرف سے سکون و اطمینان نازل فرمایا اس لئے وہ جمے رہے نہ وہ دشمن سے ہراساں ہوئے نہ انھوں نے تمہارے پیچھے ہٹنے اور میدان سے بھاگنے کی پرواہ کی بلکہ وہ کوہِ گراں کی طرح اپنی جگہ ڈٹے رہے (وَاَنْزَلَ) اور خدا نے (جُنُوْدًا) ان کی مدد کے لئے ایسی روحانی دستے آسمان سے اُتارے (لَّمْ تَرَوْھَا) جو تمہیں دکھائی نہ دیتے تھے لیکن تم نے اس معرکہ میں اس غیبی امداد کا اثر ضرور دیکھ لیا جس نے تمہارے سامنے اس حقیقت کی تصویر کھینچ دی کہ حق تعالیٰ اپنے راہ مستقیم کی اتباع کرنے والے اسی کی مدد کا یقین اور اسی کی ذات پر بھروسہ رکھنے والے نیک بندوں میں سے جن کی چاہتا ہے کس طرح مدد فرمادیتا ہے (وَعَذَّبَ) اور حق تعالیٰ نے (الَّذِیْنَ کَفَرُوْا) اس معرکہ میں قتل۔ گرفتاری اور قید کے ذریعہ کفار پر اپنا عذاب مسلط فرمادیا (وَذٰلِکَ جَزَآءُ الْکٰفِرِیْنَ) اور خدا کے منکر اور خدا کو چھوڑ کر محض اپنی قوت پر بھروسہ رکھنے والے کفار کی یہی سزا ہوتی ہے۔

اور اپنی مخلوق کے ساتھ خدا کی رحمت کا یہ حال ہے کہ اس نے اپنے نبی کو یہ حکم فرمانے کے بعد کہ اگر مومنین اللہ اور اس کے رسول کی محبت اور اس کی راہ میں جہاد کرنے کو ہر چیز پر ترجیح نہ دیں تو انھیں عذابِ الٰہی کے انتظار کی دھمکی دیدیجئے نیز انھیں خدا پر بھروسہ کرنے کی صورت میں خدائی مدد پہونچنے اور اپنی کثرتِ تعداد پر بھروسہ رکھنے کی صورت میں ذلّت و رسوائی سے دوچار ہونے کا واقعہ یاد دلانے کے بعد اپنے رسول کو خبر دی کہ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ

حق تعالیٰ راہِ خدا میں قربانی اور خدا کی ذات پر اعتماد اور محبت کے مراتب میں فرق و امتیاز کی صورت میں درگذر بھی فرما دیتا ہے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے (ثُمَّ یَتُوبُ اللّٰہُ مِنۡ بَعۡدِ ذٰلِکَ) پھر حق تعالیٰ اس تہدید کے باوجود بھی (عَلٰی مَنۡ یَّشَآءُ) اپنے بندوں میں سے ان بندوں کی لغزشوں کو معاف فرما دیتا ہے جنھوں نے اپنی فطری استعداد کو منتہائے کمالِ انسانی اور اطاعتِ کامل تک پہونچانے میں کوتاہی سے کام لیا ہو۔ (وَاللّٰہُ غَفُوۡرٌ) بیشک حق تعالیٰ نادانستہ گناہوں یا خدائی احکام کو چیلنج دیئے بغیر غلطی سے صادر ہونے والے گناہوں کا بہت بخشنے والا (رَّحِیۡمٌ) اور اپنے ان بندوں پر انتہائی مہربانی فرمانے والا ہے جو اس کی رحمت کے متوقع اور اس کے عذاب سے خائف ہوں۔

۲- اللہ پر ایمان نہ لانے والے ہر کافر کا بیت اللہ میں داخلہ قطعاً ممنوع قرار دیدینا اگرچہ اس میں مادی نقصان ہی کیوں نہ ہو۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:

(یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا) اے خدا پر ایمان لے آنے والے مومنو خوب جان لو کہ (اِنَّمَا الۡمُشۡرِکُوۡنَ نَجَسٌ) مشرکین اپنے باطل عقائد اور فاسد عبادات کی وجہ سے بالکل ناپاک ہیں ان کی حالت دوسری ان تمام نجاستوں جیسی ہے کہ جس کا ان پر سے گزر ہوتا ہے یہ اپنی بدبو سے اسے تکلیف پہونچاتی ہیں جس کی وجہ سے ان کے مہلک جراثیم سے ادھر سے گزرنے والوں کے ملوث ہونے کا غالب اندیشہ رہتا ہے (فَلَا یَقۡرَبُوا الۡمَسۡجِدَ الۡحَرَامَ بَعۡدَ عَامِهِمۡ هٰذَا) پس اس سال کے بعد سے وہ لوگ مسجدِ حرام کے قریب تک بھی نہ پھٹکنے پائیں۔ یعنی اے مسلمانو! تم آئندہ سے کفار کو ارضِ حرم میں ہرگز نہ داخل ہونے دو خواہ وہ عبادت کی نیت سے ہی داخل ہونا چاہیں۔ یا اور کسی وجہ سے جیسے کہ تجارتی مال جو وہ تمہارے ہی فائدہ کے لئے لانا چاہیں (وَاِنۡ خِفۡتُمۡ عَیۡلَةً) اور اگر تمہیں ضروریاتِ زندگی کی کمی کی وجہ سے جو کفار تمہارے لئے اپنے ساتھ لانا چاہتے ہوں تنگی و فقر کا اندیشہ لاحق ہو (فَسَوۡفَ یُغۡنِیۡکُمُ اللّٰہُ) تو اللہ تعالیٰ مستقبلِ قریب میں تمہیں (مِنۡ فَضۡلِهٖۤ) اپنے وسیع فضل و کرم سے غنی بنا دیگا۔

(اِنْ شَاءَ) اگر وہ چاہے گا کیونکہ جب وہ کسی کام کا ارادہ فرمالیتا ہے تو صرف کلمۂ کُنْ (ہوجا) فرما دیتا ہے پس وہ چیز فوراً وجود میں آجاتی ہے اس لئے تم پر یہ لازم ہے کہ محض اکتسابی اور ظاہری اسباب پر نظر کئے بغیر صرف اسی کی ذات پر بھروسہ کرو اور اپنی تمام اُمیدیں صرف اسی سے وابستہ رکھو۔ (اِنَّ اللّٰہَ عَلِیْمٌ) بلاشبہ حق تعالیٰ تمہاری تمام ضروریات سے بخوبی واقف ہے (حَکِیْم) اس نے تمہیں مسجد حرام سے مشرکوں کو قطعاً روک دینے کا جو حکم فرمایا ہے اس میں اس کی زبردست حکمت و مصلحت مضمر ہے کیونکہ اگر اس میں اس کی کوئی مصلحت نہ ہوتی تو وہ کبھی ایسا حکم صادر نہ فرماتا اور وہ اس پر بہت اچھی طرح قادر ہے کہ تمہاری روزی کسی دوسرے طریقے سے مہیا فرمادے۔

۴۔ جملہ اہل کتاب یہود و نصاریٰ پر اسلام قبول کرنے کیلئے کسی قسم کا جبر و کراہ نہ کیا جائے بلکہ بصورت انکار ان سے صرف جزیہ لینے پر اکتفا کیا جائے جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے:

(قَاتِلُوا الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ) اے مومنو! جو لوگ شرک اور غیر اللہ کی پرستش کو ترک کرکے خالصاً للہ اللہ پر ایمان نہیں لاتے تم ان سے جنگ کرو۔ (وَلَا بِالْیَوْمِ الْاٰخِرِ) اور نہ وہ روزِ آخرت پر ایمان رکھتے ہیں جس دن حق تعالیٰ بنی نوع انسان کو ثواب و عذاب کی صورت میں اپنے اپنے اعمال کے نتائج بھگتنے کے لئے انہی اجسام کے ساتھ قبور سے دوبارہ زندہ اُٹھائے گا (وَلَا یُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ) اور نہ وہ اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی حرام کی ہوئی باتوں کو حرام سمجھتے ہیں یعنی ان کے رسولوں کے لائے ہوئے اور ان کی کتابوں میں موجودہ احکام پر عمل نہیں کرتے مثلاً اللہ نے ان پر ان کی شریعت میں چربی حرام کی تھی لیکن انھوں نے اس پر عمل کرنے سے انکار کرتے ہوئے اس کا کاروبار کیا اس کی کمائی کھائی اور اس کے علاوہ بہت سے احکام شرعی میں ردّ و بدل اور تاویلات کیں اور ان علماءِ سوء اور پادریوں کی کورانہ تقلید کی جنھیں انھوں نے ذات باری تعالیٰ کو نظر انداز کرکے خدا ہی کے درجہ میں سمجھ لیا تھا۔ (وَلَا یَدِیْنُوْنَ دِیْنَ الْحَقِّ) اور وہ دینِ حق پر نہیں چلتے۔ جو ہر طرح

مکمل اور آخری دین ہے جسے خاتم الانبیاء لیکر آئے اور انھوں نے ان لوگوں کے اختلاف مذاہب کو واضح طور پر بیان فرمادیا (مِنَ الَّذِینَ اُوتُوا الْکِتَابَ) اور یہ وہ لوگ تھے جنھیں خدائی کتاب یعنی تورات یا انجیل یا زبور عطا ہوئی تھی (حَتّٰی یُعْطُوا الْجِزْیَۃَ) یہاں تک کہ یہ لوگ جزیہ دینا منظور کرلیں۔ جزیہ وہ خراج ہے جو کچھ لوگوں سے ان کی جانوں کی حفاظت و حمایت اور ان سے مسلمانوں کی فوج میں فوجی خدمات لئے بغیر ان کی طرف سے مدافعت کی ذمہ داری لینے کے مقابلہ میں ان سے وصول کیا جائے (عَنْ یَدٍ) اور وہ یہ جزیہ صرف تمہاری حکومت کی طاقت کے اثر سے مرعوب ہو کر ادا کریں۔ اس باب میں تمہاری طرف سے تو ان پر کوئی ظلم و تشدد نہ کیا جائے (وَھُمْ صَاغِرُوْنَ) لیکن وہ تمہاری برتری اور حکومت کا لوہا مان کر تمہارے سامنے انتہائی عاجزی و انکساری کے ساتھ جزیہ ادا کردیں اور یہ ذمی عدل و انصاف اور اپنے ان تمام حقوق کے تحت جو اللہ و رسول کی ذمہ داری لینے کی بنا پر ان کی طرف سے مسلمانوں پر عائد ہوتے ہیں اس کی سعی کرتے رہیں کہ وہ غور و فکر کے بعد اسلام لے آئیں اگر ایسا ہوا تو ان سے یہ جزیہ اٹھالیا جائے گا اور اب وہ دوسرے مؤمنوں کے بھائی بن جائیں گے اور تمام حقوق میں بالکل ان کے مساوی ہو جائیں گے۔

اب رہے وہ بقیہ فرقے جن کے مسلمانوں سے کئے ہوئے معاہدوں کی کچھ میعاد ابھی باقی ہے۔ سو ان میں کا ہر اک فریق بدستور دوسرے کے مستقل وجود کا اقرار کرے گا اور وہ باہم اہل معاہدہ کہلائیں گے اور ان سے کئے ہوئے معاہدوں کا احترام جدید و قدیم سب مسلمانوں پر لازم ہوگا اور ظاہر و باطن کسی طرح ان سے عہد شکنی روا نہ ہوگی کیونکہ حق تعالیٰ نے ہمیں اس کی اجازت نہیں دی ہے کہ ہم صرف اپنے مسلمان بھائیوں ہی کی مدد کریں اور ان فریق معاہدہ کفار کو سراسر نظر انداز کردیں جنھوں نے ہماری حکومت کا اقتدار تسلیم کرلیا ہو۔ جیسا کہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاِنِ اسْتَنْصَرُوْکُمْ فِی الدِّیْنِ | اگر تمہارے غیر مہاجر مسلمان بھائی تم سے کسی دینی

فَعَلَيْكُمُ النَّصْرُ اِلَّا عَلٰى قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ۔ پ ۱۰۔ ع ۴

معاملہ میں مدد طلب کریں تو تم پر ان کی مدد کرنا لازم ہے مگر ان لوگوں کے برخلاف ان کی مدد کرنا جائز نہیں جن کا تم سے کوئی عہد و پیمان ہو۔

رہا مشرکین کے برعکس ذمیوں کے ساتھ خدا کا نرم برتاؤ اور ان کے اسلام نہ لانے کے باوجود ان سے صرف جزیہ وصول کرنے پر اکتفا کرنا سو وہ اس لئے ہے کہ وہ آسمانی کتاب کے حامل ہیں اگر وہ اس کی طرف دل سے متوجہ ہوں اس میں غور و فکر کریں اور تعصب سے خالی الذہن رہیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی شریعت پر ضرور ایمان لے آئیں کیونکہ وہ بہ نسبت مشرکوں کے ایمان سے زیادہ قریب اور اس کی طرف مائل ہونے کی زیادہ صلاحیت رکھتے ہیں اس لئے کہ وہ اللہ کے وجود کا اقرار کرتے ہیں اور مسلمانوں سے صرف دو مسئلوں میں اختلاف رکھتے ہیں تیسرے میں نہیں اور وہ دو مسئلے بھی ایسے ہیں جن کی تعلیم اصولاً ان کا مذہب انھیں نہیں دیتا (بلکہ وہ ان کے خود ساختہ خیالات ہیں) درج ذیل آیات میں حق تعالیٰ نے اس کی یوں وضاحت فرمائی ہے:

اوّل۔ ان کا یہ خیال ہے کہ خدا کے کوئی اولاد موجود ہے جیسا کہ حق تعالیٰ نے ان کا یہ خیال آیت ذیل میں ظاہر فرمایا ہے:۔

(وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ عُزَيْرُ ِۨابْنُ اللّٰهِ) یہود نے یہ دعویٰ کیا کہ عزیر اللہ کے بیٹے ہیں۔ یعنی اس کا وہ کلمہ ہیں جس کے ذریعہ خدا نے تمام اشیا کو پیدا فرمایا ہے۔ حالانکہ ان کے پاس اس کے ثبوت میں کوئی دلیل موجود نہیں۔

(وَقَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيْحُ ابْنُ اللّٰهِ) اور نصاریٰ کا یہ دعویٰ ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام اللہ کے فرزند ہیں ان کی دلیل یہ ہے کہ حضرت مسیحؑ خدا کو (اَبی) باپ کہہ کر پکارتے تھے اس لئے وہ اس ابنیت کو عادی و رسمی ابنیت قرار دیتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ صرف تنہا وہی خدا کے ازلی فرزند ہیں پس وہ اسی کے اک جزو ہیں۔ مگر اسلام ان کے اس نظریہ کو قبول نہیں کرتا بلکہ

وہ یہ کہتا ہے کہ حضرت عیسیٰ کی خدا کے ساتھ فرزندی کی نسبت کا مطلب یہ ہے کہ بنی نوع انسان میں مرد و عورت کے مادہ کے اجتماع کے ذریعہ عام تخلیقی قاعدہ یعنی توالد و تناسل کے عام مروجہ طریقہ کے بر خلاف خدا کے کلمہ یعنی صرف حکمِ خداوندی کی بنیاد پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت ظہور میں آئی چنانچہ اس سلسلہ میں قرآن کریم خود یہی توضیح فرماتا ہے :-

اِنَّ مَثَلَ عِیسیٰ عِندَ اللّٰہِ کَمَثَلِ آدَمَ خَلَقَہٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَہٗ کُنْ فَیَکُوْن۔	اللہ کے نزدیک عیسیٰ کی ولادت حضرت آدم کی ولادت کی طرح ہے کہ اس نے ان کا مجسمہ مٹی سے بنا کر حکم دیا کہ ہو جا پس وہ موجود ہو گئے۔

اور وہ اس طرح وجود میں آنے کے باوجود بھی جنس بشری سے خارج نہیں ہوئے جیسا کہ خود خدا فرماتا ہے:

مَا الْمَسِیحُ ابْنُ مَرْیَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِہِ الرُّسُلُ وَ اُمُّہٗ صِدِّیْقَۃٌ ۔ کَانَا یَاْکُلٰنِ الطَّعَامَ۔	مسیح ابن مریم صرف خدا کے اک رسول ہیں اور کچھ نہیں اور ان سے پہلے اور بھی بہت سے رسول ہو گزرے ہیں۔ ان کی والدہ حق کی تصدیق کرنے والی تھیں اور یہ ہر دو برابر دوسرے انسانوں کی طرح کھاتے پیتے تھے۔

اور مسلمان - یہود اور نصاریٰ سب کے سب اس پر متفق ہیں کہ صرف خدا ہی تمام عالم میں تصرف کرنے والا اور وہی اس کا خالق اور نظم و نسق چلانے والا ہے۔ اسی نے تمام رسولوں کو اس غرض سے مبعوث فرمایا کہ وہ بنی نوع انسان کو خدا کے نزدیک پسندیدہ و ناپسندیدہ اعمال کو بتلائیں۔ نیز اس میں کسی کا بھی اختلاف نہیں ہے کہ خود مسیح علیہ السلام نے اپنے لئے الوہیت کا دعویٰ نہیں کیا بلکہ وہ ہمیشہ خدا کی وحدانیت اور اس کی طرف سے اپنی رسالت کا اعتراف فرماتے رہے ہیں۔ یوحنا کی انجیل میں خود ان کا ارشاد ہے :-

میہی ابدی زندگی ہے کہ انسان تجھے جان لیں کہ تنہا تو ہی حقیقی خدا ہے اور یسوع مسیح وہ ہے جسے تونے ہی اپنا رسول بنا کر بھیجا ہے۔"

نیز حضرت مسیح علیہ السلام نے کبھی بھی لوگوں کو اپنی یا اپنی والدہ کی پرستش کی دعوت نہیں دی اور اس کا کوئی بھی منکر نہیں ہے کہ آپ انسانوں کو صاف صاف خدا کی عبادت اور صرف اسی کی پرستش کی طرف بلاتے تھے پس یہ کہنا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا خدا کو "ابی" (میرے باپ) کے کلمہ سے خطاب کرنا آپ کے خدا کے جسمانی فرزند ہونے کو ثابت کرتا ہے اک ایسا امر ہے جسے اک امر واقعہ کی موجودگی نیز خود مسیح علیہ السلام کے خدا کی وحدانیت اور اس کی طرف سے اپنے منصبِ رسالت کے اقرار کے سامنے کوئی صحیح منطق ثابت نہیں کر سکتی اور نہ ہی نصاریٰ کو مسلمانوں کے مقابلہ میں اس خدا کی مکمل وحدانیت پر ایمان لانے کے بلند موقف میں لاکر کھڑا کر سکتی ہے جو صرف ایک ہے اپنی ذات وصفات میں یکتا ہے نہ اس کے کوئی اولاد ہے نہ وہ خود کسی دوسرے کی اولاد ہے۔ نہ کوئی اس کا ہمسر و برابر ہے۔ نہ اس نے کسی کو اپنا شریک حیات بنایا اور نہ کسی کو اپنی اولاد قرار دیا۔ اور ان کے اس ادعاءِ باطل کی کمتری کی جسے کوئی عقل سلیم بھی تسلیم کرنے پر آمادہ نہیں۔ اک دلیل یہ بھی ہے کہ اگر حضرت مسیح علیہ السلام خدا کے طبعی وجسمانی فرزند ہوتے جیساکہ تمہارا خیال ہے تو آپ کو اپنی زندگی میں وہ ہی حالات پیش نہ آتے جو دوسرے مخلوق کو پیش آتے ہیں اور آپ اسی طرح وفات نہ پاتے جس طرح اور دوسرے انبیاء نے وفات پائی تھی۔

(ذٰلِكَ قَوْلُهُمْ) یہ ہیں ان کے وہ اقوال جو انھوں نے عزیز ومسیح کے بارے میں (بِاَفْوَاهِهِمْ) خود اپنی زبانوں سے کہے ہیں پس ان کا ان اقوال سے مکر جانا ممکن نہیں (يُضَاهِئُوْنَ) وہ اپنے اس قول سے (قَوْلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ) عرب کے ان سابق مشرکوں جیسے بنا چاہتے ہیں جو یہ کہتے تھے کہ فرشتے خدا کی بیٹیاں ہیں (قَاتَلَهُمُ اللّٰهُ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ) انھیں خدا کی مار ہو کدھر بہکے چلے جارہے ہیں۔ یعنی یہ کفار دوسرے لوگوں کو بھی خالقِ دوجہان

کی توحید اور شرک سے پاک ہونے کی حقیقت امری سے جسے متفقہ طور پر تمام رسولوں نے بیان کیا ہے بھٹکا رہے اور گمراہ کر رہے ہیں۔

دوم ۔ ان کا یہ اعتقاد کہ خدا کے ساتھ دوسرے بھی تصرف و اقتدار میں خدا کے شریک ہیں حالانکہ یہ وہ نظریہ ہے جو خود ان کی انجیل میں بھی نہیں پایا جاتا اور اسلام تو آیا ہی صرف اس لئے ہے کہ بنی نوعِ انسان کو ماسوی اللہ کی پرستش کی غلامی سے نکال کر حقیقی آزادی دلائے (مِمَّن لَا يَضُرُّ وَلَا يَنفَعُ وَلَا يَشفَعُ وَلَا يُغنِي مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا) وہ ماسوی اللہ جو نہ توکسی کو کوئی نقصان پہونچا سکتے ہیں نہ نفع نہ خدا کے ہاں کسی کی شفاعت کر سکتے ہیں اور نہ ہی خدا کے وجود سے انسانوں کو بے نیاز و مستغنی کر سکتے ہیں اور درحقیقت اس دنیوی زندگی میں آزادی ہی انسان کی سب سے بڑی آرزو ہوتی ہے۔ پس اگر یہود و نصاریٰ قرآن کریم میں غور و فکر کرتے اور اسلام کی اصل حقیقت کو سمجھ لیتے تو ان تمام خرافات کو یک لخت ترک کر دینے میں لحظہ بھر بھی متردّد نہ ہوتے جو ان کے پادری انھیں سکھاتے ہیں اور جنھیں کوئی عقل سلیم تسلیم کر سکتی ہے نہ کسی صحیح منطق سے ان کا جواز ثابت ہو سکتا ہے۔ حق تعالیٰ نے اپنے اس ارشاد میں اسی نکتہ کی طرف اشارہ فرمایا ہے:۔

(اِتَّخَذُوا اَحبَارَهُم وَرُهبَانَهُم اَربَابًا) یہود و نصاریٰ نے اپنے علماء و دراویش کو اپنا رب قرار دے لیا ہے یعنی وہ ان کی اتنی ہی عظمت کرتے ہیں جتنی رب کی ہونی چاہئے اور ان سے اتنی ہی غیر معمولی محبّت رکھتے ہیں جیسی رب سے کرنی چاہئے اور ان کی طرف وہ تمام تصرفات منسوب کرتے ہیں جن پر خدا کے سوا کسی کو بھی قدرت حاصل نہیں ہے اور ان کے تمام شخصی احکام کی تعمیل کرتے ہیں (مِن دُونِ اللّٰهِ) اور انھوں نے خدائے قدوس کو ترک اور نظر انداز کر دیا ہے۔ خدا کے سوا ان کے یہی دوسرے معبودانِ باطل جب ان کے لئے کچھ چیزیں جائز قرار دیتے ہیں تو وہ انھیں جائز سمجھ لیتے ہیں اور جب وہ کسی چیز کو حرام بتاتے ہیں تو وہ اس کی حرمت کا یقین کر بیٹھتے ہیں۔ اگر وہ انھیں اللہ کے سوا کسی

دوسرے کی پرستش کا حکم دیتے ہیں تو وہ اس پر لبیک کہتے اور ان کی اطاعت کرنے لگتے ہیں اور اللہ کے اس صریح حکم کو ایک طرف رکھ دیتے ہیں کہ:

(وَاِنَّ الْمَسَاجِدَ لِلّٰہِ فَلَا تَدْعُ — بلا شبہ مسجدیں تو صرف خدا ہی کو پکارنے کے لئے
مَعَ اللّٰہِ اَحَدًا) — ہیں پس ان میں اس کے ساتھ کسی دوسرے کو ہرگز مت پکارو۔

اور چونکہ ربوبیت (پروردگاری) کی صفت طبعاً الوہیت (خدائی اور اس کے قابل عبادت ہونے) کو مستلزم ہے۔ کیونکہ صرف مخلوق کا پالنے والا ہی پرستش و عبادت کے لائق ہو سکتا ہے۔ اسی لئے حق تعالیٰ نے یہ حکم دیا ہے کہ:

(وَمَا اُمِرُوْا اِلَّا لِیَعْبُدُوْا — انھیں خدا کی طرف سے صرف یہی حکم ملا ہے کہ
اِلٰھًا وَّاحِدًا) — وہ بس اسی ایک خدا کی عبادت کیا کریں۔

اور مذہب کے معاملہ میں اس کے سوا کسی دوسرے کی فرمانبرداری نہ کیا کریں کیونکہ صرف اسی کی ایک ہستی ہے جو کسی چیز کو حلال یا حرام کرنے کا حق رکھتی ہے (سُبْحَانَہٗ) وہ ذات تمام عیوب سے بالکل پاک ہے (عَمَّا یُشْرِکُوْنَ) جو لوگ اس کے ساتھ دوسروں کو شریک قرار دیتے یا اس کے سوا انبیاء علماء دین۔ درویشوں اور پادریوں کو اس کا شریک بناتے ہیں وہ ذات ان سب سے بلند و برتر اور شرک سے مبرا و منزہ ہے۔ (یُرِیْدُوْنَ) نصاریٰ و یہود یہ چاہتے ہیں کہ (اَنْ یُّطْفِئُوْا نُوْرَ اللّٰہِ) اللہ کے نورانی چراغ یعنی توحید الٰہی کے اس پیغام کو جسے خدا کی طرف سے تمام انبیاء و مرسلین متفقہ طور پر لیکر آئے ہیں (بِاَفْوَاھِھِمْ) اپنی پھونکوں سے بجھا دیں اور اپنی زبانوں سے وہ نت نئی باتیں بنا بنا کر بیان کریں جو انھیں اللہ سے دور کر دیں اور اس کے صحیح راستہ سے بھٹکا دیں۔ (وَیَاْبَی اللّٰہُ اِلَّآ اَنْ یُّتِمَّ نُوْرَہٗ) لیکن خدا کو یہ منظور نہیں بلکہ وہ یقیناً اپنے نور یعنی دین اسلام کو درجۂ عروج و کمال تک پہونچا کر ہی رہے گا اور اسے حضرتِ محمد خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام بنی نوعِ انسان کی طرف عام بعثت کے ذریعہ اچھی طرح

واضح اور ظاہر کر دے گا۔ وہ نبی کریم جنھوں نے ان مخالفینِ اسلام کو رسوا کر دیا ان کے من گھڑت اقوال کو غلط ثابت کر دیا اور انبیاء سابقین نے مخلوق کو صرف ایک پروردگارِ عالم کی عبادت کی جو دعوت دی تھی اس کی اصل حقیقت سب پر واضح فرما دی۔ انسان کے افکارِ خفتہ کو بیدار فرما دیا۔ دلوں کے وجدان سے اپیل فرمائی اور اک ٹھوس و مدلل شریعت لیکر مبعوث ہوئے جو بنی نوعِ انسان کو بتوں اور خدا کے سوا دوسرے کمتر مخلوق کی پرستش تو کجا اپنے ہمجنس انسانوں تک کے سامنے جھکنے سے منع کرتی ہے۔ آپ نے ان عبادات کی تعلیم دی جو انسانی نفوس کو پاک بنا دیں انھیں غیر الٰہی قیود سے آزاد کر کے حقیقی روحانی آزادی دلا دیں اور ان میں اپنے صحیح نفع اور نقصان کی جانچ کا شعور و ادراک بیدار کر دیں ان کی طبائع میں بلند اخلاق کے جوہر پیوست کر دیں اور انھیں ہر قبیح و مذموم عادت سے بیگانہ اور بلند و بالا کر دیں (وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ) اگرچہ یہ امر کافروں کو کتنا ہی ناگوار کیوں نہ گزرے۔ ان کی ناگواری کی وجہ یہ ہے کہ خدا نے ان کا جھوٹ سب پر ظاہر فرما دیا۔ ان کے علماء اور پادریوں کے اقتدار کو ختم فرما دیا۔ جس بخشش اور مغفرت کو یہ پادری انھیں خود اپنی طرف سے دیتے تھے اور وہ اپنی تنگ خیالیوں کی بنا پر انھیں قبول کر لیتے تھے انھیں ان کے اس خود ساختہ حق سے یکسر محروم کر دیا۔

(يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا) اے ایمان والو! تم نے کچھ سمجھا بھی کہ یہ اقوام اپنی پھونکوں سے اسلامی چراغ کو کیوں گل کر دینا چاہتی ہیں (إِنَّ كَثِيرًا مِّنَ الْأَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ) واقعہ یہ ہے کہ ان کے بہت سے مذہبی عالم اور درویش اپنے روحانی اقتدار کے مدعی ہیں۔ جس کے مطابق وہ عوام پر حکومت کرتے ہیں۔ اور انھیں یقین دلاتے ہیں کہ وہ ان کے اپنے گناہوں سے توبہ کو قبول کر لینے اور خدا کے ہاں جس کی چاہیں شفاعت کرنے کی قدرت رکھتے ہیں اور اس کے معاوضہ میں وہ ان عوام سے مالی ٹیکس وصول کرتے ہیں اور اس طرح یہ لوگ (لَيَأْكُلُونَ أَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ) لوگوں کے مال غیر شرعی طریقہ پر ہضم کر جاتے ہیں حالانکہ

وہ گناہوں کی بخشش پر قطعاً قادر نہیں ہیں کہ وہ ان پر اس کا احسان جتا سکیں اور نہ ہی ان کا اُخروی اُمور میں کوئی اثر و اقتدار ہے کہ وہ کسی کو جنت یا دوزخ میں داخل کرا سکیں اور وہ یہ سب جانتے ہوئے بھی اکثر غیر شرعی اور نامناسب طریقہ پر عمل پیرا ہیں۔

(وَيَصُدُّونَ عَنْ سَبِيلِ اللهِ) اور لوگوں کو اللہ کے راستے سے بھٹکاتے اور خاتم النبیین کی شریعت کے اتباع سے روکتے رہتے ہیں اس طرح کہ اپنے ماننے والوں کے دلوں میں یہ بات بٹھا دیتے ہیں کہ انھوں نے ان سے حاصل کئے ہوئے مال کے معاوضہ میں خدا کے نائب کی حیثیت سے ان کے تمام اہم اُمور کی کفالت کا بار اپنے ذمہ لے لیا ہے۔

(وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ اللهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ) اور جو لوگ سونا چاندی جمع کر کے زمین میں دفن کر رکھتے ہیں اور خدا کی راہ میں اسے خرچ نہیں کرتے انھیں خدا کے دردناک عذاب کی وعید سنا دیجئے یعنی جبکہ فی نفسہ سونے چاندی کا جمع کرنا اور خدا کی راہ میں خرچ نہ کرنا ہی ایسا سخت جرم ہے کہ اس کا مرتکب شدید عذاب کا مستحق قرار دیدیا گیا ہے تو اس شخص کے انجام کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے جو مال بھی غیر شرعی طریقہ پر جمع کرتا ہو اور اسے صرف اپنی ذات پر ہی خرچ بھی کرتا رہے جیسے اسنے ہر وقت لوگوں کو راہِ خدا سے روکتے رہنے کے لئے وقف کر رکھا ہو (يَوْمَ يُحْمَىٰ عَلَيْهَا) جس دن ان جمع شدہ دھاتوں کو تپایا جائے گا جن کی صرف ذخیرہ اندوزی کی گئی ہو اور انھیں نیک کاموں میں صرف نہ کیا گیا ہو تو ان اموال کو جو ناجائز طریقوں سے ذخیرہ کر کے لوگوں کو راہِ خدا سے بھٹکانے کے لئے صرف کئے گئے ہوں بدرجۂ اولیٰ تپایا جائے گا۔ (فِي نَارِ جَهَنَّمَ) اور اس دوزخ کی آگ میں تپایا جائے گا جو ایسوں کو دردناک عذاب دینے کے لئے تیار کی جا چکی ہے۔

(فَتُكْوَىٰ بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوبُهُمْ وَظُهُورُهُمْ) پھر اس سونے چاندی کو دوزخ کی آگ میں تپا کر ان بخیلوں کے چہروں - پہلوؤں اور پیٹھوں کو داغا جائے گا اور ان سے

کہا جائے گا (هٰذَا) یہ وہ ہی سونا ہے (مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ) جسے تم اپنے لئے جمع کر کرکے رکھتے تھے اور دنیا میں صرف تم ہی اس سے مستفید ہوتے تھے۔ آج اسے ہی تپا کر تمہیں عذاب دینے میں استعمال کیا جا رہا ہے (فَذُوْقُوْا) پس آج تم (مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ) اپنی اس ذخیرہ کردہ دولت کے وبال کا مزہ بھی چکھو۔

۶۔ حق تعالیٰ نے مہینوں سے جو احکام متعلق فرمائے ہیں ان کی پابندی اور اس کے مقررہ احکام میں کسی تغیر و تبدل کے ذریعہ مقررہ حدود سے تجاوز نہ کرنا جیسا کہ حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

(اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ) بلاشبہ ان مہینوں کی تعداد جن سے قمری سال مرتب ہوتا ہے۔ (عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا) خدا کے نزدیک بارہ ماہ ہے۔ ہر مہینہ چاند کے نمودار ہونے کے وقت سے شروع ہوتا ہے جو ان پڑھ دہقانیوں اور تعلیم یافتہ شہریوں کو یکساں طور پر آنکھ سے نظر آجاتا ہے۔ (فِیْ كِتٰبِ اللّٰهِ) یہ سب اللہ کی کتاب (لوحِ محفوظ) میں موجود ہے جس میں اس نے چاند کی رفتار اور اس کی منزلوں کے تعین کا پورا نظام بتایا ہے تاکہ اس کے ذریعہ سالوں کا شمار ہو سکے اور دوسرا حساب کتاب بھی مرتب ہو سکے۔

(یَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ) اسی دن سے لوح محفوظ میں موجود ہے جس دن اس نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا تھا۔ اس لئے نہ مہینوں میں کوئی اختلاف ممکن ہے نہ ان کے نام اور اوقات میں کوئی ردو بدل ہو سکتا ہے۔ خدا نے یہ بھی فرمایا ہے کہ (مِنْهَآ اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ) ان مہینوں میں سے چار مہینے جن میں تین ماہ ذوالقعدہ - ذوالحجہ اور محرم مسلسل ہیں اور ایک ماہ یعنی رجب منفرد ہے (حُرُمٌ) یہ چاروں بڑے ادب و احترام والے مہینے ہیں جن میں حق تعالیٰ نے اولاً حضرت ابراہیم و اسمٰعیل علیہما السلام کے واسطہ سے انسانوں کو ان متبرک مہینوں میں جنگ و جدل نہ کرنے کا امتناعی حکم دیا تھا اس کے بعد سے اب تک تمام عرب ان کے اس قول کو بتواتر نقل کرتے چلے آئے ہیں (ذٰلِكَ) یعنی مہینوں کی محترم و غیر محترم دو قسموں

میں تقسیم اور ان میں محترم مہینوں کی تعداد کا تعین ہی (الدِّینُ القَیِّمُ) سیدھا دین ہے۔ جن کی حرمت کا لحاظ رکھنا ہی خدا کے بتائے ہوئے راستہ پر چلنا ہے (فَلَا تَظۡلِمُوا فِیهِنَّ) پس تم ان حرمت والے مہینوں میں (اَنفُسَکُمۡ) ان مہینوں سے متعلقہ احکام میں کسی قسم کے تغیر تبدل یا ان کے احترام کو نظر انداز کر کے گناہوں کے ارتکاب سے اپنی جانوں پر ظلم نہ کرو۔ (وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِينَ) اور ان مشرکوں سے جو ان مہینوں کے احترام کے قائل نہیں ہیں (کَآفَّةً) بلا استثناء سال کے بارہ مہینوں میں برابر جنگ کرتے رہو (کَمَا یُقَاتِلُونَکُمۡ کَآفَّةً) جیسا کہ وہ بھی تم سے ان مہینوں کے احترام کی پرواہ کئے بغیر ان مہینوں میں جنگ کرتے رہتے ہیں۔ (وَاعۡلَمُوۡا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الۡمُتَّقِیۡنَ) اور خوب جان لو کہ یقیناً حق تعالیٰ ان پرہیزگاروں کا ساتھی اور مددگار ہے جو خدائی احکام سے سرتابی کے دردناک انجام سے ڈرتے ہیں۔

(اِنَّمَا النَّسِیۡٓءُ)[1] اور خوب سمجھ لو کہ مذکورہ حرمت والے مہینوں کو اپنی مرضی کے مطابق مقدم مؤخر کرنا جیسا کہ عرب جاہلیت کیا کرتے تھے (زِیَادَةٌ فِی الۡکُفۡرِ) کفر کی زیادتی اور پختگی کی دلیل ہے اور کفار یہ عمل اس لئے کرتے تھے کہ وہ یہ جانتے تھے کہ قمری حساب سے کبھی حج کا زمانہ گرمی میں اور کبھی سردی میں آتا ہے جس سے انھیں جسمانی تکالیف کے علاوہ ان کے اپنے دنیوی کاروبار میں بھی رکاوٹ پڑتی ہے کیونکہ حج کا موسم جب گرمی میں آتا تو تاجر زائرین کم آتے اس لئے وہ حج کا وقت شمسی سال کے حساب سے مقرر کرتے اور چونکہ شمسی سال کے دن قمری سال سے کچھ زائد ہوتے تھے اس لئے انھیں عمل کبیسہ[2] کی ضرورت محسوس ہوئی جس کی وجہ سے دو صورتیں پیدا ہو جاتی تھیں۔

اوّل یہ کہ ان اضافوں کی بنا پر حساب پورا کرنے کی غرض سے بعض مرتبہ وہ بعض سالوں

---

[1] شرعی اصطلاح میں مہینوں کو مقدم مؤخر کرنے کو نسیٔ کہا جاتا ہے۔ م

[2] مہینوں یا دنوں کی تقسیم کا حساب برابر کرنے کے لئے سال پر کچھ دن اضافہ کرنے کو کبیسہ کہا جاتا ہے۔ م

کو تیرہ ماہ کا قرار دیدیا کرتے تھے۔

دوم یہ کہ کبھی وہ بجائے خدا کے معین کردہ مہینوں کے حج کی تاریخیں دوسرے قمری مہینوں میں مقرر کردیا کرتے تھے۔ نتیجہ یہ ہوتا کہ ایک سال حج ماہ ذی الحجہ میں ہوتا تھا تو اس کے دوسرے سال محرم میں اور تیسرے سال صفر میں پڑتا تھا۔ علیٰ ہٰذا یہی سلسلہ جاری رہتا یہاں تک کہ یہ دور پورا کر کے پھر چھتیس سال میں دوبارہ حج کا زمانہ ذی الحجہ کے مہینہ میں آتا تھا ان کے اس عمل سے دو نتیجے نکلتے تھے:

اوّل۔ مہینوں کی تعداد میں اضافہ ہو جاتا تھا۔ دوسرے۔ جس مہینہ کو شرعاً حرمت کا مرتبہ حاصل تھا وہ کسی دوسرے مہینہ کو حاصل ہو جاتا تھا اور یہ وہ عمل تھا جس سے خدائی حکم میں دخل درمعقول اور منصبِ ربوبیت میں دست اندازی لازم آتی تھی کیونکہ انھوں نے اپنے اس عمل سے اپنی خواہش و مرضی کے مطابق دین میں ان غیر شرعی اُمور کو داخل کرنا شروع کردیا تھا جن کی خدا نے اجازت نہیں دی تھی۔ حالانکہ صرف خدائے واحد ہی کسی چیز کو حلال یا حرام قرار دینے اور عبادتوں کے اوقات کو معین فرمانے کا حق رکھتا ہے اور کفار نے شمسی مہینوں کے حساب سے عبادت کا وقت مقرر کرنے میں اپنی دنیوی مصلحتوں کا لحاظ رکھا تھا۔ اور قمری حساب میں خدا کی جو حکمت ہے اسے نظر انداز کردیا تھا۔ اور وہ یہ ہے کہ یہ محترم و مقدس مہینے نمبروار سال کی تمام فصلوں میں آتے رہیں تاکہ اس سلسلہ کی وجہ سے سال کے تمام حصّوں میں عبادات کا تسلسل رہے مثلاً جس نے تیس سال تک روزے رکھے اس نے گویا سال کے ہر ہر حصّہ میں روزے رکھ لئے علیٰ ہٰذا حج کے بھی نمبروار ہر موسم میں آتے رہنے کا یہی ثمرہ مرتب ہوگا نیز اس صورت میں یہ نتیجہ بھی مرتب ہوگا کہ اگر مؤمن سردی میں روزے کی لذّت پائے تو گرمی میں اس کی سختیوں پر صبر بھی کرے۔ علیٰ ہٰذا جس طرح سردی میں احرام باندھنے کی وجہ سے حاجی سردی کی تکالیف کو برداشت کرنے کا ثواب حاصل کرتا ہے اسی طرح موسم گرما میں گرمی کی شدّت پر صبر کرنے کا اجر بھی حاصل کرسکے۔ اور بندہ ادائے عبادات میں جس قدر مشقت و تکلیف

برداشت کرے گا حق تعالیٰ آخرت میں اسی مقدار سے اس کے ثواب کا تعین فرمائے گا۔ (یُضَلُّ بِہٖ) کفار حرمت کے مہینوں کے گھٹاؤ بڑھاؤ کی وجہ سے جن سے کفر میں اضافہ لازم آتا ہے۔ (الَّذِیْنَ کَفَرُوْا) اپنے دوسرے مطیع کافروں اور اپنی بات کے ماننے والوں کو گمراہ کرتے رہتے ہیں۔ (یُحِلُّوْنَہٗ عَامًا وَّیُحَرِّمُوْنَہٗ عَامًا) یہ لوگ ایک سال توان مہینوں کو اپنے جنگی اغراض کیلئے حلال کر لیتے اور انہیں کو دوسرے سال حرام قرار دے لیتے ہیں یعنی انھوں نے جنگ کے جواز و عدم جواز کے مہینوں کی تعیین کو اپنے ارادوں کے مطابق اک کھیل بنا رکھا ہے (لِیُوَاطِئُوْا عِدَّۃَ مَا حَرَّمَ اللّٰہُ) تاکہ اس طرح حرمت والے مہینوں کی گنتی پوری کر لیں یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ کے مطابق حرمت والے مہینوں کی گنتی کسی طرح بھی چار تک پوری کر دیں (زُیِّنَ لَھُمْ سُوْٓءُ اَعْمَالِھِمْ) ان کے یہ برے اعمال انھیں بہتر معلوم ہوتے ہیں کیونکہ وہ اپنے اس فعل کو درست اور مبنی بر حکمت سمجھتے ہیں۔ (وَاللّٰہُ) اور درحقیقت خدا کی شان اور منشاء یہ ہے کہ (لَا یَھْدِی) وہ حق اور صحیح راستہ کی طرف (الْقَوْمَ الْکٰفِرِیْنَ) اس کافر قوم کی بالکل رہنمائی نہ کرے جسے ہدایت کی راہ سجھائی ہی نہیں دیتی اور جو اپنے من مانے خیالات سے ہی متاثر اور اپنی ناروا خواہشات ہی کے تابع رہتی ہے۔

۷۔ جنگ کی مکمل تیاری رکھنا اور خدائی پیغامبر کی دعوت پر لبیک کہنے کیلئے ہر وقت تیار رہنا کیونکہ خدا کو اس کا اچھی طرح علم تھا کہ بعض مسلمان غزوۂ تبوک کے میدان میں جہاد کے لئے جانے کو آمادہ نہ تھے بلکہ ٹال مٹول اور دیر کر رہے تھے۔ پس خدا نے ان کے دل سے یہ کیفیت دور کر دینی چاہی اور انھیں تعمیل حکم میں ایک لمحہ بھی تردد کو دخل نہ دینے کا حکم دیا چنانچہ فرمایا:

(یَٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَا لَکُمْ اِذَا قِیْلَ لَکُمُ انْفِرُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اثَّاقَلْتُمْ اِلَی الْاَرْضِ) اے ایمان والو! تمہیں کیا ہو گیا کہ جب تمہیں راہِ خدا میں جہاد کیلئے میدان میں نکلنے کا حکم دیا جاتا ہے تو تم زمین پر بھاری بنے جاتے ہو اور تمہارے قدم نہیں اُٹھتے۔

تم خوب جان لو کہ میں تمہارے اس عمل سے راضی نہیں ہوں (اَرَضِیتُم بِالحَیٰوۃِ الدُّنیَا) کیا تم محض اس دنیوی زندگی اور اس کی فانی اور کمتر لذتوں پر (مِنَ الاٰخِرَۃِ) آخرت کی اعلیٰ اور دائمی نعمتوں کے مقابلہ میں قانع ہو گئے ہو (فَمَا مَتَاعُ الحَیٰوۃِ الدُّنیَا) پس دنیوی زندگی کی وہ حقیر نعمتیں جنھیں تم اچھا سمجھتے ہو (فِی الاٰخِرَۃِ اِلَّا قَلِیلٌ) اُخروی نعمتوں کے فوائد کے مقابلہ میں ان کے فائدے بالکل ہیچ ہیں۔ کوئی عقلمند شخص جو اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتا ہو۔ ہرگز اس پر راضی نہیں ہو سکتا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آخرت کی نعمتوں کے مقابلہ میں دنیوی نعمتوں کو ان کی ذاتی حقیقت اور مدت کے اعتبار سے کمتر و حقیر بتلانے کی مثال یوں دی ہے کہ "جیسے کسی شخص نے دریا میں انگلی ڈبو کر اُٹھالی ہو" پھر فرمایا: "اب تم خود ہی سمجھ سکتے ہو کہ اس عمل سے اسے کیا اور کتنا فائدہ حاصل ہوگا"

(اِلَّا تَنفِرُوا) اگر تم اللہ کے منادی کے جہاد فی سبیل اللہ کی طرف بلانے پر جہاد کیلئے نہ نکلو گے تو (یُعَذِّبکُم) خدا تمہیں (عَذَاباً اَلِیماً) دنیا ہی میں دردناک عذاب دے گا اس طرح کہ تمہیں بالکل کمزور کر دے گا اور ظالم حکام یا مستعمرین کا غلام بنادے گا (وَیَستَبدِل) اور تمہارے بدلے میں (قَوماً غَیرَکُم) تمہارے علاوہ ایک دوسری قوم لے آئیگا۔ جو تم سے بہتر ہوگی (وَلَا تَضُرُّوہُ شَیئاً) اور تم اس کی اطاعت نیز اس کے دین کی خدمت سے گریز کر کے اس کا کچھ بھی نہ بگاڑ سکو گے کیونکہ ذلت کی آگ سے جسے داغا جائے گا وہ تم ہو گے رہا اس کا دین سو وہ دوسرے مختلف طریقوں سے اپنے دین کی تائید اور امداد کرنے پر پوری طرح قادر ہے۔ (وَاللّٰہُ عَلٰی کُلِّ شَیءٍ قَدِیرٌ) اور بلاشبہ خدا ہر چیز پر قادر ہے اسے کوئی چیز اس امر سے نہیں روک سکتی کہ اگر وہ چاہے تو تم پر ایسی وبا مسلط کر دے جو تمہارے آخری شخص تک کو فنا کر ڈالے (اِلَّا تَنصُرُوہُ) اگر تم اپنے رسول کی مدد نہ کرو گے جو تمہیں اسلامی جہاد کی دعوت دیتے ہیں (فَقَد نَصَرَہُ اللّٰہُ) تو حق تعالیٰ ان کی خود مدد کر چکا ہے۔

(اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا) جبکہ انھیں کافروں نے گھر سے نکال دیا تھا اور اپنے خیال میں انھوں نے آپ کو زندوں کی فہرست سے ہی خارج کر دیا تھا کیونکہ وہ آپ کو قتل کرنے کے ارادہ سے رات بھر جاگتے رہے تھے اور انھیں یہ یقین ہو چکا تھا کہ اب آپ ان کے ہاتھ سے بچ نہ سکیں گے۔ اس وقت آپ کے ساتھ آپ کے دوست حضرت ابوبکرؓ کے سوا دوسرا کوئی نہ تھا۔ (ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ) اور آپ غار ثور میں اپنے رفیق سفر کے ساتھ منجملہ دو کے دوسرے تھے اور ان کے سوا آپ کے ہمراہ نہ اور آدمی تھے نہ اور کوئی تیاری تھی (اِذْ يَقُوْلُ) جب آپ کفار کے غار ثور پر سے گزرتے وقت اللہ پر اپنے عظیم اعتماد اور اس کی مدد پر بھروسہ کی بنا پر (لِصَاحِبِهٖ) اپنے دوسرے ساتھی حضرت ابوبکرؓ پر کچھ خوف وہراس اور حزن وملال کے آثار دیکھ کر ان سے فرما رہے تھے (لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا) کہ اے ابوبکر کچھ غم نہ کرو کیونکہ خدا اپنی پوری تائید و مدد اور نگہبانی کے ساتھ ہمارا ساتھی ہے اور اللہ اپنی مغلوب نہ ہونے والی مدد اور زیر نہ ہو سکنے والی قوت کے ساتھ جس کے ساتھ ہو اسے بالکل کسی قسم کے خوف وہراس کو دل میں جگہ نہ دینی چاہیے (فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلَيْهِ) پس خدا نے آنحضرتؐ کے رفیق حضرت ابوبکرؓ پر جو دہشت زدہ تھے اپنی تسلی نازل فرمائی (وَاَيَّدَهٗ) اور اپنے رسول کی ہر ہر موقع پر (بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا) نظر نہ آنے والی غیبی قوتوں اور خدائی لشکروں کے ذریعہ مدد فرمائی (وَجَعَلَ) اس طرح خدا نے (كَلِمَةَ الَّذِيْنَ كَفَرُوا) کفار کی اس بات کو جس پر وہ متحد ہو چکے تھے اور جس کے ظہور کو لازمی سمجھتے تھے (السُّفْلٰى) ایسا ہیٹا کر دیا اور نیچا دکھا دیا کہ اس کی کوئی قدر وقیمت ہی نہ رہی (وَكَلِمَةُ اللّٰهِ) اور خدا کے ارشاد ہی کا جس کا وہ نفاذ چاہتا اور اسی کا حکم فرماتا ہے (هِيَ الْعُلْيَا) بول بالا ہو کر رہا (وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ) اور خدا ہی عظیم الشان اقتدار رکھنے والا (حَكِيْمٌ) اور زبردست حکمت وتدبیر والا ہے۔

۸۔ راہِ خدا میں اپنی جان ومال کے ساتھ جہاد کرنے کی دعوت دینے والے کی دعوت کو قبول کرنا جیسا کہ خدا کا ارشاد ہے:

(اِنفِرُوا) جہاد کے اعلانِ عام کے ساتھ ہی گھروں سے نکل کھڑے ہو (خِفَافاً و ثِقَالاً) خواہ شخصی اسباب اور دیگر رکاوٹوں کی وجہ سے تم پر اس وقت شرکتِ جہاد گراں ہو یا سبک تر۔ مگر تمہیں کسی حال میں بھی کوئی عذر نہ ہونا چاہئے بجز اس کے کہ خدا کی طرف سے ہی بیماری وغیرہ کی کوئی رکاوٹ و مجبوری پیش آجائے۔ (وَجَاهِدُوا) اور خدا کے ان دشمنوں سے جو گمراہی کے مقصد کے لئے تم سے جنگ کرتے ہیں (بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ) اپنی جانوں اور مالوں ہر دو وسائل کے ساتھ جنگ کرو اگر تم دونوں پر قادر ہو اور اگر کوئی ایک صورت پر قادر ہو دوسری پر نہ ہو تو اللہ نے اس پر بقدر استطاعت ہی شرکتِ جہاد لازم قرار دی ہے (فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ) بہر صورت خدا کی راہ میں جنگ کرنے کی مشترک غرض و غایت یہ ہونی چاہئے کہ خدا کے کلام کی سربلندی۔ اس کے دین کی مدد۔ اس کی شریعت کا قیام اور خدا کی مرضی پر عمل ہو (ذٰلِكُمْ) تمہیں جہاد پر جانے کا جو حکم دیا گیا ہے اس پر لبیک کہنا (خَيْرٌ لَّكُمْ) دنیا اور آخرت ہر دو میں تمہارے لئے بہتر ہے۔ دنیا میں اس لئے کہ تمہارا یہ فعل تمہارے دشمنوں کو تم سے خوفزدہ اور مرعوب اور انہیں تمہارے احترام پر آمادہ رکھے گا اور ان کی نظر میں تمہارا موقف عزت و احترام کا ہوگا اور آخرت میں اس لئے کہ تم نے خدائی احکام کی تعمیل کی اور اپنے آپ کو خدائی عزت و سربلندی کے انعام کا اہل اور مستحق قرار دیدیا (اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ) اگر تم اُمورِ الٰہیہ کے اسرار و حقائق کو سمجھ لوگے تو تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ خدا تم پر اس وقت تک کوئی امر فرض نہیں کرتا جب تک کہ اس میں تمہاری کوئی بھلائی اور سعادت مضمر نہ ہو۔ اور حق سبحانہ تعالیٰ ہی زیادہ بہتر جاننے والا ہے۔

سورۂ براءت کے مضمرات کی توضیح

چونکہ معاہدۂ حدیبیہ خدا کی طرف سے اس کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اک کھلی ہوئی سیاسی فتح تھی - اس لئے حق تعالیٰ نے آپ کی طرف سورۂ براءت نازل فرمائی تاکہ اس کے ذریعہ مشرکوں کو حج اکبر کے دن ڈرا کر اپنے محبوب بندے پر اپنے عظیم الشان کرم کا اظہار فرمائے کیونکہ اس میں آپ کے لئے ایسے اصول وضع فرمائے گئے تھے جن پر آپ کی حکومت کی بنیاد قائم ہو سکے - آپ کی شریعتِ مقدسہ کی حفاظت ہو سکے - شرق سے غرب تک آپ کی دعوت بلند ہو اور تمام قوموں میں آپ کی قوم سربلند و ممتاز ہو -

پس زمین و آسمان اور ان کے درمیانی عالم کو پیدا فرمانے والے اور مرئی و غیر مرئی تمام جہانوں کے آقا حق سبحانہ تعالیٰ نے بنی نوعِ انسان کی اصلاح کرنی چاہی تو انھیں میں سے رسولوں کو بھی منتخب فرمایا جو انھیں اس اصلاح کے طریقے بتائیں - ان سے صرف خدا کے واسطے محبت رکھیں اور انھیں خدا کی اطاعت کی طرف بلائیں تاکہ وہ اس طرح خدا کی خوشنودی اور اس کا عظیم تر ثواب حاصل کر سکیں - ان تمام رسولوں میں سب سے آخری رسول حضرت محمد بن عبداللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے جو دینِ حق لیکر خدا کی رحمت کی خوشخبری اور عذاب کی دھمکی کے ساتھ مبعوث ہوئے اور وہ آخرت تک تمام بنی نوع انسان کی طرف رسول بنا کر بھیجے گئے -

اِن رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اہم فریضہ لوگوں کو عرفانِ خداوندی کی دعوت دینا - اس کی وحدانیت کا اعتراف کرانا ان سے اپنی رسالت کی تصدیق کرانا اور ان سے اس

خاص قانون پر عمل کرانا تھا جو خود رب العزت نے آپ کو تحریر کرایا تھا اور وہ دستور قرآن کریم ہے جو اک مکمل نظام العمل ہے جسے حق تعالیٰ نے اپنی مخلوق کے حالات و نفسیات سے کماحقہ واقفیت کی روشنی میں ان کے اخلاق کی اصلاح ان کی سعادت و کامرانی کی ضمانت ان کے حق میں اس دنیا اور آخرت ہر دو زندگیوں کی گوناگوں نعمتوں اور راحتوں کی کفالت کی بنیاد پر وضع فرمایا ہے اور آخرت کی نعمتیں وہ نعمتیں ہیں جن سے انسان بالکل بے خبر ہے اور اس زندگی کے صحیح مضمرات اور اطاعت گزاروں کے لئے جو دائمی نعمتیں اور منکرین کے لئے جو دردناک عذاب اس نے وہاں تیار کر رکھے ہیں ان سے وہ خود ہی اچھی طرح واقف ہے۔

اور یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس امر کی دعوت دیتے تھے وہ اللہ کے وجود کا دلی اعتقاد اور اس کی طرف سے اس کے رسولوں کے ذریعہ لائے ہوئے تمام محسوس و غیر محسوس اور واضح اور غیر واضح غرض و غایت والے جملہ احکام پر کامل ایمان لے آنے کی دعوت تھی اسی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر اسلام قبول کرنے والے کے دل میں ان عقائد کو راسخ کر دینے کے لئے مختلف طریقے اختیار فرمائے یہاں تک کہ ان کے دلوں نے ان عقائد کو اپنے اندر جذب کر لیا اور وہ ان کے خون میں پیوست ہو گئے اس طرح وہ اک ایسی عظیم الشان قوت بن کر صفحۂ عالم پر نمودار ہوئے کہ پھر دنیا کی کوئی طاقت انھیں ان عقائد سے متزلزل نہ کر سکی۔ اوّلاً مسلمان اللہ کے وجود پر ایمان لے آئے پھر خدا کی طرف دل سے متوجہ ہو گئے جس کے نتیجہ میں انھوں نے اپنے اوپر خدا کے فضل و کرم کی بارشیں دیکھیں۔ اس لئے وہ خدا سے دل سے محبت کرنے لگے۔ سویدائے قلب سے رسالتِ رسول ﷺ کی تصدیق اور آپ کی اتباع کرنے لگے۔ انھیں آپ کی تعلیمات میں سرتاسر خوبی ہی خوبی نظر آئی اس لئے وہ از خود یہ خواہش کرنے لگے کہ اسلام اس ٹھوس و مستحکم عقیدہ کی حیثیت سے عامۃ المسلمین کے قلوب میں جاگزیں ہو جائے کیونکہ وہ یقیناً حق پر ہیں اور انھوں نے تمام عالم کی فلاح و بہبودی، انھیں برائیوں اور گناہوں سے پاک وصاف کرنے اور انھیں کمال کے

ب تک بلند کرنے کے لئے اک حقیقی علاج معلوم کر لیا ہے اس لئے ان پر اس عقیدہ کو پختہ طور پر اختیار کرنے منکرین سے اس کی مدافعت کرنے اور اس کی عام تبلیغ اور نشر و اشاعت کرنا واجب ہے اور یہ صرف ان کی شخصی مصلحت کی بنا پر نہیں بلکہ اس لئے کہ یہ روشنی تمام عالم میں پھیل جائے۔ محاسن و فضائل کو سربلندی حاصل ہو اور لوگ دائمی عیش و راحت میں زندگی بسر کرنے لگیں۔ اس بنیادی مقصد کی تمہید کے طور پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکرؓ کو حج کے عام اجتماع میں درجِ ذیل احکام کے اعلان کا حکم فرمایا:۔

(۱۔ لَا یَدْخُلُ الْجَنَّۃَ کَافِرٌ) جنت میں کوئی کافر داخل نہ ہو سکے گا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ تمام دنیا جان لے کہ آج کے بعد خدا کی خوشنودی دین اسلام کی پیروی کے بغیر ناممکن ہے پس جو خدا کی خوشنودی حاصل کرنا چاہے جو دخول جنّت کا ذریعہ ہے اس پر اس کے رسول محمدؐ بن عبداللہ کی پیروی واجب ہے۔

(۲۔ لَا یَحُجُّ بَعْدَ الْعَامِ مُشْرِکٌ) اس سال کے بعد سے کوئی مشرک حج نہ کر سکے گا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اب مکّہ بتوں سے خالی ہو کر مؤمنوں کی عبادت کے لئے مخصوص ہو گیا ہے اس لئے یہ ضروری ہے کہ جو ماسوی اللہ کی عبادت کرتا ہو وہ اس کے پاس تک نہ آئے۔

(۳۔ لَا یَطُوْفُ بِالْبَیْتِ عُرْیَانٌ) آج سے کوئی شخص بحالتِ عریانی بیت اللہ کا طواف نہ کرے۔ اس کا مقصد زمانۂ جاہلیت کی رسوم کو ختم کرنا تھا اور یہ ظاہر کرنا تھا کہ حقیقی فضیلت و عظمت وہی ہے جسے آج کے بعد سے اس مقدّس سرزمین پر سربلندی حاصل ہوگی۔

(۴۔ مَنْ کَانَ لَہٗ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰہِ عَھْدٌ فَھُوَ اِلٰی مُدَّتِہٖ) جس کا رسول اللہؐ کے ساتھ کوئی سابقہ معاہدہ موجود ہو اس کی میعاد تک اس کی پابندی ہوگی۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ اسلام میں کسی معاہدہ سے انحراف جائز نہیں ہے بلکہ ختم مدت تک معاہدوں کا احترام کیا جاتا ہے۔

حق تعالیٰ نے ان اصولوں کے مطابق سورۂ براءت نازل فرما کر اپنے رسولؐ کو قوت بخشی چنانچہ اس سورت کے نازل ہوتے ہی آنحضرت صلعم نے فوراً حضرت علیؓ کو اپنا مندوب بنا کر حجاج کے عظیم اجتماع میں اعلان عام کرنے کے لئے روانہ فرمایا۔ اس سورت میں حق تعالیٰ اپنے مومن بندوں کو اس کا حکم فرماتا ہے کہ وہ اپنے اس اصولی عقیدہ کی پوری قوت سے حمایت و مدافعت کریں جس پر ان کی حکومت قائم ہے۔ اور خدا اور یوم آخرت پر ایمان نہ لانے والے مشرکین میں سے جو لوگ اس اسلامی اصول کی تنقیص۔ طعن و تشنیع یا مسلمانوں سے جنگ و جدل کریں ان سے مسلمان جب تک جہاد کرتے رہیں جب تک وہ اسلام نہ لے آئیں اور اس کے اصول کو تسلیم نہ کرلیں ان سے اس سے کم کوئی چیز ہرگز قبول نہ کی جائے جس کے وجوہ درج ذیل ہیں :-

۱- اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اسلامی تبلیغ کے وقت لوگ جس شرک پر قائم تھے وہ انتہا درجہ کی گمراہی اور جہل تھا جو انسانیت کی عظمت و برتری کے سراسر منافی تھا۔ پس یہ کسی طرح بھی مناسب نہ تھا کہ شرک کے حامیوں کو اس حال پر چھوڑ دیا جائے کہ وہ خدائے قدوس کو چھوڑ کر عقل و فکر سے بالکل معرا نفع و ضرر رسانی سے یکسر عاجز پتھروں کی عبادت کرتے رہیں۔

۲- شرک ایسی رسوم قبیحہ بدرواجاتِ ذمیمہ کا مجموعہ تھا جس سے انسانیت نفرت کرتی۔ ارواح انسانی اس سے بھاگتیں اور اجسامِ بشری اس سے لرز اُٹھتے۔ جیسے کہ بیت اللہ کے طواف کے وقت تمام لوگوں کے سامنے ننگے ہو کر طواف کرنا۔ جوان لڑکیوں کو زندہ دفن کر دینا۔ عورتوں کی حق تلفی کرنا۔ انھیں اک ناکارہ و حقیر متاع کے درجہ میں سمجھنا طرح طرح کے فتنوں کا پھیلانا۔ ارواح انسانی کو حقیر سمجھنا۔ آزاد عورتوں پر جبریہ دست درازی کرنا۔ ناجائز طریقوں سے لوگوں کے مال کھانا۔ اپنی شخصیت اور خاندان پر بیجا فخر و غرور کرنا اور ان کے علاوہ اور بہت سی مذموم رسمیں تھیں جن کا مقابلہ کرنا اور ان کا اثر جڑ بنیاد سے زائل کرنا ہر سمجھدار انسان کا فطری فریضہ ہے۔

۳۔ اس لئے کہ کفار کا اسلام کی مخالفت کرنے کا اثر اس عقیدہ کی روح تک پہونچتا ہے جو مومن کی عزیز ترین متاع ہے۔

۴۔ اس لئے کہ کفار کا وجود ہی اسلام کے وجود کے لئے ایک مستقل خطرہ ہے جو ہمیشہ اس کے خلاف فتنہ و فساد برپا رکھنے اور کبھی نہ کبھی اس پر غلبہ پا لینے کی دھمکی دیتا رہتا ہے۔

۵۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ جو دلوں کے اسرار سے بخوبی واقف ہے اس نے اپنے نبی کو قرآن میں اس کی اطلاع دی ہے کہ یہ ایسی قوم ہے جسے عہد و پیمان کا کوئی پاس و لحاظ نہیں ہے اور یہ کہ یہ لوگ کسی مؤمن کے بارے میں نہ تو کسی رشتہ داری کا پاس و لحاظ کرتے ہیں نہ کسی عہد و پیمان کا۔ اور اس سے قبل کئی مرتبہ مؤمنوں کے ساتھ معاملات کے سلسلہ میں ان سے اس کا عملی ظہور بھی ہو چکا ہے۔

رہے ان کفار کے سوا وہ اہل کتاب جو خدا پر اور حضرت موسیٰ و عیسیٰ علیہما السلام پر اتاری ہوئی آسمانی کتابوں پر ایمان لے آئے مگر انھوں نے ابھی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا اقرار نہیں کیا اور اسلام کی ہدایت اور اس کی آسمانی کتابوں میں ان کی خود ساختہ تبدیلی و تحریف کی تصحیح و درستی کو قبول نہیں کیا ان سے بھی خدا نے جہاد کرنے کو واجب قرار دیا ہے یہاں تک کہ وہ اسلام کے خدائی دین ہونے کا اقرار کر لیں تب انھیں اسلامی شہروں میں مسلمانوں کے ساتھ رہنے سہنے کی اجازت ہوگی کیونکہ وہ دوسروں کی بہ نسبت اسلام سے زیادہ قریب ہیں مگر ان سے شرط یہ ہوگی کہ انھیں مسلمانوں کی ہمراہ شرکتِ جہاد سے معافی کے مقابلہ میں اسلامی حکومت کو جزیہ کی اتنی رقم ادا کرنی ہوگی جسے وہ برداشت کر سکیں گے۔

اور حق تعالیٰ نے ان کے ساتھ حسن سلوک یا انصاف کو ملحوظ رکھتے ہوئے ان کی شان میں اور ان ہی جیسے ان چند کفار کی شان میں، جنھوں نے کبھی مسلمانوں سے جنگ کر کے یا کسی مسلمان کو تکلیف دے کر اسلام سے کوئی تعرض نہیں کیا یہ آیت نازل فرمائی:۔

عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّجْعَلَ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ کچھ بعید نہیں کہ خدا تمہارے اور تمہارے دشمنوں کے

الَّذِينَ عَادَيْتُمْ مِنْهُمْ مَوَدَّةً وَاللّٰہُ
قَدِيرٌ وَاللّٰہُ غَفُورٌ رَحِيمٌ - لَا يَنْهَاكُمُ
اللّٰہُ عَنِ الَّذِينَ لَمْ يُقَاتِلُوكُمْ
فِي الدِّينِ وَلَمْ يُخْرِجُوكُمْ مِنْ
دِيَارِكُمْ أَنْ تَبَرُّوهُمْ وَتُقْسِطُوا
إِلَيْهِمْ - إِنَّ اللّٰہَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ -
إِنَّمَا يَنْهَاكُمُ اللّٰہُ عَنِ الَّذِينَ
قَاتَلُوكُمْ فِي الدِّينِ وَأَخْرَجُوكُمْ
مِنْ دِيَارِكُمْ وَظَاهَرُوا عَلَىٰ
إِخْرَاجِكُمْ أَنْ تَوَلَّوْهُمْ وَمَنْ
يَتَوَلَّهُمْ فَأُولٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ -

پ ۲۸ - ع ۸

درمیان دوستی پیدا کردے اللہ کو سب قدرت ہے
اور وہ بڑا بخشنے والا اور رحم والا ہے اور جو لوگ دین
کے بارے میں نہ تم سے لڑے اور نہ انھوں نے تمہیں
تمہارے گھروں سے نکالا اللہ تمہیں ان کے ساتھ حسن سلوک
اور انصاف کرنے سے منع نہیں فرماتا۔ بلکہ خدا تو بلاشبہ
انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ بلاشبہ حق تعالیٰ تمہیں
ان لوگوں سے محبت و دوستی رکھنے سے منع فرماتا ہے۔
جنھوں نے دین کے بارے میں تم سے جنگ کی اور تمہیں
تمہارے گھروں سے نکال باہر کیا اور تمہارے نکالنے
میں دشمنوں کی مدد کی اور تم میں سے جو لوگ ایسے
لوگوں سے دوستی رکھیں گے بلاشبہ یہی لوگ ظالم
کہلائیں گے۔

حق تعالیٰ نے مومنوں کے دلی احساسات کی رعایت ملحوظ رکھتے ہوئے کفار کے فاسد عقیدوں ان کی نفرت انگیز عبادتوں اور مکروہ عادتوں کی وجہ سے مسلمانوں کو روحانی تکلیف سے بچانے کی خاطر ہر دو فریق کے بالمواجہ کفار کے لئے حرم کا دروازہ بند کر دیا۔ پس سورۂ براءت کی یہ آیات مشرکین کے تباہ کن رسوم ان کے ظلم و تعدی اور فتنہ و فساد پر اک حملہ اور آئندہ سے ان کی روک تھام کے لئے اک فولادی دیوار تھیں جو اس مقدس سرزمین میں فحش و گمراہی کو پھیلنے سے روکنے کیلئے قائم کردی گئی تھی وہ اسلام کے ابتدائی دور میں بہت ہی اچھا اور نمایاں اثر ظاہر ہوا اس منشور الٰہی کا لوگوں میں پھیلنا ہی تھا کہ مشرکین و کفار خود بخود ہی اس مقام مقدس میں حاضری سے رک گئے اور انھیں روکنے کے لئے کسی قوت کے استعمال کی ضرورت ہی پیش نہیں آئی۔ یہ خبر تمام عالم میں پھیل گئی جس کے نتیجہ میں ہر سمت سے وفود کا تانتا بندھ گیا جو

خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر اپنے قبولِ اسلام کا اعلان کرنے لگے اور دینی تعلیم کے لئے آپ سے مذہبی اساتذہ کی فرمائش کرنے لگے ان وفود میں مشرکین کے وفود بھی تھے اور اہل کتاب کے بھی۔ یہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات و اوصاف دیکھکر ایسے متاثر ہوتے کہ ان کے ایمان کی پختگی اور رسالت کی تصدیق میں اضافہ ہی ہوتا جاتا تھا۔ ان وفود میں جو سرداران قبائل حاضر ہوئے۔ انھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدستور ان کی قومی سرداری پر باقی رکھا اور اس سال کثیر وفود کے مذہبِ اسلام میں داخل ہونے کی وجہ سے اس سال کو "سالِ وفود" کہا جانے لگا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبلؓ کو یمن کی طرف روانہ فرمایا تاکہ وہ وہاں لوگوں کو دینی تعلیم دیں اور ان میں مذہبی بصیرت و استعداد پیدا کریں۔ چلتے وقت آپ نے انھیں یہ وصیت فرمائی:

"اے معاذ! لوگوں پر آسانی کرنا۔ مشکل اور تنگی نہ کرنا۔ لوگوں کو خوشخبری سناتے رہنا اور اسلام سے متنفر و بیزار نہ ہونے دینا۔ تم ایسی قوم میں جا رہے ہو جو تم سے سوال کریں گے کہ "جنت کی کنجی کیا ہے" تم جواب دینا کہ کلمہ "اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ"

علیٰ ہذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالد بن ولیدؓ کو یمن کے قریب نجران کے قبائل میں تبلیغ اسلام کے لئے بھیجا۔ چنانچہ وہ قبائل اسلام لے آئے اور انھوں نے ایک وفد رسول اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجکر اپنے اسلام کا اعلان کر دیا۔ اس طرح تمام جزیرۂ عرب میں اسلام پھیل گیا اور اک قطرۂ خون بہائے بغیر تمام مشرکین دینِ حق کے سامنے جھک گئے۔ اور سورت براءت میں مشرکین کو جنگ کی جو دھمکی دی گئی تھی رسول اللہؐ کو اس کی ضرورت ہی پیش نہ آئی۔ اگرچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی تلوار کھینچ کر ہر ہر جگہ گمراہ مشرکوں کا تعاقب فرماتے اور انھیں اپنے پروردگار کے احکام کی اطاعت پر مجبور فرماتے تو آپ کا یہ فعل بھی زیادتی نہ کہلاتا کیونکہ انسان سب کے سب بلا استثناء خدا کے ادنیٰ بندے

ہیں۔ اور یہ قرآن خدا ہی کی طرف سے تمام بنی نوع انسان کی ہدایت کے لئے نازل ہوا ہے اس لئے اس کی اطاعت ان کا فطری فریضہ ہے اور ہر سرکش کو جو خدائی احکام سے سرتابی کرے عذاب دینا ضروری ہے یہی انصاف ہے اور یہی صحیح منطق بھی ہے جس پر کسی کو کسی قسم کا بھی اعتراض نہیں ہو سکتا۔ مذاہب سابقہ نے ایسے عام احکام نہیں دئے تھے کیونکہ انبیاء سابقین علیہم السلام خاص اپنی اپنی قوموں کی اصلاح کے لئے مبعوث ہوئے تھے۔ انہیں خدا کی طرف سے عام طور سے عالم کے تمام انسانوں کو دعوت دینے کا حکم ہی نہیں ملا تھا۔ بخلاف دینِ اسلام کے جسے خاتم المرسلین تمام بنی نوع انسان کی طرف عمومی دعوت کی حیثیت سے لیکر مبعوث ہوئے اور آپ کو سورت براءت کے ابتدائی احکام کے اتباع کا حکم دیا گیا پس رسول ؐ نے ان سے تجاوز نہیں فرمایا اور کبھی لوگوں کو جبراً مسلمان بنانے کا ارادہ تک نہیں فرمایا۔

یہ امر انتہائی تعجب انگیز ہے کہ ہم اپنے موجودہ دور میں سنتے ہیں کہ بعض لوگ اسلام پر شدت تعصب اور شخصی آزادی کے سلب کرنے کا الزام لگاتے ہیں اور وہ ان آیات سے اسلام کی سختی اور اسے لوگوں پر جبر و قوت سے مسلط کر دینے کے دلائل مستنبط کرتے ہیں حالانکہ جیسا کہ ہم پہلے بیان کر آئے ہیں۔ اسلام کو اس سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔ رہی ان کی اپنے اس دینی عقیدہ میں شخصی عصبیت جسے وہ برحق سمجھتے ہیں سو اس کے ہونے میں کوئی شک نہیں کہ اس سے کوئی بُرائی ظاہر ہوتی ہے جیسے کہ دینداری۔ انسانی فضائل اور حسن تدبیر اور مسلمانوں کے دلوں میں مواعظ حسنہ کے ذریعہ لوگوں کی اس دینِ صحیح کی طرف رہنمائی کرنے کا جذبۂ صادق ہونا بہ معنی نہیں رکھتا کہ کوئی مسلمان کسی غیر مسلم کو محض اس لئے بُرا سمجھتا ہے کہ وہ اس کا ہم مذہب نہیں ہے بلکہ بات صرف اتنی ہے کہ وہ اس کے راہ راست پر آجانے کا متمنی ہوتا ہے بلکہ زندگی میں اس کی زندگی کی راہ کو روشن کر دینے کے وہ تمام وسائل اختیار کرتا ہے جو اسے اس کے رب سے قریب تر لے آئیں اور اسے اس کی دنیوی اور اُخروی ہر دو زندگیوں

میں فائدہ پہونچائیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری زندگی اس پر گواہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تبلیغ اسلام کی غرض کبھی بھی کسی قوم پر ان کے گھروں میں جاکر ہتھیاروں سے حملہ آور نہیں ہوئے بلکہ آپ نے اس مشرک میں جو سرے سے اللہ کے وجود ہی کا اقرار نہیں کرتا جو زمین و آسمان کا خالق ہے اور اس کافر میں جو اہل کتاب میں سے ہے اور جو اللہ پر ایمان رکھتا اور اپنے اس عقیدہ پر جو اس کے مذہبی اکابر سے ان ناقلین کے واسطہ سے جنھوں نے صدیاں گزرنے کے بعد دینی احکام کو تحریف و مسخ کر کے بعض احکام کو بدل کر اور غیر الٰہی احکام کو احکام الٰہی کی جگہ دے کر اس کے سامنے پیش کیا اور وہ ان ہی پر پختگی سے قائم ہے فرق فرمایا ہے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی ان مسخ اور تحریف شدہ کتابوں کی خدا کی طرف سے کی ہوئی تصحیح کے ساتھ انھیں صحیح راستہ بتانے کو تشریف لائے تو انھوں نے اسے قبول کرنے سے صاف انکار کر دیا بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین کے سننے کو بھی گوارا نہ کر کے اپنے کانوں ہی کو بند کر لیا۔ تب اسلام نے انھیں کافر کہا یعنی منکرین و ہٹ دھرم کیونکہ یہ لوگ اپنے سامنے پیش کردہ دلائل سے بحث ہی نہیں کرنا چاہتے اور ان کے خلاف پختہ دلیل قائم ہو جائے تب بھی اس پر یقین کرنے کو تیار نہیں بلکہ وہ محض اپنے آبائی مسلک پر عمل پیرا رہنے اور ان کی اندھی تقلید کرتے رہنے کے ارادہ ہی کی بنا پر بلا سوچے سمجھے ان ٹھوس و معقول دلائل کو ٹھکرا دیتے ہیں وہ یہ کہنا کافی سمجھتے ہیں کہ ہم بھی خدا پر ایسا ہی ایمان رکھتے ہیں جیسا تم رکھتے ہو ہم بھی اسے ایسا ہی ایک سمجھتے ہیں جیسا تم سمجھتے ہو، ہم بھی ویسی ہی نماز پڑھتے ہیں جیسی تم پڑھتے ہو۔ ہم حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ محترمہ علیہا السلام کو مقدس سمجھتے خدا کی بارگاہ میں انھیں اپنا شفیع سمجھتے اور مذہبی لوگوں میں سے آپ کے مقربین کی تعظیم کرتے اور ان کا واسطہ اختیار کرتے ہیں تاکہ وہ خدا کے یہاں ہمارا وسیلہ بنیں۔ ان خیالات پر حق تعالیٰ نے اپنے رسول کو ان لوگوں سے یوں خطاب کرنے کو فرمایا ہے؛

(قُلْ یَا اَیُّھَا الْکَافِرُوْن۔ لَا اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْن) اے پیغمبر اسلام! ان سے کہہ دیجئے کہ اے کافرو! جس کی تم عبادت کرتے ہو میں اس کی عبادت نہیں کرتا

یعنی وہ خدا جس کی تم عبادت کرتے ہو وہ وہ خدا نہیں ہے جس کی میں عبادت کرتا ہوں کیونکہ تم تو اس خدا کی عبادت کرتے ہو جس کے فرزند ہے اور جس کے پاس تمہارے تقرب کے لئے تمہاری شفاعت کرنے والے درمیانی متوسلین بھی ہیں اور میں ایسے خدا کی عبادت کرتا ہوں جو ان سب صفات سے پاک و مبرا ہے۔

(وَلَا اَنْتُمْ عَابِدُوْنَ مَا اَعْبُدُ) اور نہ تم ہی اس کی عبادت کرتے ہو جس کی میں عبادت کرتا ہوں۔

یعنی نہ تم میرے اس خدائے حاکم و عادل کی عبادت کرتے ہو جس کی بارگاہ میں بجز خالص توحید اور نیک اعمال کے باریابی ہی ممکن نہیں۔ رہا تمہارا وہ معبود جس کی تم عبادت کرتے ہو سو تم اس کے متعلق یہ عقیدہ رکھتے ہو کہ (نعوذ باللہ) وہ محبت کرتا ہے۔ عائلی تعلقات رکھتا ہے اور وہ ان درمیانی واسطوں کی بات سنتا ہے جن کی تعظیم و تکریم کے ذریعہ تم خدا تک رسائی حاصل کر سکتے ہو۔

(وَلَا اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدْتُّمْ) اور نہ ہی میں آئندہ بھی اس کی عبادت کروں گا جس کی تم عبادت کرتے ہو۔

یعنی میری عبادت تمہاری جیسی عبادت نہیں ہے۔

(وَلَا اَنْتُمْ عَابِدُوْنَ مَا اَعْبُدُ) اور نہ تم ہی آئندہ اسکی عبادت کروگے جس کی میں عبادت کرتا ہوں۔

یعنی تمہاری عبادت میری عبادت جیسی نہیں ہے کہ میری عبادت صرف خدائے واحد ہی کی عبادت ہے اور تمہاری عبادت میں شرک کی آمیزش اور اصلی خدا سے غفلت کا نقص موجود ہے۔

(لَکُمْ دِیْنُکُمْ وَلِیَ دِیْنِ) تمہارے لئے تمہارا دین ہے اور میرے لئے میرا دین۔

یعنی جس راہ کی طرف میں تمہیں بلاتا ہوں اور جس طریقہ پر تم چل رہے ہو ان ہر دو میں کسی

قسم کا بھی اشتراک نہیں ہے۔ اور ان قوموں اور فرقوں کو جو آج آزادانہ اور ڈیمقراطی (جمہوری) نظام حکومت کے دعویدار ہیں اور ہر ہر جگہ کمیونسٹوں سے اس بنا پر برسر جنگ ہیں کہ کمیونزم زمانۂ قدیم کے قائم شدہ مستحکم اقتصادی نظام کو تباہ کردینے والے نظریات کا حامل ہے اسلام پر تنقید کا حق نہیں پہونچتا جس نے صدیوں پہلے ہی شرک کے نو نظریات کو مٹانے کے لئے اس سے جنگ کی تھی دراں حالیکہ کمیونزم تو شرک کی ابتدائی منزل ہے۔

اور وہ حکومتیں جو تہذیب و تمدن کے قیام اور اخلاق و آداب کی حمایت کی دعویدار ہیں اور خاص خاص مقامات پر لوگوں کو عریانی سے روکتی ہیں اس اسلام پر تنقید کا حق نہیں رکھتیں جس نے اعلیٰ تہذیب و تمدن کی بنیاد قائم کرکے طلوع اسلام کی ابتدائی دور میں ہی لوگوں کو عریاں ہو کر بیت اللہ کا طواف کرنے سے روک دیا تھا۔

اور امریکہ جیسی عظیم الشان حکومت کو جس نے شراب کی مضرتوں کو تسلیم کرکے اس کے انسداد کی تدابیر اختیار کیں لیکن اس کا کلی استیصال نہ کرسکی یہ حق نہیں پہونچتا کہ وہ صدیوں قبل اسلام کے شراب کو حرام قرار دیدینے اور لوگوں کو اس سے بالکلیہ متنفر کردینے کی کامیابی پر کوئی الزام عائد کرے۔

علیٰ ہذا انگلستان و جرمن کی حکومتیں جنھوں نے علانیہ زنا اور بدچلنی کی مضرتوں کو محسوس کرکے ان کا انسداد کرنا چاہا مگر قوم نے ان کی بات قبول نہیں کی ان حکومتوں کو اس اسلام کو متہم کرنا کسی طرح بھی روا نہیں جس نے آج سے صدیوں پہلے نہ صرف زنا کو حرام ہی قرار دیدیا تھا بلکہ اس نے اس کے انسداد میں غیر معمولی کامیابی بھی حاصل کی اور سرے سے اس کے جراثیم ہی کو فنا کردیا تھا۔

اور آخر میں اس عالم کی تمام حکومتیں جو لوگوں کی مادہ پرستی اور اس کے نتیجہ میں روزانہ جھگڑوں کے پیدا ہونے نیز لوگوں میں عام طور سے سودی کاروبار کے پھیل جانے کی

عام دبا کی شاکی ہیں انھیں اسلام کی عیب جوئی و نکتہ چینی کا حق نہیں ہے جس نے اپنے پہلے ہی دور میں سود کی لعنت کو حرام کر کے لوگوں کو اس سے قطعاً روک دیا تھا اور اس نے اس کے بدلے انسانوں کے دلوں میں باہمی محبت - رواداری - معاونت اور ایک بھائی کے دل میں دوسرے بھائی کی طرف سے دلسوزی و ہمدردی کی تخم ریزی کے اس عظیم مقصد میں غیر معمولی اور حیرت انگیز کامیابی حاصل کی۔

پس آج بشریت کے سامنے تمام بنی نوع انسان کے آخری نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم بن عبداللہ کی شریعت مطہرہ کے اتباع کے سوا دوسرا اور کوئی راستہ ہی نہیں ہے جس کے ذریعہ وہ موجودہ مصائب و مشکلات سے نجات پا سکے۔

وفود کا سال

عامۃ الناس میں سورۂ براءت کا اعلان ہوا ہی تھا کہ ہر طرف سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں وفود آنا شروع ہوئے جو آپ سے آپ کی دعوت کی حقیقت معلوم کرتے اور کسی جنگ کے بغیر ہی ازخود اپنے اسلام کا اعلان کر دیتے حتیٰ کہ حق تعالیٰ نے سورتِ ذیل نازل فرمائی:۔

اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰہِ وَالْفَتْحُ وَرَاَیْتَ النَّاسَ یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰہِ اَفْوَاجًا۔ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ۔ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا۔

پ ۳۰ - ع - ۳۵

جب اللہ کی مدد اور فتح آپہونچی اور آپ نے دیکھ لیا کہ لوگ جوق در جوق اور گروہ در گروہ اللہ کے دین میں داخل ہو رہے ہیں تو اب آپ اس عظیم کامیابی کے شکریہ میں اپنے رب کی حمد و ثنا بیان کیجئے اس کی تسبیح و تقدیس کیجئے اور اس سے مغفرت طلب کیجئے تاکہ حقِ عبدیت کما حقہ ادا ہو جائے بیشک وہ بڑا توبہ قبول کرنے والا ہے۔

یعنی اس نقص سے اپنے رب کی تنزیہ و براءت بیان کیجئے کہ وہ اپنے دین کی مدد اور آپ کی تائید کرنے میں کسی قسم کی وعدہ خلافی کرے گا اور اس شاندار مدد کی مدت میں قدرے تاخیر کی بناء پر آپ کے دل میں جو حزن و ملال پیدا ہو گیا تھا اس پر اس سے مغفرت طلب کیجئے۔ جس سنہ میں جہاد کی آیتیں نازل ہوئی تھیں اسے بکثرت وفود کی آمد کی وجہ سے "سن وفود" کہا جاتا ہے۔

ان وفود کے منجملہ ایک وفد بنی تمیم کا بھی تھا جس میں ان کے فصاحت و بلاغت میں مشہور اور بڑے مقررین میں سے "عطارد بن حاجب" اور ان کے اکابر شعراء میں سے جن کی ذہانت اور ادبی قابلیت کا ڈنکا بج رہا تھا "زبرقان بن بدر" جیسے فاضل آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ہم آپ کے سامنے اپنی قومی عظمت بیان کرنا چاہتے ہیں اس لئے آپ ہمارے مقرر اور شاعر کو اجازت دیجئے کہ وہ آپ کے سامنے کچھ بیان کریں آنحضرت ؐ نے بخوشی اجازت عطا فرمادی اس پر "عطارد" نے تقریر شروع کی جب وہ اپنی تقریر ختم کر چکے تو رسول اللہؐ نے "ثابت بن قیس" سے فرمایا کہ کھڑے ہو جاؤ اور اپنی تقریر سے ان مقرر کا جواب دو۔ چنانچہ حضرت ثابت کھڑے ہوئے اور ان کا جواب دیا۔ پھر وفد کے شاعر "زبرقان" نے کھڑے ہو کر اپنے قومی مفاخر و محامد میں ایک قصیدہ سنایا۔ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت "حسان بن ثابت" کو بلا کر انھیں زبرقان کے جواب میں کچھ کہنے کا حکم فرمایا چنانچہ وہ کھڑے ہوئے اور انھوں نے فی البدیہہ اشعار میں ان کا جواب دیا۔ جب وہ اپنا کلام سنا چکے تو لوگوں نے کہا کہ اس شخص کو قدرت کی طرف سے ہر ہر عظمت و بڑائی سے نوازا گیا ہے اس کا خطیب ہم سے بڑھا ہوا اور اس کا شاعر ہمارے شاعر سے بہتر ہے۔ ان کے انداز گفتگو اور لب و لہجے ہماری گفتگوؤں سے زیادہ شیریں ہیں۔ اس کے بعد وہ سب مسلمان ہو گئے اور رسول اللہؐ نے انھیں اعلیٰ اور بیش قرار انعامات دیکر رخصت فرمایا۔

اور آپ کی خدمت میں حاضر ہونے والے وفود میں قبیلۂ بنو عامر کا وفد بھی تھا جس میں عامر بن طفیل۔ جبار بن سلمی اور اربد بن قیس بھی شریک تھے انھوں نے باہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دھوکہ سے شہید کر دینے کے مشورے کئے اور اس مہم کو سر کرنے کے لئے آخری شخص (اربد بن قیس) سے عہد لیا۔ جب یہ اہل وفد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش ہوئے تو عامر بن طفیل نے آپ پر اپنے اسلام لے آنے کی یہ شرط پیش کی کہ آپ اسے اپنا خاص دوست اور ساتھی بنالیں۔ اس شرط سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انکار

فرما دیا بجز اس صورت کے کہ کسی دنیوی غرض کے درمیان میں لائے یا کسی قسم کی شرط کئے بغیر صرف خدائے واحد پر ایمان لایا جائے۔ اس پر یہ لوگ آپ کے پاس سے واپس ہو گئے اور چلتے وقت عامر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا "خدا کی قسم ہے میں اس میدان کو آپ کے مقابلہ میں گھوڑوں اور سواروں سے پاٹ دوں گا" اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بارگاہِ ایزدی میں عرض کیا:

"اے خدا! مجھے اس کی ایذا رسانی سے محفوظ رکھنا"

جب یہ لوگ آپ کی حضور سے باہر نکلے تو عامر نے اربد سے کہا:

اے اربد! کیا میں نے تم کو جس طرح اور جہاں بھی ہو سکے اس کام کو انجام دینے کو نہیں کہا تھا؟ اربد نے جواب دیا:

خدا کی قسم ہے تم نے مجھے حضرت محمدؐ کے قتل کا جو حکم دیا تھا میں نے اس کی تعمیل کا جب بھی ارادہ کیا تمہیں اپنے اور ان کے درمیان میں حائل پایا حتی کہ مجھے اپنے سامنے تمہارے سوا اور کوئی نظر ہی نہ آتا تھا تو کیا میں تمہیں ہی تلوار سے قتل کر ڈالتا؟

جب یہ لوگ اپنے گھروں کو واپس جانے لگے تو اثنائے راہ میں عامر کی گردن میں طاعون کی گلٹی نکلی اور وہ اپنی بستی میں پہونچنے سے پہلے ہی فوت ہو گیا۔ ادھر اونٹ پر سواری کی حالت میں اربد پر بجلی گری جس نے سوار و سواری دونوں کو جلا کر خاکستر کر دیا۔ چنانچہ انہی ہر دو کے بارے میں خدا نے یہ آیتیں نازل فرمائیں:

اللّٰہُ یَعْلَمُ مَا تَحْمِلُ کُلُّ اُنْثٰی وَمَا تَغِیْضُ الْاَرْحَامُ وَمَا تَزْدَادُ، وَکُلُّ شَیْءٍ عِنْدَہٗ بِمِقْدَارٍ۔ عَالِمُ الْغَیْبِ وَالشَّھَادَۃِ الْکَبِیْرُ الْمُتَعَالِ۔ سَوَآءٌ مِّنْکُمْ مَّنْ اَسَرَّ الْقَوْلَ وَمَنْ جَھَرَ بِہٖ	ہر ایک مادہ کے پیٹ میں جو کچھ حمل ہوتا ہے حق تعالیٰ اسے نیز ان کے پیٹوں کے گھٹاؤ بڑھاؤ کو اچھی طرح جانتا ہے اس کے یہاں ہر چیز ایک اندازے سے ہوتی ہے وہ ہر چھپی اور کھلی بات کا جاننے والا سب سے بڑا اور عالی شان ہے تم میں سے جو آہستہ بات کرے اور جو پکار کر کرے

ومن هو مستخف بالليل
وسارب بالنهار له معقبات
من بين يديه ومن خلفه
يحفظونه من امر الله ان الله
لا يغير ما بقوم حتى يغيروا ما
بانفسهم واذا اراد الله بقوم
سوءا فلا مرد له وما لهم
من دونه من وال -

پ ۱۳ - ع ۸

اور جو رات کو چھپا رہے اور دن کو بازاروں میں
چلتا پھرتا رہے - خدا کو ان سب کا یکساں علم ہے
اللہ کی طرف سے ہر انسان کے آگے پیچھے پہرہ دار فرشتے
مقرر ہیں جو بحکم خدا اس کی حفاظت کرتے رہتے ہیں
اللہ تعالیٰ کبھی کسی قوم کی اچھی حالت کو اپنی طرف سے
بری حالت میں تبدیل نہیں کرتا جب تک کہ وہ لوگ خود
ہی اپنے دلوں کی حالت نہ بدل ڈالیں اور جب وہ کسی قوم کو
عذاب مصیبت میں مبتلا کرنا چاہتا ہے تو پھر کوئی طاقت بھی
اُسے ٹالنے والی نہیں اور نہ ہی کوئی اس کے سوا اس کا مددگار
ہی ہو سکتا ہے -

منجملہ اور وفود کے قبیلۂ بنو سعد بن بکر نے اپنے قائد، ضمام بن ثعلبہ، کو خدمت اقدس میں بھیجا جب وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہونچا ہو اپنے صحابہ کے درمیان کسی امتیازی شان کے بغیر بے تکلف طریقہ پر تشریف فرماتے تو وہ آپ کو پہچان نہ سکا حتیٰ کہ اس نے سوال کیا کہ تم میں سے عبد المطلب کے فرزند کون سے ہیں ؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا - میں عبد المطلب کا فرزند ہوں - کہا کیا محمد ہو ؟ فرمایا - ہاں - عرض کیا : اے عبد المطلب کے فرزند ! میں آپ سے کچھ سوالات کروں گا اور سخت سوالات کروں گا - آپ اس پر میری طرف سے آزردہ خاطر نہ ہونا - آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا - نہیں میں تمہارے سوالات پر دل میں کچھ خیال نہ کروں گا - جو چاہو آزادی سے دریافت کرو - تب اس نے کہا - میں آپ کو اس خدا کی قسم دیتا ہوں جو آپ کا - آپ سے پہلوں کا اور آپ کے بعد آنے والوں کا خدا ہے - کیا واقعی اسی خدا نے آپ کو ہماری طرف رسول بنا کر بھیجا ہے ؟ آپ نے فرمایا - خدا کی قسم واقعہ یہی ہے پھر کہا میں پھر آپ سے اس خدا کا واسطہ دیکر پوچھتا ہوں جو آپ کا آپ سے پہلوں کا اور آپ کے

بعد آنے والوں کا خدا ہے کیا اسی خدا نے آپ کو اس کا حکم دیا ہے کہ آپ ہمیں صرف اسی ایک ذات کی عبادت کرنے اور کسی اور کو اس کا شریک نہ بنانے کا حکم دیں اور یہ کہ ہم ان شرکاء کو یکسر چھوڑ دیں جنھیں ہمارے آباؤ اجداد خدا کے ساتھ پوجتے تھے ؟ آپ نے فرمایا: خدا کی قسم ایسا ہی ہے۔ اس نے پھر کہا۔ میں آپ کو اس خدا کی قسم دیتا ہوں جو آپ کا۔ آپ سے پہلوں کا اور آپ کے بعد والوں کا خدا ہے کیا اسی نے آپ کو یہ حکم دیا ہے کہ ہم یہ پانچوں نمازیں پڑھا کریں؟ آپ نے فرمایا بے شک۔ پھر وہ اسی طرح فرداً فرداً اسلام کے تمام فرائض زکوٰۃ۔ روزہ۔ حج اور تمام اسلامی ارکان کو بیان کرتا رہا اور ہر فرض کے بیان پر آپ کو خدا کی قسم دیتا رہا جس طرح پہلے سوال پر قسم دی تھی حتی کہ جب سوالات سے فراغت پا چکا تو اس نے فوراً کلمۂ اشھد ان لا الٰہ الا اللہ واشھد ان محمدا رسول اللہ پڑھا اور یہ اقرار کیا کہ اب میں ان تمام فرائض کو ادا کروں گا اور جن باتوں سے آپ نے مجھے روکا ہے ان سے باز رہوں گا نہ ان پر کچھ اضافہ کروں گا نہ کمی کروں گا۔ اس کے بعد وہ یہاں سے واپس ہو کر اپنے اونٹ کے پاس آیا پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ "اگر اس نے سچ کہا ہے تو یہ شخص یقیناً جنّت میں داخل ہو گا" یہ شخص وہاں سے روانہ ہو کر اپنی قوم کے پاس آیا تو سب لوگ اس کے پاس جمع ہو گئے۔ اس نے سب سے پہلی بات جو ان سے کہی یہ تھی کہ "لات و عزیٰ بہت برے بُت ہیں۔ اس پر قبیلہ والوں نے کہا اے ضمام یہ بات چھوڑ دو اور برص۔ جذام اور جنون سے ڈرو۔ انھوں نے جواب دیا تم پر افسوس ہے۔ خدا کی قسم ہے یہ ہر دو بُت نہ کچھ نفع پہونچا سکتے ہیں نہ نقصان۔ بلاشبہ خدا نے اک رسول کو مبعوث فرمایا ہے اور اس پر کتاب نازل فرمائی ہے جس نے تمہیں ورطۂ گمراہی سے نکالا ہے اور میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ ایک ہے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور رسول ہیں۔ میں ان کے پاس سے تمہارے لئے اوامر و نواہی کے احکام لیکر آیا ہوں۔ خدا کی قسم ہے اس دن سے مردوں اور عورتوں میں سے کوئی بھی ایسا باقی نہ رہا جو ان کے پاس آیا ہو اور اس نے اسلام قبول نہ کر لیا ہو۔

انہی وفود میں قبیلۂ طے کا وفد بھی تھا جو زید الخیل کی سدارت میں حاضر خدمت ہوا۔ جب اہلِ وفد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہونچے تو آپ نے ان پر اسلام پیش فرمایا۔ پس یہ سب اسلام لے آئے۔ زید اپنی قوم تک اسلام کی دعوت پہونچانے کی نیت سے واپس ہوئے۔ لیکن اثنا راہ میں بخار میں مبتلا ہو کر فوت ہو گئے۔ ان کی بیوی نے ان کی سب تحریروں اور کتابوں کو جلا دیا۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قبیلۂ طے کی طرف ان کی ہدایت کے لئے انہی میں کے بعض مسلم افراد کو روانہ فرمایا۔ جب یہ لوگ ان تک پہونچے اور عدی بن حاتم طائی نے ان کی آمد کی خبر سُنی جو نصرانی تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے شدید بغض رکھتا تھا تو اسے اپنے بال بچوں کو لیکر اپنے ہم مذہب نصاریٰ کی طرف ملک شام کی سمت بھاگتے ہی بن پڑی۔ وہ صرف اپنی بہن "سفادہ بنت حاتم طائی" کو وہیں چھوڑ گیا۔ چنانچہ اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر کیا گیا۔ جب یہ حاضر خدمت ہوئی تو اس نے عرض کیا "یا رسول اللہ! خدا کی قسم ہے میرے والد تو فوت ہو چکے ہیں اور دراصل جو لوگ آپ کی خدمت میں پیش کئے جانے چاہئیں تھے وہ فرار ہو گئے ہیں۔ پس آپ مجھ پر کرم فرمائیے اللہ آپ پر کرم فرمائے گا۔ آپ نے فرمایا وہ پیش کئے جانے والا کون تھا؟ عرض کیا۔ عدی بن حاتم طائی۔ اس پر آپ نے فرمایا۔ وہ خدا اور رسول سے بھاگنے والا ہے۔ اس نے عرض کیا: اے محمد! اگر آپ مناسب سمجھیں تو مجھے چھوڑ دیں اور عرب قبائل کو مجھ پر ہنسی کا موقع نہ دیں کیونکہ میں اپنی قوم کے سردار کی بیٹی ہوں۔ میرے والد مظلوموں کی حمایت کرتے تھے قیدیوں کو چھڑاتے تھے۔ بھوکوں کو کھانا کھلاتے تھے۔ سلام کو رواج دیتے تھے اور کبھی کسی ضرورتمند کو محروم نہ لوٹاتے تھے۔ یہ سنکر آپ نے فرمایا۔ اے لڑکی درحقیقت یہ تو تمام کے تمام مؤمنوں کے اوصاف ہیں۔ اس کے بعد حکم فرمایا کہ اسے چھوڑ دو کیونکہ اس کے والد اخلاق حسنہ سے متصف تھے۔ پھر آپ نے اس سے فرمایا کہ میں نے تمہیں آزاد کر دیا لیکن واپسی میں جلدی نہ کرنا جب تک اپنی قوم کے کسی بھروسہ کے آدمی کو نہ پالو جو تمہیں تمہارے وطن تک پہونچا دے

نیز روانگی کے وقت میرے پاس ہو کر جانا۔ چنانچہ وہ روانگی کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا کہ میرا ارادہ ہے کہ شام میں اپنے بھائی کے پاس چلی جاؤں کیونکہ میری قوم کے کچھ لوگ آگئے ہیں جن پر مجھے بھروسہ ہے۔ کیا آپ مجھے ان کے ساتھ سفر کی اجازت مرحمت فرمائیں گے؟ آپ نے فرمایا۔ بہتر ہے۔ یہ کہکر اس کے سفر کی تیاری کا حکم فرمایا۔ حسبہ آپ کی طرف سے اس کے زادِ راہ کا انتظام ہوا اور آپ نے اسے لباس اور ضروری سفر خرچ عطا فرماکر عزت واحترام کی ساتھ شام کی طرف روانہ فرمادیا۔

اس موقعہ پر مناسب ہوگا کہ ہم عدی کی بہن کے وہاں پہونچنے پر اس کا مقولہ بیان کردیں وہ کہتا ہے کہ جب بہن میرے پاس آکر رکی تو اس نے فوراً مجھ پر ملامت کی بوچھار شروع کردی اور کہنے لگی۔ اے بے رحم ظالم تو اپنے بیوی بچوں کو تو ساتھ لے آیا اور اپنی ماں جائی کو جو تیری عزت تھی وہیں چھوڑ آیا۔

کہتا ہے میں نے جواب دیا۔ اے میری لاڈلی بہن۔ اب مجھے بُرا بھلا نہ کہہ۔ خدا کی قسم ہے میرے پاس اس فروگذاشت کا کوئی معقول عذر نہیں ہے۔ تونے جو کچھ بیان کیا ہے واقعی وہ سب صحیح ہے۔ کہتا ہے پھر وہ سواری سے اتری اور میرے پاس فروکش ہوئی۔ یہ اک مدبر وسنجیدہ خاتون تھی اس لئے میں نے اس سے پوچھا۔ اس شخص (محمدؐ) کے بارے میں تیری کیا رائے ہے؟ اس نے کہا۔ خدا کی قسم ہے تم جلدی اُن سے جاکر ملو۔ اگر وہ واقعی نبی ہیں تو ان کی طرف سبقت کرنے والے کو سبقت کی فضیلت حاصل ہوگی اور اگر وہ بادشاہ ہیں تب بھی تم ان کے قرب میں ہمیشہ باعزت رہو گے کیونکہ تم پہلے ہی سے باعزت ہو۔ عدی کہتے ہیں میں نے یہ سنکر کہا کہ "واللہ یہ بہت صائب رائے ہے" پس میں گھر سے روانہ ہوگیا تاکہ مدینہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوں۔ جب میں وہاں پہونچا تو آپ مسجد میں تشریف فرما تھے۔ میں نے سلام عرض کیا۔ فرمایا۔ کون شخص ہے؟ عرض کیا۔ عدی بن حاتم۔ یہ سنکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوگئے۔ اور مجھے اپنے گھر لے چلے۔ آپ مجھے لئے جارہے تھے کہ راہ میں اک

بڑھیا آپ کو ملی جس نے آپ کو ٹھہرایا آپ ٹھہر گئے اور اس سے اس کے حالات و ضروریات کے متعلق دیر تک استفسار فرماتے رہے، یہ دیکھکر میں نے اپنے دل میں کہا واللہ یہ بادشاہ نہیں ہیں۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے ہمراہ لئے ہوئے آگے چلے حتی کہ جب مجھے اپنے مکان میں لیگئے تو ایک نارے سے بھرا ہوا چمڑہ کا گدا میری طرف بڑھا کر فرمایا کہ اس پر بیٹھو۔ میں نے عرض کیا کہ اس پر آپ تشریف رکھیں۔ آپ نے فرمایا نہیں تم ہی بیٹھو پس میں اس پر بیٹھ گیا اور آپ خود زمین پر بیٹھ گئے۔ یہ دیکھکر میں نے اپنے دل میں کہا کہ واللہ یہ کسی بادشاہ کا فعل نہیں ہے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اے عدی بن حاتم! کیا تم رکوسی نہیں ہو؟ (رکوسی اک قوم تھی جس کا دین نصاریٰ اور بے دینوں کے مذہب کے مابین تھا) میں نے عرض کیا۔ بے شک۔ پھر آپ نے فرمایا کیا تم اپنی قوم سے اپنے لئے مال غنیمت کا چوتھائی وصول نہیں کیا کرتے تھے؟ عرض کیا۔ بیشک۔ پھر آپ نے فرمایا۔ کیا یہ صحیح ہے کہ یہ عمل تمہارے مذہب میں جائز نہیں؟ میں نے عرض کیا بے شک جائز نہیں" عدی کا بیان ہے کہ اب میں نے جان لیا کہ وہ سچے نبی ہیں کہ نا معلوم باتوں کو جانتے ہیں۔ پھر آپ نے فرمایا۔ اے عدی۔ شاید تم مسلمانوں کی غربت و شکستہ حالی دیکھکر اسلام قبول کرنے سے رکتے ہو۔ خدا کی قسم ہے عنقریب وہ وقت آئے گا کہ ان پر دولت کی وہ بارش ہوگی کہ کوئی اسے لینے والا اور سمیٹنے والا نہ ملے گا۔ اور شاید تمہیں اسلام کے دشمنوں کی کثرت اور ان کی عددی قلت اسلام لانے سے روکتی ہے پس خدا کی قسم ہے وہ وقت قریب ہے جب تم ایک عورت کے متعلق سن لوگے کہ وہ اپنے اونٹ پر سوار ہو کر قادسیہ سے نکل کر بیت اللہ کی زیارت کے لئے تن تنہا روانہ ہو جائے گی اور اسے کسی قسم کا خوف نہ ہوگا اور شاید تمہارے اسلام میں داخل ہونے سے یہ امر مانع ہے کہ ملک اور بادشاہت دوسری قوموں میں ہے۔ پس خدا کی قسم ہے وہ وقت قریب ہے کہ تم مسلمانوں کے ہاتھوں بابل کے سفید محلات کو فتح ہوتے سن لوگے۔ عدی کہتے ہیں کہ یہ سن کر میں اسلام لے آیا۔ وہ یہ بھی کہتے تھے کہ آپ کی مذکورہ پیشین گوئیوں

میں سے دو پوری ہو چکی ہیں صرف تیسری ابھی باقی ہے خدا کی قسم ہے وہ بھی ضرور پوری ہو کر رہے گی۔ میں نے اپنی زندگی میں بابل کے شاہی سفید محلات، کو مسلمانوں کے ہاتھوں فتح ہوتے دیکھ لیا اور میں نے یہ بھی دیکھ لیا کہ اک عورت اپنے اونٹ پر تن تنہا سوار ہو کر بغیر کسی خوف و دہشت کے قادسیہ سے حج بیت اللہ کے ارادہ سے روانہ ہوئی اور اطمینان سے حج کر کے بخیر واپس ہو جاتی ہے اور خدا کی قسم ہے تیسری بات بھی یقیناً پوری ہو کر رہے گی یعنی مال کی اس قدر افراط ہو جائے گی کہ اس کا لینے والا بھی نہ ملے گا۔

انہی وفود میں آٹھ ارکان پر مشتمل کندہ کا وفد بھی تھا جو "اشعث بن قیس" کی صدارت میں حاضر ہوا یہ لوگ اس ہیئت سے خدمت میں حاضر ہوئے کہ ان کے بال سنورے ہوئے تھے سرمہ لگا ہوا تھا۔ نہایت نفیس یمنی چادروں کے جبّے پہنے ہوئے تھے۔ جن کے اطراف ریشمی سنجاف لگے ہوئے تھے۔ جب انھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا تو فرمایا کیا تم لوگوں نے ابھی اسلام قبول نہیں کیا ہے؟ عرض کیا ہم اسلام لے آئے ہیں۔ آپ نے فرمایا پھر تمہارے جبّوں پر یہ ریشم کیسا؟ اس پر انھوں نے اسے وہیں پھاڑ کر پھینک دیا۔ پھر "اشعث بن قیس" نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! ہم لوگ آکل المرار کی اولاد سے ہیں اور آپ بھی اسی خاندان کے فرزند ہیں[1] یہ ان مفاخر کی طرف اشارہ تھا جن کے ذریعہ یہ لوگ زمانۂ جاہلیت میں دوسروں پر اپنے فخر و سربلندی کا اظہار کیا کرتے تھے۔ مراد یہ ہے کہ وہ لوگ شاہی گھرانہ سے متعلق اور آپ کے ہم جد ہیں اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تبسم فرمایا اور فرمایا کہ تم لوگ اس نسبت سے

---

[1] حارث کندی ایک بادشاہ گزرا ہے جس کا لقب "آکل المرار" تھا اس کی اولاد "بنو آکل المرار" کہلاتی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ننہیالی سلسلۂ نسب اس شاہ سے جا ملتا ہے اسلئے اہل وفد نے اس جہت میں آپ کی ہم نسبی اور شاہی نسبت پر اظہار فخر کیا تھا جس سے آپ نے اظہار بیزاری فرمایا۔ مرار عرب میں ایک بہت کسیلا درخت ہوتا ہے جسے اونٹ کھاتے ہیں اور جب کھانے سے ان کے ہونٹ ادھر ادھر ابھر جاتے اور دانت باہر نکل آتے ہیں اس طرح ان کی صورت بھیانک ہو جاتی ہے ایسے اونٹ کو آکل مرار یعنی مرار کھانے والا کہا جاتا ہے۔ حارث کی بیوی نے کسی موقع پر حارث کی خشونت و برہمی کی تصویر اسے مرار کھانے والے سے تشبیہ دیکر کی تھی تب سے اس کا لقب "آکل المرار" پڑ گیا۔ ۱۲

عباس بن مطلب اور ربیعہ بن حارث کو منسوب کرد (مجھے اس نسبت پر فخر کی ضرورت نہیں) جب اشعث نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سُنا تو انھوں نے دوسرے ارکین وفد کی طرف متوجہ ہوکر کہا۔ خدا کی قسم ہے میں آیندہ سے جس شخص کو بھی یہ فخریہ کلمات کہتے ہوئے سنوں گا۔اس کے سو دُرّے لگاؤں گا۔

نیز سلاطین بنی حمیر، حارث بن عبد کلال، نعیم بن عبد کلال۔ نعمان قیل ذی رعین۔ معافر اور ہمدان کا ایک مشترک قاصد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا جس کے ذریعہ ان سلاطین نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے اسلام قبول کرلینے۔ شرک کو ترک کردینے اور مشرکوں سے بالکل علیٰحدگی اختیار کرلینے کی اطلاع دی جس کے جواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں تحریر فرمایا

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ یہ مکتوب نبی خدا محمد رسول اللہ صلعم کی طرف سے حارث بن عبد کلال۔ نعیم بن عبد کلال۔ نعمان قیل ذی رعین۔ معافر اور ہمدان کی طرف بھیجا جاتا ہے۔

امابعد۔ میں اولاً تمہارے پاس اس خدا کی حمد و ثنا کا تحفہ بھیجتا ہوں جو یکتا ہے اور اس کے سوا دوسرا کوئی خدا نہیں ہے۔ ملک روم سے واپسی پر مدینہ میں تمہارا قاصد مجھے ملا جس نے تمہارا پیغام مجھ تک پہونچا دیا تمہارے حالات سے مطلع کیا اور تمہارے اسلام قبول کرلینے اور مشرکوں کو قتل کرنے کی خبر بھی دی۔ بلاشبہ خدا نے اپنی طرف سے تمہاری رہنمائی فرمائی ہے۔ اب تمہاری اصلاح ہوگئی ہے۔ لہٰذا تم اللہ اور اس کے رسول کی کامل اطاعت کرو نماز و روزہ کی پابندی کرو۔ زکوٰۃ ادا کرو۔ اموالِ غنیمت میں سے اللہ کے نام کا پانچواں حصہ اور رسول اللہ کا حصہ اور ان کی ہر پسندیدہ چیز جسے وہ حصے کے علاوہ لینا چاہیں نیز مومنوں پر ان کی مزروعہ اراضیات میں جو محاصل فرض کئے گئے ہیں وہ سب ادا کرو ان کی تفصیل یہ ہے کہ نہر اور بارش کے پانی سے سیراب شدہ زمین کی پیداوار میں اس کا دسواں حصہ اور کنوئیں سے سیراب کردہ زمین کی پیداوار میں بیسواں حصہ۔ ہر چالیس اونٹوں میں ایک سہ سالہ مادہ اونٹنی ـــــ ہر تیس

اونٹوں میں ایک سہ سالہ نر اونٹ ـــــ ہر پانچ اونٹوں میں ایک بکری ہر دس اونٹوں میں دو بکریاں۔ ہر چالیس گائے میں ایک گائے۔ ہر تیس بچھڑے بچھڑیوں میں ایک بکرا یا بکری اور عام جنگل میں مفت چرنے والی ہر چالیس بکریوں میں ایک بکری دینی ہوگی۔ زکوٰۃ کی یہ مقدار تو فرض ہے جسے خدا نے مومنین پر لازم گردانا ہے اور جو اس سے زیادہ خیرات کرے تو یہ اس کیلئے اور بہتر ہوگا۔ جو یہ واجبات ادا کرتا رہا اور اپنے اسلام پر قائم رہا اور اس نے مشرکین کے مقابلہ میں مسلمانوں کا ساتھ دیا ایسا شخص مومنین میں شمار ہوگا۔ مسلمانوں کا مفاد اس کا مفاد ہوگا اور مسلمانوں کا نقصان اس کا نقصان ہوگا وہ اللہ اور اس کے رسول کی ذمہ داری میں رہے گا۔

اور یہود و نصاریٰ میں سے جو شخص اسلام لے آیا اس کے اور مومنین کے مفادات و نقصانات مشترک ہوں گے۔ اور جو شخص یہودیت یا نصرانیت پر باقی رہا اس کو جبراً اس کے ملک سے ہٹایا نہ جائے گا بلکہ اس پر صرف جزیہ لگایا جائے گا۔ ہر بالغ کو خواہ مذکر ہو یا مونث۔ آزاد ہو یا غلام معافریہ کپڑوں[1] کی قیمت کے بالمقابل فی کس پورا دینار رہا اس کے بالعوض کپڑا ادا کرنا لازم ہوگا۔ پس جس نے یہ محصول ادا کر دیا رسول اللہؐ اس کے جان و مال کی حفاظت کے ذمہ دار ہوں گے اور جس نے ادا نہ کیا وہ خدا اور رسول کا دشمن ہے۔"

ان وفود کے منجملہ حمیری سلاطین میں سے "زرعہ ذویزن" نے مالک بن مرہ رہاوی کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اپنی قوم کے اسلام قبول کر لینے کی اطلاع دیکر بھیجا جس کے جواب میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں مکتوب ذیل روانہ فرمایا:

اما بعد۔ اللہ کے رسول و نبی محمدؐ کی طرف سے زرعہ ذویزن کی طرف یہ مکتوب مرسل ہے کہ میرے قاصد جب تمہارے پاس پہونچیں تو میں تمہیں ان سے حسن سلوک سے پیش آنے کی

---

[1] معافر۔ نشیبی یمن کا ایک صوبہ ہے جس کا طول "ذبحان" سے "جبی" تک ہے۔ یہ وہاں کے متوطن ایک ہمدانی قبیلہ کے نام سے موسوم ہے جو "معافر" کہلاتا ہے لیکن اب یہ نام محو ہو چکا ہے اس کی جگہ اس حصہ کو "بلاد حجریہ" کہا جاتا ہے۔ یہاں کی صنعت پارچہ بافی مشہور ہے اور وہاں کے تیار شدہ کپڑے "معافریہ" کہلاتے ہیں۔ م

ہدایت کرتا ہوں۔ یہ حضرات معاذ بن جبل۔ عبداللہ بن زید۔ مالک بن عبادہ۔ عقبہ بن نمر۔ مالک بن مرہ اور ان کے دوسرے رفقاء کار ہیں۔ نیز یہ ہدایت کرتا ہوں کہ اپنی اطراف کے جزیہ اور صدقہ کی تمام رقوم جمع کر کے میرے ان فرستادوں کے سپرد کر دو۔ اس وفد کے رئیس معاذ بن جبل ہیں۔ وہ بہر صورت تم سے خوش واپس ہونے چاہئیں۔ زاں بعد محمد گواہی دیتے ہیں کہ خدا کے سوا اور کوئی دوسرا خدا نہیں اور یہ کہ محمد اس کے خاص بندے اور رسول ہیں۔ اور مالک بن مرہ رہاوی نے مجھ سے بیان کیا ہے کہ تم پہلے حمیری ہو جنھوں نے اسلام قبول کیا اور مشرکوں کو قتل کیا پس میں تمہیں بہتر مستقبل کی بشارت دیتا ہوں اور حمیری قوم سے حسن سلوک کی ہدایت کرتا ہوں اور تمہیں ہدایت کرتا ہوں کہ اب نہ تم کسی سے ڈرنا نہ کسی کے سامنے پستی و ذلت اختیار کرنا کیونکہ رسول اللہ تم میں کے امیر و غریب سب کے سرپرست ہیں اور تمہیں معلوم ہو کہ صدقہ نہ محمد کے لئے جائز ہے نہ ان کے اہل بیت کے لئے بلکہ وہ اک مالی زکوٰۃ ہے جسے مسلم فقرا و مسافرین پر صرف کیا جاتا ہے۔ مالک نے تمہاری سب باتیں محمد تک پہونچائیں اور جو باتیں تمہیں معلوم نہ تھیں وہ مجھ سے یاد کر لی ہیں میں تمہیں ان کے ساتھ بھی بہتر سلوک کرنے کی ہدایت کرتا ہوں۔ میں نے تمہارے پاس اپنے صحابہ میں سے صلحا و اتقیا اور علماء کو منتخب کر کے بھیجا ہے۔ میں تمہیں ان سے بہتر سلوک کرنے کا حکم دیتا ہوں کیونکہ ان کی بخیر واپسی پر لوگوں کی نظریں لگی ہوئی ہیں۔

والسلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ

ان ہی آنے والوں میں، بنو حارث بن کعب کا وفد بھی تھا ان کی طرف حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالد بن ولیدؓ کو تبلیغ اسلام کی غرض سے بھیجا تھا چنانچہ یہ اسلام لے آئے اور حضرت خالد کی ہمراہ ان کا وفد بھی مدینہ میں آیا۔ جب یہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ نے انھیں دیکھا تو فرمایا یہ کون لوگ ہیں یہ تو ہندوستانی سے معلوم ہوتے ہیں۔ عرض کیا گیا۔ یارسول اللہ یہ لوگ بنو حارث بن کعب

کے قبیلہ والے ہیں۔ جب یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آئے تو انھوں نے آپ کو سلام کیا اور عرض کیا ہم گواہی دیتے ہیں کہ بلاشبہ آپ اللہ کے رسول ہیں اور خدا کے سوا کوئی اور معبود نہیں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں بھی گواہی دیتا ہوں کہ خدا کے سوا کوئی اور معبود نہیں ہے اور میں اللہ کا رسول ہوں، پھر آپ نے فرمایا۔ کیا تم ہی وہ لوگ ہو کہ جب تمہیں کسی کام سے روکا جاتا ہے اور تنبیہ کی جاتی ہے تو تم نافرمانی میں اور شدید ہو جاتے ہو؟ یہ سن کر ان میں سے کسی نے بھی کچھ جواب نہیں دیا۔ آپ نے کرر اسی جملہ کا اعادہ فرمایا۔ مگر کسی نے بھی کوئی جواب نہیں دیا۔ پھر آپ نے سہ بارہ اعادہ فرمایا مگر سب نے سکوت اختیار کیا۔ پھر آپ نے چوتھی مرتبہ اسی کا اعادہ فرمایا تو ان میں سے یزید بن عبدالمدان نے عرض کیا۔ ہاں یا رسول اللہ ہم ہی وہ سرکش ہیں کہ جب ہمیں روکا جائے تو ہم مزید سرکشی کرتے ہیں۔ اس نے بھی اس جملہ کو چار مرتبہ دوہرایا۔ اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر خالد مجھے یہ نہ لکھدیتے کہ تم لوگوں نے اسلام قبول کر لیا ہے اور ان سے کوئی جنگ نہیں کی ہے تو میں تمہارے سروں کو تمہارے ہی پیروں تلے روندیتا۔ اس پر یزید بن عبدالمدان نے عرض کیا۔ خدا کی قسم ہے ہم نہ آپ کی تعریف کرتے ہیں نہ خالد کی۔ آپ نے فرمایا پھر کس کی مدح کرتے ہو؟ عرض کیا یا رسول اللہ! اس خدائے عزوجل کی جس نے آپ کے ذریعہ ہمیں صحیح راستہ بتایا اس جواب پر آپ مسرور ہوئے اور فرمایا تم نے سچ کہا۔

پھر آپ نے فرمایا زمانۂ جاہلیت میں تم سے جو بھی جنگ کرتا تھا اس پر تمہارے غالب رہنے کی کیا وجہ تھی؟ عرض کیا یا رسول اللہ! اس کی وجہ یہ تھی کہ ہم میں باہم اتحاد واتفاق تھا انتشار وافتراق نہ تھا نیز ہم کسی پر اپنی طرف سے ظلم کی ابتدا نہ کرتے تھے یہ سنکر آپ نے فرمایا، تم نے صحیح کہا۔

اور قیس بن حصین کو بنی حارث بن کعب پر امیر مقرر فرمایا پھر آپ نے عمرو بن حزم کو ان کی قوم میں بھیجا تاکہ وہ انھیں اسلامی فقہ۔ اسلامی تعلیمات اور سنتِ نبویہ کی تعلیم دیں

اور ان سے واجب الادا صدقات وصول کریں۔ اس سے متعلق ایک مفصل ہدایت نامہ انھیں لکھکر دیا گیا جس میں ان کی ذمہ داریاں اور فرائض اور ان سے متعلق احکام نبوت درج تھے وہ مراسلہ یہ تھا:۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم ط

اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے مقرر کردہ اک واضح اصول ہے کہ

يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ - | اے ایمان والو! اپنے معاہدوں اور ذمہ داریوں کو پورا پورا ادا کیا کرو۔'

خدا کے نبی محمد رسول اللہ کی طرف سے عمر بن حزم کو یمن پر ماموری کے وقت ان کے فرائض سے متعلق یہ مراسلہ دیا جاتا ہے جس میں انھیں حسب ذیل احکامات دئے گئے ہیں:

۱- انھیں ہدایت کی جاتی ہے کہ اپنے تمام امور میں خدا کے خوف کو پیش نظر رکھیں جیسا کہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَاِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَالَّذِيْنَ هُمْ مُحْسِنُوْنَ - | جو لوگ خدا کا خوف کرتے اور اچھے اعمال کرتے ہیں بلاشبہ اللہ ان کا ساتھی اور مددگار رہتا ہے۔

۲- خدائی احکام کے مطابق لوگوں سے واجب الادا حقوق وصول کریں۔

۳- لوگوں کو بھلائی کی بشارت دیں اور نیک اعمال کی طرف ان کی رہنمائی کیا کریں۔

۴- لوگوں کو قرآن کا درس دیا کریں اور ان میں اس کی گہری بصیرت اور سمجھ پیدا کرتے رہیں۔

۵- لوگوں کو پاکی کے بغیر قرآن کو چھونے سے روکتے رہیں۔

۶- لوگوں پر ان کے فائدوں اور مضرتوں کو واضح کرتے رہیں۔

۷- حق بات میں لوگوں سے نرمی کا برتاؤ کیا کریں اور کوئی ظلم و تعدی کرے تو اس پر

سختی کیا کریں کیونکہ خدانے ظلم کو بہت ناپسند فرمایا ہے اور آپ نے اس ارشاد میں اس سے شدت سے منع فرمایا ہے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔

اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ خبردار! ظالموں پر خدا کی لعنت اور پھٹکار ہوتی ہے۔

۸۔ لوگوں کو جنت اور جنتی اعمال کی خوشخبری سناتے اور دوزخ اور دوزخی اعمال سے ڈراتے رہیں۔

۹۔ لوگوں کی تالیف قلوب کرتے رہیں یہاں تک کہ وہ برضا و رغبت دینی مسائل میں مہارت و بصیرت حاصل کرلیں نیز انھیں حج کے اصول اور فرائض و سنن اور دیگر تمام متعلقہ احکامات سکھائیں نیز یہ بتائیں کہ حجِ اکبر اصلی حج کو اور حجِ اصغر عمرہ کو کہا جاتا ہے۔

۱۰۔ لوگوں کو صرف ایک چھوٹے سے کپڑے میں لپٹ کر نماز پڑھنے سے منع کریں بجز اس صورت کے کہ وہ ایک کپڑا اتنا بڑا ہو کہ مصلی اس کے دونوں سرے پلٹ کر اپنے دونوں کاندھوں پر ڈال سکے۔ نیز لوگوں کو دیہاتیوں کی طرح کمر اور گھٹنوں کو ایک کپڑے سے لپیٹ کر اس طرح بیٹھنے سے منع کیا کریں کہ ان کی شرم گاہ سامنے سے کھل جائے۔

۱۱۔ لوگوں کو گدی کے بال کتروانے سے منع کریں۔

۱۲۔ لوگوں کو باہمی جنگ وجدل کے موقع پر اپنے کنبہ و برادری والوں کو مدد کے لئے پکارنے سے روکیں بلکہ انھیں صرف خدائے وحدہ لاشریک کو پکارنے کی ہدایت کیا کریں پھر بھی جو لوگ خدا کو چھوڑ کر اپنے قبائل کو پکارتے رہیں تو ان کی تلوار کے ذریعہ اصلاح کی جائے حتیٰ کہ وہ صرف خدائے وحدہ لاشریک کو پکارنے لگ جائیں۔

۱۳۔ لوگوں کو کامل وضو کرنے کا حکم دیں اس طرح کہ وہ خدائی حکم کے مطابق اپنے چہروں کو نیز اپنے ہاتھوں کو کہنیوں تک اور پیروں کو ٹخنوں تک دھویا کریں سروں کا مسح کیا کریں۔ نیز نماز کو اس کے اوقات پر ادا کرنے اور مکمل رکوع و سجود اور خشوع و خضوع کی ہدایت کیا کریں اور وہ اوقات یہ ہیں کہ صبح کی نماز اندھیرے سے۔ ظہر کی نماز زوالِ آفتاب کے بعد۔

عصر کی نماز آفتاب کے غروب کی طرف مائل ہونے کے وقت۔ مغرب رات کی ابتدا ہوتے ہی جس میں ستاروں کے چمکنے کے وقت تک تاخیر نہ ہو اور عشا شب کے ابتدائی حصّہ میں ادا کی جانی چاہیئے اور جمعہ کی اذان ہوتے ہی نماز جمعہ کی تیاری اور غسل کا اہتمام کرنا چاہیئے۔

۱۴۔ اموالِ غنیمت میں سے اللہ کا مقرر فرمودہ پانچواں حصّہ۔ مسلمانوں کی مزروعہ زمینات میں سے نہروں۔ چشموں۔ بارش اور کنوئیں کے پانیوں سے سیراب شدہ زمینوں کی پیداوار کا بیسواں حصّہ ہر دس اونٹوں پر دو بکریاں۔ ہر بیس اونٹوں پر چار بکریاں۔ ہر چالیس گائے پر ایک گائے۔ ہر تیس بچھڑوں پر ایک بکرا نر یا مادہ۔ جنگل میں چرنے والی ہر چالیس بکریوں پر ایک بکری اسلامی صدقہ کے طور پر وصول کی جائے۔ یہ وہ صدقہ ہے جسے خدا نے مسلمانوں پر فرض فرما دیا ہے مگر جس نے اس سے زیادہ ادا کیا وہ آخرت میں اس کے حق میں بہتر ہوگا۔

۱۵۔ یہود و نصاریٰ میں سے جس شخص نے بطور خود خالص طور پر اسلام قبول کر لیا تو اس کا اسی وقت سے مسلمانوں میں شمار ہوگا اور اس کے تمام حقوق اور اس کی تمامتر ذمّہ داریاں اور فرائض عام مسلمانوں جیسے ہوں گے۔

۱۶۔ جو شخص اپنے سابقہ یہودی یا نصرانی مسلک پر باقی رہنا چاہے اسے جبراً اس مسلک سے باز نہ رکھا جائے۔

۱۷۔ جن پر مذکورہ خراج عائد نہ ہوتا ہو ان میں سے ہر عاقل بالغ۔ آزاد و غلام۔ مذکر و مونث پر پورا ایک ایک دینار یا اس کے عوض اسی قیمت کا کپڑا وصول کیا جائے۔

۱۸۔ جس نے اپنا حصّہ ادا کر دیا اس کی جان و مال کی حفاظت اللہ اور اس کے رسول کے ذمّہ ہے اور جس نے ادائی سے انکار کر دیا وہ اللہ اس کے رسول اور تمام مسلمانوں کا کھلا دشمن ہے۔

محمدؐ پر اللہ کی رحمتیں سلامتی اور برکتیں، نازل ہوں۔

حجۃ الوداع

سنہ ۹ ہجری کا باقی وقت اور دسویں سال کا بیشتر حصّہ اس حال میں گزرا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی خدمت میں پے بہ پے حاضر ہونے والے اور اپنے اپنے اسلام کا اعلان کرنے والے وفود کا مسلسل استقبال فرماتے رہے اس کے بعد ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عزم حج کا اعلان فرمادیا جس کی بنا پر زمانہ حج کے قریب آتے ہی مدینہ منورہ ان ہزاروں مسلمانوں کے ہجوم سے معمور ہوگیا جو ممالک عربیہ کے گوشے گوشے اور جگہ جگہ سے حاضر ہوکر آپ کی رفاقت میں فریضۂ حج کی ادائی کے ارادہ سے جمع ہوگئے تھے۔

ادھر مشرکوں کے عرصۂ دراز تک حج کے ایّام کو بازیچۂ اطفال بنائے رکھنے اور انھیں شمسی مہینوں کے مطابق بناتے رہنے کے بعد حسنِ اتفاق سے نواں سال ہجری وہ سال آپڑا تھا جس میں حج کی تاریخیں ماہ ذی الحجہ ہی میں واقع ہوگئی تھیں اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا کہ آیندہ سے حج ہمیشہ حضرت ابراہیم علیہ السّلام کے زمانہ سے خدا کے مقرر فرمودہ وقت یعنی ہر سال ماہ ذی الحجہ کی نویں تاریخ کو ہی ادا کیا جایا کرے یہ فرماکر آپ خود حج کی تیاری میں مشغول ہوگئے جب ذی قعدہ سنہ ۱۰ھ کی پچیس تاریخ ہوگئی تو آپ مدینہ سے چل کھڑے ہوئے اور تمام ازواج مطہرات کو اپنے ہمراہ لے چلے نیز تمام عازمین حج وعمرہ جن کی تعداد ایک لاکھ سے زائد تھی آپ کے ہمراہ چلے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی کے جانور بھی اپنے ہمراہ لے لئے مقام (سرف) پر پہونچکر جو "تنعیم" کے قریب واقع ہے آپ نے

لوگوں کو حکم فرمایا کہ جن کے ہمراہ قربانی کے جانور ہیں۔ ان کے سوا باقی سب مسلمان صرف عمرہ ادا کر کے احرام کھول ڈالیں۔ جب آپ چوتھی ذی الحجہ کو مکہ میں داخل ہوئے تو آپ نے ازواج مطہرات کو بھی عمرہ کر کے ہی احرام کھول دینے کا حکم فرمایا جس پر انھوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ پھر حضور کو ہمارے ساتھ عمرہ کر کے احرام کھول دینے میں کیا امر مانع ہے۔ فرمایا میرے قربانی کے جانور میرے ساتھ ہیں نیز میں نے تلبید کا عمل کیا ہے (یعنی اپنے سر کے بالوں کو گوند سے جما لیا ہے تاکہ وہ بکھرنے نہ پائیں) اس لئے میں اپنا قربانی کا جانور ذبح کرنے سے قبل احرام نہیں کھول سکتا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آٹھویں ذی الحجہ کو (جسے شرعی اصطلاح میں یَوم ترویہ کہا جاتا ہے) منیٰ کے مقام پر تشریف لے گئے جہاں آپ نے اپنے خیمے نصب کرادئے اور وہاں اپنی فرض نمازیں ادا فرمائیں اور پوری رات وہیں بسر فرما کر نویں ذی الحجہ کو فجر کی نماز وہیں ادا فرمائی پھر طلوع آفتاب کے وقت اپنی اونٹنی پر سوار ہو کر وہاں سے اپنے تمام ساتھیوں سمیت عرفات[1] کی طرف روانہ ہوئے وہاں پہونچ کر میدان عرفات کے اگلے حصہ میں نمرہ نامی اک مقام پر پڑاؤ فرمایا یہاں آپ کیلئے اک قبہ بنا دیا گیا تاکہ آپ اس کے سایہ میں آرام فرمائیں اور بقیہ حضرات میدان کے اندرونی حصہ میں پھیل گئے آپ زوال کے وقت تک یہاں تشریف فرما رہے پھر اپنی اونٹنی پر سوار ہو کر جبلِ عرفات پر پہونچے اور فرمایا کہ یہ جائے وقوف ہے اور اسی کی خصوصیت نہیں بلکہ عرفہ کا پورا میدان ہی جائے وقوف ہے۔ اس سے قبل قریش صرف مزدلفہ میں ٹھہرا کرتے تھے۔ ان کے سوا دوسرے لوگ وہاں نہ ٹھہر سکتے تھے۔

جب تمام لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد جمع ہو گئے تو آپ نے خدا کی حمد وثنا بیان فرمائی پھر اپنا درج ذیل مشہور تاریخی خطبہ دیا۔

---

[1] عرفات مکہ سے بارہ میل دور پہاڑوں کے درمیان اک وسیع میدان ہے جہاں حضرت آدم وحوا نے توبہ قبول ہونے کے بعد ایک دوسرے کو پہچانا تھا۔ یہاں حج کا اک بڑا رکن وقوف (یعنی کھڑے ہو کر دعا کرنا) ادا کیا جاتا ہے۔ م (از تسہیل القرآن)

خطبۂ حجۃ الوداع

اے لوگو! میری تقریر غور سے سن لو کیونکہ مجھے معلوم نہیں شائد میں اس سال کے بعد آئندہ اس مقام پر تم سے پھر کبھی نہ مل سکوں گا۔

اے لوگو! قیامت تک تمہارے خون اور تمہارے مال آپس میں ایک دوسرے کے لئے ایسے ہی واجب الاحترام رہیں گے جیسے کہ آج کے دن کا اور اس مہینہ کا احترام تم پر واجب ہے۔ تم عنقریب اپنے پروردگار کے دربار میں پیش ہوگے اور وہ تم سے تمہارے اعمال کی نسبت سوال فرمائے گا۔ پس یاد رکھو کہ میں نے تم تک خدائی پیغام پہونچا دیا جس کسی کے پاس دوسرے بھائی کی کوئی امانت ہو وہ بجنسہ اس تک پہونچا دے۔ آج سے تمام سود باطل و کالعدم قرار دیدئے گئے البتہ تم اپنے اصلی سرمایہ کی واپسی کے حقدار رہوگے اس طرح نہ تم کسی بھائی پر ظلم کرسکوگے نہ ہی کوئی تم پر ظلم کرسکے گا۔ حق تعالیٰ نے قطعی فیصلہ فرمادیا ہے۔ اب سے سود کا کوئی جواز اور وجود ہی باقی نہیں رہا چنانچہ سب سے پہلے عباس بن عبدالمطلب کا وصول شدنی سود چھوڑا جاتا ہے۔ اسی طرح زمانۂ جاہلیت کا ہر قتل وخون کالعدم قرار دیا جاتا ہے۔ اس سلسلہ میں سب سے پہلے اپنے خاندان یعنی ربیعہ بن حارث بن عبدالمطلب کا خون بہا چھوڑتا ہوں جسے "ہذیل" نے اس وقت قتل کرڈالا تھا جبکہ وہ بنی سعد میں دودھ پیا کرتا تھا۔ یہ زمانۂ جاہلیت کا سب سے پہلا خون ہے جس کے خون بہا سے میں درگزر کرتا ہوں۔

اے لوگو! اس کے بعد تمہیں خبردار کرتا ہوں کہ شیطان ہمیشہ کے لئے اس سرزمین پر

اپنی اطاعت کئے جانے سے قطعی مایوس ہو چکا ہے البتہ وہ بدرجۂ مجبوری اس جگہ کے علاوہ دوسرے مقامات پر تمہارے ناکارہ اعمال اور ناقص کارناموں کے ذریعہ اس کی اطاعت گذاری پر قانع اور راضی ہوگیا ہے پس تم اس سے اپنے دین کا بچاؤ کرتے رہنا۔

اے لوگو! "حرمت والے مہینوں کو باختیار خود مقدم مؤخر کردینا کفر کی زیادتی کی دلیل ہے اس کی وجہ سے وہ لوگ کافر اور گمراہ ہوتے رہتے ہیں جو ایک سال تو ان مہینوں کو اپنی جنگی اغراض کی خاطر ذاتی رائے سے حلال کرلیتے ہیں اور دوسرے سال انہی کو کسی ضرورت کے نہ ہونے کی وجہ سے ازخود حرام قرار دے لیتے ہیں تاکہ اس طرح اللہ کی طرف سے لائق حرمت قرار دئے ہوئے مہینوں کی گنتی پوری کرلیا کریں پس جس مہینہ کو اللہ نے محترم قرار دیا ہے اسے وہ حلال کرلیتے ہیں"

آج زمانہ پھر اپنی اسی پہلی حالت پر لوٹ آیا ہے جس دن اللہ نے زمین و آسمان کو پیدا فرمایا تھا اور مہینوں کی تعداد خدا کے نزدیک بارہ ہے۔ جن میں چار حرمت والے مہینے ہیں تین مسلسل اور ایک منفرد رجب کا مہینہ ہے جو جمادی الثانی اور شعبان کے درمیان آتا ہے۔

اے لوگو! اس کے بعد میں تمہیں متنبہ کرتا ہوں کہ تمہارے تمہاری بیویوں پر کچھ حقوق ہیں اور بعینہ اسی طرح تم پر بھی ان کے کچھ حقوق ہیں۔ ان پر تمہارے حقوق یہ ہیں کہ وہ تمہارے بستروں پر کسی غیر کو نہ آنے دیں جسے تم ناپسند کرتے ہو۔ نیز ان پر لازم ہے کہ وہ کھلے فواحش کا ارتکاب نہ کریں اگر وہ ایسا کریں تو خدا نے تمہیں اس کی اجازت دی ہے کہ تم انھیں ان کے گھروں میں تنہا چھوڑ دو اور انھیں ابتداءً ضرب خفیف کی سزا دو اس تدبیر سے اگر وہ اپنی حرکت سے باز آجائیں تو پھر شوہر پر بدستور ان کا شرعی نان نفقہ جاری رکھنا لازم ہوگا اور اپنی بیویوں سے معاشرت و معاملات میں ہمیشہ اچھا طرز عمل رکھو کیونکہ وہ تمہاری شریک حیات اور مددگار کی حیثیت سے تمہارے ساتھ ہیں۔ خود کسی چیز کی مالک و مختار نہیں ہیں۔ تم نے انھیں خدا کی امانت کی حیثیت سے بیوی بنانا منظور کیا ہے اور خدا ہی کے کلام کے ذریعہ تم نے ان کا جسم

اپنے لئے حلال کیا ہے۔ پس اے لوگو! میری بات خوب اچھی طرح ذہن نشین کرلو کہ میں نے خدا کا پیغام کما حقہ تم تک پہونچا دیا ہے اور تم میں وہ واضح چیز چھوڑی ہے کہ اگر تم مضبوطی کے ساتھ اس سے وابستہ رہوگے تو ہرگز کبھی بھی گمراہ نہ ہوگے وہ چیز اللہ کی کتاب اور اس کے نبی کی سنّت ہے۔

اے لوگو! میری بات کان کھول کر سن لو اور اچھی طرح ذہن نشین کرلو نیز یہ بھی اچھی طرح جان لو کہ ہر ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے اس طرح عالم کے تمام مسلمان باہم بھائی بھائی ہیں اس لئے کسی مسلمان کیلئے اپنے کسی بھائی کا مال حلال نہیں ہے۔ بجز اس کے جو وہ اپنے خوشی سے اپنے بھائی کو دیدے۔ پس تم (حق تلفیاں) کرکے اپنی جانوں پر ظلم (زیادتی) نہ کرنا۔ اے خدا کیا میں نے تیرا پورا پیغام پہونچا دیا؟

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک ایک جملہ فرماتے جاتے تھے اور ربیعہ بن امیہ بن خلف مجمع کے سامنے آپ کی تقریر کے ہر ہر جملہ کو دوہراتے جاتے تھے تاکہ لوگ اسے اچھی طرح سن لیں اس کے بعد آپ اس کے بعد کا جملہ ادا فرماتے تھے جب آپ اپنی تقریر کے آخری جملہ پر پہونچے اور فرمایا:

اَللّٰھُمَّ ھَلْ بَلَّغْتُ۔ اے خدا کیا میں نے تیرا پورا پیغام پہونچا دیا؟

تو لوگوں نے ہر سمت سے جواب میں کہا "نعم" بے شک آپ نے خدائی پیغام ہم تک پہونچا دیا۔ اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اے خدا تو اس پر گواہ رہنا۔ بعض صحابہ نے اس خطبہ میں کسی قدر اضافہ کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بھی نقل کیا ہے

اے لوگو! حق تعالیٰ نے ہر صاحب حق کو اس کا پورا حق دیدیا ہے پھر کسی مورث کے لئے کسی وارث کے حق میں کوئی وصیّت کرنا جائز نہیں (جبکہ اس کا شرعی حصہ متعین ہے) اولاد شوہر کی مانی جائے گی اور زانی کے حصہ میں صرف ڈھیلے پتھر آئیں گے۔ جس نے خود کو اپنے باپ کے سوا کسی دوسرے کی طرف منسوب کیا یا اپنے آقا کے سوا غیر کی ملک ہونے کا دعویٰ کیا اس پر

خدا فرشتوں اور سب انسانوں کی طرف سے لعنت و پھٹکار ہو۔ خدا اس کی طرف سے کسی توبہ اور فدیہ کو بھی قبول نہ فرمائے گا)

چنانچہ حق تعالیٰ نے اسی موقع کی مناسبت سے برتر اسلامی موقف کی نسبت یہ آیت نازل فرمائی:

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا۔	آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا تم پر اپنی نعمتوں کا فیضان پورا کر دیا اور تمہارے لئے مذہب اسلام کو پسند فرمالیا۔

(پ ۶ - ع ۵)

پھر آپ مزدلفہ تشریف لے گئے جہاں آپ نے مغرب و عشا کی نمازیں ادا فرمائیں اور وہ رات وہیں بسر فرمائی پھر صبح کی نماز ادا فرماکر مزدلفہ کے قزح نامی پہاڑ پر بمقام مشعر حرام[1] کھڑے ہوئے اور قوم سے فرمایا کہ مناسک حج میں یہ بھی ایک جائے وقوف ہے اور اسی کی خصوصیت نہیں بلکہ پورا مزدلفہ ہی جائے وقوف ہے۔ پھر وہاں سے منیٰ تشریف لے گئے جہاں آپ نے قربانی کے مقام پر اپنے (۶۳) اونٹ ذبح فرمائے اور فرمایا کہ یہ قربانی کے مقامات کے منجملہ ایک مقام ہے باقی پورا منیٰ ہی قربانی کا مقام ہے پھر آپ نے اپنا سر مبارک منڈوایا اور وہاں سے چل کر مسلمانوں کو حج کی بقیہ عبادات ادا کر کر کے بتلاتے رہے اور انہیں حج کے فرائض مثلاً منیٰ میں جمرہ نامی پتھر کو کنکریاں مارنے، بیت اللہ کا طواف کرنے کو، ایام حج میں حلال و حرام کی ہوئی چیزوں کی تفصیل کی تعلیم دیتے رہے۔ نیز آپ عامۂ مسلمین کے سامنے سال کے مہینوں کی گنتی اور خدائی

---

[1] مشعر حرام۔ عرفات و منیٰ کے درمیان اک مقام ہے جسے مزدلفہ کہتے ہیں۔ عرفات سے واپسی پہ یہاں عبادت و ذکر الٰہی میں رات بسر کی جاتی ہے یہ بھی حج کا اک رکن ہے۔ یوں تو مزدلفہ کا پورا میدان ہی جائے وقوف ہے مگر اس میدان میں واقع قزح پہاڑ پر جس جگہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے تھے اس کا دیواروں سے احاطہ کر کے اسے ممتاز بنا دیا گیا ہے۔ م از تسہیل و قاموس۔

احکام کے بموجب ان میں سے چند خاص مقررہ مہینوں کی حرمت کو اچھی طرح یاد رکھنے کی ضرورت پر زور دیگر بار بار اپنا پہلا ارشاد دہراتے رہے مبادا کہیں مسلمان ان مہینوں میں مشرکوں کی جاری کردہ بدعت یعنی عمل نسئیؔ[لہ] کی طرف پھر نہ لوٹ جائیں چنانچہ آپ نے لوگوں کو پھر جمع فرماکر درج ذیل خطاب فرمایا:

اب اوقات دوبارہ اپنی اسی سابقہ حالت پر عود کر آئے ہیں جس دن اللہ نے زمین و آسمان کو پیدا فرمایا تھا یعنی سال پورے بارہ ماہ کا رہے گا جن میں چار مہینے لائق احترام ہیں ان کے منجملہ تین ماہ ذوالقعدہ، ذوالحجہ اور محرم مسلسل واقع ہوئے ہیں اور ایک ماہ رجب ہے جو جمادی الثانی اور شعبان کے درمیان واقع ہے۔ پھر آپ نے اک عام سوال فرمایا کہ یہ کون سا مہینہ ہے؟ صحابہ نے عرض کیا کہ اللہ اور اس کا رسول ہی زیادہ جانتے ہیں۔ یہ سن کر ایک لمحہ کیلئے آپ خاموش رہے جس پر لوگوں کو خیال ہو گیا کہ شاید آپ اس ماہ کا کوئی دوسرا ہی نام تجویز فرمائیں گے لیکن قدرے سکوت کے بعد آپ نے فرمایا کیا یہ ذی الحجہ کا مہینہ نہیں ہے؟ اس پر سب نے عرض کیا۔ بے شک۔ پھر آپ نے سوال فرمایا کہ یہ کون سا شہر ہے؟ صحابہ نے عرض کیا۔ اللہ اور اس کا رسول ہی زیادہ جاننے والے ہیں۔ اس پر بھی آپ نے سکوت فرمایا جس پر صحابہ کو خیال گزرا کہ آپ اس کا کوئی نیا نام تجویز فرمائیں گے۔ پھر آپ نے فرمایا کیا یہ شہر مکہ نہیں ہے؟ سب نے عرض کیا۔ بیشک۔ پھر آپ نے سوال فرمایا کہ یہ کون سا دن ہے؟ صحابہ نے عرض کیا خدا و رسول ہی بہتر جانتے ہیں بس آپ خاموش ہو گئے حتی کہ حاضرین کو گمان ہوا کہ آپ اس کا کوئی اور نام تجویز فرمائیں گے۔ پھر آپ نے فرمایا کیا یہ قربانی کا دن نہیں ہے؟ سب نے عرض کیا۔ بے شک۔ پھر آپ نے ارشاد فرمایا کہ تمہارے خون اور تمہارے مال اور تمہاری آبروئیں تم میں سے ایک دوسرے پر ایسی ہی واجب احترام ہیں جیسے کہ تم سب

[لہ] نسئی مقدم کو مؤخر اور مؤخر کو مقدم کرنے کو کہتے ہیں چونکہ کفار محترم مہینوں کو اپنی مرضی کے تحت ہر سال آگے پیچھے کرتے رہتے تھے اس لئے اس عمل کو نسئی کہا جاتا ہے۔ م۔

پر تمہارے اسی مہینہ میں اسی شہر میں آج کے دن کا احترام لازم ہے تم عنقریب اپنے پروردگار سے جا ملوگے جہاں وہ تم سے تمہارے اعمال کا محاسبہ فرمائے گا پس ایسا نہ کرنا کہ تم میرے بعد پھر گمراہی کی طرف لوٹ جاؤ کہ باہم ایکدوسرے کی گردن زدنی کرنے لگو۔ خبردار رہو کہ ہر حاضر محفل اپنے غائب بھائی تک یہ پیغام پہونچا دے کیونکہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ جس غائب کو پیغام پہونچایا جاتا ہے وہ خود حاضر ہو کر سننے والے سے بات کو زیادہ ذہن نشین رکھتا ہے۔ پھر دو مرتبہ فرمایا سنو سنو! کیا میں نے پورا پورا پیغام پہونچا دیا؟

یہ آپ کا بیت الحرام کی زیارت کا آخری موقع تھا اور یہی وہ شرعی حجت جس کے ذریعہ اللہ نے انسانوں کیلئے مذہب اسلام کو مکمل کر دیا تھا اور ان پر اپنی نعمتوں کے فیضان کی انتہا کر دی تھی آپ کے خدائی پیغام کو ان تک پہونچا دینے کی دلیل بھی تھی جس پر تمام حاضرین نے گواہی دی تھی کہ بے شک آپ نے پیغام الٰہی کما حقہ، ہم تک پہونچا دیا اور خدائی امانت پوری ادا فرما دی۔

تمام مراسم حج سے فراغت کے بعد آپ بخیریت مدینہ منورہ واپس ہو گئے۔ مدینہ کے اس باشندے پر بہترین درود و سلام ہوں۔

حضرت اسامہؓ کی روانگی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اواخر ذی الحجہ میں حج سے واپس ہو کر مدینہ منورہ میں محرم و صفر کے مہینے گزارتے ہی مسلمانوں کو جہاد کی تیاری کا حکم عام دیدیا اور اسلامی لشکر کو فلسطین کی طرف بھیجنے کا عزم ظاہر فرمایا۔ جس میں آپ نے حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ جیسے بہت سے مہاجرینِ اولین کو بھی شامل فرمایا اور اپنے غلام حضرت زید بن حارثہؓ کے فرزند حضرت اسامہؓ کو بلا کر اس لشکر کا امیر مقرر فرما دیا اس وقت حضرت اسامہؓ بیسؔ سالہ نوجوان تھے انھیں آپ نے ہدایت فرمائی کہ وہ ملکِ فلسطین میں مقامِ موتہ کے قریب جہاں ان کے والد شہید کئے گئے تھے "بلقاء اور داروم" کی حدود پر پہونچکر پڑاؤ ڈالیں اور صبح کے اندھیرے میں غدا کے اور اپنے دشمنوں پر یکایک دھاوا بول دیں۔ دل کھول کر انھیں موت کے گھاٹ اتاریں ان کے گھروں کو آگ لگادیں اور انتہائی پھرتی سے پے در پے حملے کر کے یہ مہم سرانجام دیں۔ حتیٰ کہ اسلام کے دیگر مخالفین تک یہ خبریں نہ پہونچنے پائیں جب خدا انھیں مکمل فتح عطا فرما دے تو وہاں زیادہ نہ ٹھہریں بلکہ فوراً مظفر و منصور مدینہ کو لوٹ آئیں

امیر لشکر کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس نصب العین کو متعین فرمانے سے ہمارے دل میں قدرتہً یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اس عظیم الشان لشکر کے روانہ فرمانے سے کیا خاص مقصد تھا؟

مؤرخین کہتے ہیں کہ "عمر بن لحی بن قمعہ بن خندف" پہلا شخص تھا جس نے حضرت

اسماعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دین میں ردو بدل کیا تھا چنانچہ اسی نے پہلے پہل کعبہ میں بت نصب کئے۔ سائبہ۔ وصیلہ اور بحیرہ کی مشرکانہ رسمیں جاری کیں جس کا واقعہ اس طرح ہوا کہ یہ بہت سخت بیمار ہو گیا اس سے کہا گیا کہ بلقاء میں ایک گرم چشمہ ہے جس میں نہا کر لوگ شفایاب ہوتے ہیں اگر تم وہاں جاؤ تو صحتیاب ہو جاؤ گے یہ وہاں آیا اور اس چشمہ میں غسل کرنے پر تندرست ہو گیا۔ یہاں اس نے اہل بلقاء کو بتوں کی پرستش کرتے دیکھا تو پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ انھوں نے کہا کہ ہم ان کے وسیلہ سے بارش مانگتے ہیں اور ان ہی سے دشمن پر غلبہ کے لئے امداد کے طالب ہوتے ہیں یہ سن کر اس نے ان سے کہا کہ پھر کیا تم مجھے ایک بُت نہ دو گے جسے میں بھی ملک عرب میں لے جاؤں تاکہ وہ لوگ بھی اس کی عبادت کیا کریں؟ اس پر وہاں والوں نے اسے ہبل نامی ایک بُت دیدیا جسے یہ مکہ میں لے آیا اور اسے خانۂ کعبہ میں رکھدیا اور لوگوں کو اس کی عبادت کرنے اور تعظیم بجا لانے کا حکم دیا۔ یہ سب سے پہلا بُت تھا جو مکہ میں لاکر رکھا گیا تھا۔ مؤرخین کی یہی رائے ہے۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا مجھے دوزخ دکھائی گئی جس میں میں نے 'عمرو' (یعنی عمرو بن لحی) کو دیکھا جو اک پستہ قامت سرخ رنگ کرنجی آنکھ والا شخص ہے اور اپنے جسم کو آگ میں گھسیٹ رہا ہے۔ یہ دیکھ کر میں نے سوال کیا کہ یہ کون شخص ہے؟ کہا گیا کہ یہ 'عمرو بن لحی' ہے اور یہی وہ پہلا شخص ہے جس نے عرب میں بحیرہ۔ وصیلہ۔ سائبہ اور حامی کی مشرکانہ رسوم جاری کیں حضرت ابراہیم علیہ السّلام کے دین کو بدل ڈالا اور عرب کو بت پرستی کی دعوت دی۔

شاید یہی واقعہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضرت اسامہ رضؓ کو لشکر کشی کا حکم دینے کا باعث بنا جنھیں آپ نے اہل شام سے شدید جنگ کرنے اور انھیں ایک ایک کر کے مار ڈالنے اور ان کے شہر کو آگ لگا دینے کا سخت حکم دیدیا کیونکہ یہی جگہ شر و فساد کی جڑ بنیاد اور بُت پرستی اور دین ابراہیمی کو مسخ کر ڈالنے کا مرکز بنی ہوئی تھی۔ نیز اس کے

عقب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ منشا بھی معلوم ہوتا ہے کہ دین کے سب سے پہلے قبلہ کو بتوں سے پاک صاف کر دیا جائے اور بیت الحرام کی طرف لوگوں کے رُخ پھیر دیئے جائیں ان ہر دو صورتوں میں سے ہر صورت کا احتمال و امکان پایا جاتا ہے۔

الحاصل حضرت اسامہ رضؓ ارشاد نبوی کی تعمیل میں کوچ کی تیاری کی غرض سے اپنے لشکر کو لیکر (مدینہ کے قریب) مقام 'جرف' تک پہونچے۔ اس موقع پر بعض منافقوں نے اک کم عمر نوجوان حضرت اسامہ رضؓ کو اک ایسے لشکر کا امیر مقرر فرمانے کے متعلق چہ می گوئیاں شروع کر دیں جس میں حضرت ابوبکر و عمر رضؓ جیسے اکابر و جلیل القدر صحابہ موجود تھے - یہ بات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بیماری کے ابتدائی دور میں آپ کے کانوں تک پہونچی جبکہ آپ کو درد سر کی شکایت تھی۔ چنانچہ آپ سر مبارک کو پٹی باندھکر منبر پر تشریف لائے اولاً خدا کی حمد و ثنا بیان فرمائی پھر حاضرین کو یوں خطاب فرمایا:

"مجھ تک یہ بات پہونچی ہے کہ کچھ لوگ اسامہ بن زید کی امارت پر تنقید کر رہے ہیں۔ میری زندگی کی قسم ہے کہ اگر ان لوگوں نے اسامہ کی سرداری پر تنقید کی ہے تو یہی لوگ اس سے پہلے ان کے والد کی سرداری پر بھی تنقید کر چکے ہیں۔ مگر امر واقعہ یہ ہے کہ اسامہ اس امارت کے اہل اور اس کے لئے بالکل موزوں ہیں اس لئے آپ حضرات اسامہ کی لشکر کشی کی اس مہم کو بدستور جاری رکھیں۔"

جس وقت حضرت اسامہ رضؓ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیماری کی اطلاع ہوئی تو وہ اپنے لشکر سمیت مدینہ منورہ کو واپس آگئے اور سفر ملتوی کر دیا خصوصاً اس لئے بھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضؓ کو اپنی جگہ نمازیوں کی امامت کا حکم دیدیا تھا اور یہ لشکر کے ان مجاہدین میں شریک تھے۔ جنھیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاد پر جانے کا حکم دیا تھا۔ اسی لئے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی لشکر مجاہدین کے اس سفر کی تاخیر پر ناراض نہیں ہوئے بلکہ جب حضرت اسامہؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض کی حالت میں حاضر خدمت ہوئے تو آپ اپنا دستِ مبارک ان پر رکھتے تھے اور اٹھانے تھے گویا ان کے حق میں دعا فرما رہے ہیں۔ سب سے آخری وصیت جو آپ نے فرمائی یہ تھی:

اَخْرِجُوا الْمُشْرِكِيْنَ مِنْ جَزِيْرَةِ الْعَرَبِ وَ اَجِيْزُوا وَفْدَ اُسَامَةَ بِنَحْوِ مَا كُنْتُ اُجِيْزُهُمْ۔	اے مسلمانو! تمام مشرکوں کو جزیرۂ عرب سے نکال باہر کرنا اور جس طرح میں اسامہ کے وفد کو بھیجنا چاہتا تھا اسی طرح تم بھی اس مہم کو پایۂ تکمیل تک پہونچانا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی علالت اور وصال

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی پوری زندگی اپنی صحت کی حفاظت اور ہر نقصان دہ چیز سے بچ کر گزاری حتی کہ آپ بھوک کے بغیر کبھی کھانا تناول نہ فرماتے تھے اور جب تناول فرماتے تو شکم سیر ہو کر تناول نہ فرماتے تھے نیز ایک ہی دفعہ میں متعدد قسم کے کھانے جمع کرنے کو ناپسند فرماتے تھے کیونکہ آپ کا خیال تھا کہ معدہ ہی امراض کا گھر ہے اور امراض کا سب سے بہتر علاج پرہیز و احتیاط ہے اور انسانی زندگی کے لئے چند لقمے ہی کافی ہیں جو اسے کھڑا رکھ سکیں اسی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بعثت کے وقت سے کسی ایسے مرض میں مبتلا نہیں ہوئے جس کی وجہ سے آپ صاحبِ فراش ہو گئے ہوں۔ پس آپ کے مرض الموت کی ابتدا گویا حضرت عائشہ رضؓ سے مذاق و ظرافت کے طور پر ہوئی جس کا واقعہ یوں ہوا کہ بماہ صفر سنہ ۱۱ھ م مئی سنہ ۶۳۲ء کے آخری پنجشنبہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ رضؓ کے پاس تشریف لائے تو انھیں دردِ سر کی شکایت میں مبتلا پایا وہ تکلیف کی شدت میں یہ کہتی جاتی تھیں (وا راساہ) ہائے میرا سر (شدت درد سے اڑا جا رہا ہے) اس پر آپ نے فرمایا کہ اے عائشہ! خدا کی قسم ہے میرے سر کا بھی درد کی شدت سے یہی حال ہے۔ اس پر حضرت عائشہ رضؓ نے مکرر اپنی تکلیف کا اظہار کیا تو آپ نے مذاحاً فرمایا۔

"اے عائشہ! اگر تم مجھ سے پہلے وفات پا جاؤ اور میں کھڑے ہو کر اپنے سامنے تمہاری تجہیز و تدفین اور نماز جنازہ کی تکمیل کر دوں تو اس صورت میں تم خسارہ میں

تو نہ رہو گی ؟

حضرت عائشہ رضؓ کے دل پر آپ کے اس مذاق کا بہت گہرا اثر ہوا اور انھوں نے عرض کیا:

"خدا کی قسم ہے بالفرض اگر یہ واقعہ اسی طرح ہو بھی جائے تو آپ میرے کفن دفن سے فراغت پاتے ہی میرے اسی گھر میں اپنی دوسری ازواج میں کسی سے شادی رچائیں گے اور اس طرح زفاف کی مسرت مجھے چھوڑ کر دوسروں کے حصّہ میں آئے گی"

اس جواب پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صرف مسکرا دیئے اور حضرت عائشہ رضؓ نے سمجھ لیا کہ یہ مذاق اتنا طویل نہیں ہوا جیسا کہ پہلے اکثر ہوا کرتا تھا۔

ادہر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ طریقہ تھا کہ آپ ہر روز بعد عصر اپنی ازواج مطہرات کے پاس تشریف لے جایا کرتے تھے حسبِ آج بھی حضرت عائشہ رضؓ کے پاس سے روانہ ہو کر اپنی دوسرے ازواج کے پاس تشریف لے گئے یہاں ہر اک سے اپنی تکلیف کی شکایت بیان کرتے جاتے اور ان سے پوچھتے جاتے تھے کہ کل میرے قیام کا دن کہاں ہوگا؟ گویا آپ کا منشا حضرت عائشہ رضؓ کی نوبت سے متعلق دریافت فرمانا تھا۔ اس پر تمام ازواج کی طرف سے آپ کی خدمت میں عرض کیا گیا کہ بحالتِ تکلیف آپ جہاں چاہیں قیام فرما سکتے ہیں جس وقت آپ حضرت میمونہ رضؓ کے مکان میں تشریف رکھتے تھے تو آپ کا دردِ سر شدّت اختیار کر گیا ساتھ ہی شدید بخار بھی چڑھ گیا اس پر تمام ازواج وہاں جمع ہوئیں اور انھوں نے آپ کو اجازت دی کہ آپ حضرت عائشہ رضؓ کے مکان پر تشریف لے چلیں تاکہ وہ تیمارداری کے فرائض انجام دیں تب آپ حضرت علی ابن ابی طالب رضؓ اور اپنے عم محترم حضرت عباس رضؓ کا سہارا لیکر حضرت میمونہ رضؓ کے مکان سے تشریف لے چلے جب حضرت عائشہ رضؓ کے مکان میں داخل ہوئے تو فرمایا "مجھ پر سات مشک پانی بہادو" چنانچہ حضرت عائشہ رضؓ نے آپ کو حضرت حفصہ رضؓ کے ٹب میں بٹھا دیا اور ازواج مطہرات مشکیزوں

سے پانی لے کر آپ کے جسم مبارک پر ڈالنے لگیں حتیٰ کہ آپ نے اک مد پر ان سے فرمایا کہ بس کرو پھر باہر نکل کر حاضرین کو مغرب کی نماز پڑھائی جس میں آپ نے سورۂ "والمرسلات عرفا" تلاوت فرمائی - اور نماز سے فراغت کے بعد منبر پر چڑھ کر خطبہ ارشاد فرمایا جس میں حضرت اسامہؓ کے سرلشکر کے عہدہ پر تنقید کرنے والوں کا رد فرمایا جیسا کہ ہم پہلے بیان کر آئے ہیں پھر دوسرے عنوانات پر روشنی ڈالتے ہوئے احد والوں کی تعریف فرمائی اور ان کے حق میں بکثرت دعائے مغفرت و رحمت فرمائی پھر ارشاد فرمایا:

"اللہ کے بندوں میں سے ایک بندہ ایسا بھی ہے جسے خدا نے دنیا اور آخرت نیز اپنے قرب کی دولت میں سے کسی ایک کو ترجیح دینے کا اختیار عطا فرمایا۔ چنانچہ اس نے خدا کے قرب کی دولت کو ترجیح دی۔"

پھر آپ نے صحن مسجد میں کھلنے والے دروازوں پر نظر ڈالی اور سوائے حضرت ابوبکرؓ کے مکان کے دروازہ کے باقی سب دروازوں کو چن دینے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا:

"میں صحابہ میں کسی ایسی ہستی سے واقف نہیں جو میرے نزدیک ابوبکرؓ سے زیادہ افضل ہو اگر میں بندوں میں سے کسی کو اپنا دوست بناتا تو لازماً ابوبکر کو ہی بناتا لیکن اب ان میں اور مجھ میں صرف صحبت - اخوت اور ایمان کا تعلق ہے یہاں تک کہ حق تعالیٰ آخرت میں ہمیں اور انھیں اپنے پاس جمع فرما دے۔"

اسی خطبہ میں جو منبر پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری خطبہ تھا یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ آپ نے فرمایا:

"اے لوگو! مجھے یہ معلوم ہوا ہے کہ تم اپنے نبی کی موت کے خیال سے خوفزدہ ہو تو کیا مجھ سے پہلے مبعوث ہونے والے انبیاء میں سے کوئی نبی بھی اپنی قوم میں ہمیشہ زندہ رہا ہے جو میں تم میں ہمیشہ رہوں گا؟ مطلع رہو کہ میں اپنے پروردگار سے جا ملنے والا ہوں اور تم مجھ سے آملو گے پس میں تمہیں مہاجرین سابقین سے اور مہاجروں کو آپس میں

ایک دوسرے سے ہمیشہ حسنِ سلوک کی ہدایت کرتا ہوں کیونکہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"زمانہ کی قسم ہے انسان یقیناً خسارہ میں ہے بجز ان لوگوں کے جو ایمان لے آئے اور انھوں نے نیک اعمال کئے اور آپس میں ایک دوسرے کو امرِ حق اور اعلاءِ کلمۃ اللہ میں تکالیف پر صبر و تحمل کی وصیت کی"

پ ۳۰ - ع ۲۸

اور تمہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ تمام امور خدا ہی کے حکم و منشا سے انجام پاتے ہیں اس لئے تم کسی دیر طلب امر کے جلد تکمیل پانے کی خواہش نہ کرو کیونکہ حق تعالیٰ کسی کے جلد چاہنے کی بنا پر کسی امر میں جلدی نہیں فرماتا جو خدا پر غالب آنا چاہتا ہے خدا اسی پر غالب رہتا ہے اور جو خدا کو دھوکہ دیتا ہے خدا اس کا دھوکہ اسی پر پلٹا دیتا ہے پس کیا اگر تم کو حکومت مل گئی تو تم مستقبل قریب میں زمین میں فساد برپا کرو گے اور قطعِ رحم کرو گے؟ نیز میں تمہیں اپنے انصار بھائیوں سے حسن سلوک و حسن معاشرت کی ہدایت کرتا ہوں کیونکہ یہی وہ لوگ ہیں جنھوں نے تم سے پہلے ایمان قبول کیا اور بیت اللہ کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ کیا انھوں نے اپنے باغات میں تمہیں شریک قرار دیکر تمہارا حصہ مقرر نہیں کر دیا۔ کیا انھوں نے اپنے گھروں میں تمہارے لئے جگہ نہیں پیدا کی۔ کیا انھوں نے تنگی ترشی کے باوجود اپنی جانوں پر تمہیں ترجیح نہیں دی؟ خبردار! تم میں سے جو شخص ان میں کے کسی دو آدمیوں کے درمیان فیصلے کے لئے ثالث بنایا جائے تو اسے چاہیئے کہ وہ ان میں نیکوکار کے بہتر عمل کو قبول کرلے اور بدکار کی لغزشوں سے درگذر کرے۔ خبردار! ان پر کسی قسم کی ظلم و زیادتی نہ کرنا۔ تمہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ میں تم سے پہلے اس دنیا سے جانے والا ہوں تم میرے بعد لازماً مجھ سے آملو گے۔ تمہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ تم سے ملنے کا مقام حوضِ کوثر ہوگا۔ خبردار! تم میں سے جو شخص کل مجھ سے حوضِ کوثر پر ملنے کا متمنّی ہو اسے چاہیئے کہ وہ اپنے ہاتھ اور زبان کو قابو میں رکھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا خطبہ مکمل فرمانے کے بعد حضرت عائشہ رضؓ کے مکان کا ارادہ فرمایا- پھر آپ نے عشا کے وقت مسجد میں تشریف لانا چاہا مگر تشریف نہ لا سکے بالآخر ارشاد فرمایا کہ ابوبکر سے کہدیا جائے کہ وہ نماز پڑھائیں اس پر حضرت عائشہ رضؓ نے عرض کیا کہ حضرت ابوبکر رضؓ اک رقیق القلب پست آواز اور تلاوت قرآن کے وقت بہت رونے والے شخص ہیں یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر فرمایا کہ "ابوبکر سے کہدیا جائے کہ وہ ہی نماز پڑھائیں- حضرت عائشہ رضؓ فرماتی ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پھر اپنا وہی جملہ دوہرایا اور میرے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی رائے بدلنے کے لئے عرض کرنے کا مقصد یہ تھا کہ میرے دل میں یہ خیال گزرا کہ آپ کے بعد لوگ آپ کے قائم مقام شخص سے کبھی بھی محبت نہ رکھیں گے بلکہ میں یہ دیکھ رہی تھی کہ جو شخص آج آپ کا قائم مقام ہوگا کل لوگ اسے برائی سے ہی یاد کریں گے اس لئے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کے اس ارادہ سے پلٹانا چاہتی تھی لیکن میری منشا کے برعکس آپ نے مجھے یہ جواب دیا کہ :

"تم تو یوسف علیہ السلام پر فریفتہ ہونے والی خواتین کی ہمجنس ہو- لوگو! ابوبکر رضؓ سے کہدو کہ وہ انھیں نماز پڑھائیں۔"

چنانچہ آپ کے ارشاد کی تعمیل میں حضرت ابوبکر رضؓ نے مصلیوں کی امامت فرمائی اور مسلسل امامت فرماتے رہے- اتفاقاً ایک روز جب حضرت بلال رضؓ نے اذان دی تو حضرت ابوبکر رضؓ نماز پڑھانے کے لئے آگے نہ بڑھے کیونکہ وہ اس وقت موجود نہ تھے اس لئے حضرت عبد اللہ بن ربیعہ بن اسود نے حضرت عمر رضؓ سے کہا کہ آپ ہی لوگوں کو نماز پڑھائیے- جس پر حضرت عمر رضؓ امامت کے لئے کھڑے ہوگئے جب انھوں نے اللہ اکبر کہا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی آواز سنی اور فرمایا- ابوبکر کہاں ہیں- ابوبکر کے ہوتے ہوئے اللہ اور مسلمان دوسری امامت پر راضی نہیں- اس پر فوراً حضرت ابوبکر رضؓ کی خدمت میں قاصد دوڑایا گیا

چنانچہ آپ حضرت عمرؓ کے یہ نماز پڑھا چکنے کے بعد پہونچ سکے مگر اس کے بعد سے حضرت ابوبکرؓ ہی مسلسل امامت فرماتے رہے۔ حتی کہ آپ نے جملہ سترہ نمازیں پڑھائیں اس اثنا میں اوائل ربیع الاول دوشنبہ کے دن یہ واقعہ پیش آیا کہ حضرت ابوبکرؓ نماز فجر کی امامت کر رہے تھے کہ مصلیوں نے یکایک دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حجرۂ مبارک کا پردہ اٹھا کر نمازیوں کی طرف جھانک رہے ہیں۔ جونہی حضرت ابوبکرؓ کی نگاہ آپ پر پڑی انھوں نے خیال کیا کہ شاید آپ نماز کیلئے تشریف لانا چاہتے ہیں اس خیال سے آپ فوراً پیچھے ہٹ گئے تاکہ آپ کے لئے امامت کی جگہ چھوڑ دیں۔ ادھر قریب تھا کہ تمام نمازی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحت و تشریف آوری کے گمان پر نماز ہی میں فرط مسرت سے بے قابو ہو جائیں یہ محسوس فرماتے ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو اپنی نماز پوری کرنے کی ہدایت فرمائی خود حجرہ کے اندر تشریف لے گئے اور پردہ ڈال لیا۔ لوگ آپ کی بہتر حالت پر مسرور ہوئے۔ نماز کے بعد اسامہ بن زیدؓ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ کو کامل صحت مند پایا اور آپ سے لشکر مجاہدین کو لیکر فلسطین کی طرف کوچ کرنے کی اجازت طلب کی۔ اسی اثناء میں حضرت ابوبکرؓ بھی حاضر ہو گئے اور عرض کیا کہ اے نبی اللہ! میں دیکھ رہا ہوں کہ آپ خدا کے فضل و کرم سے تندرست ہو گئے ہیں اور میرا آج کا نظام الاوقات اپنی زوجہ "دختر خارجہ" کے یہاں قیام کا ہے پس کیا میں ان کے مکان جا سکتا ہوں؟ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں اجازت عطا فرمادی چنانچہ حضرت ابوبکرؓ مقام "سیح" کی طرف روانہ ہو گئے جو مضافات مدینہ میں واقع تھا۔ یہیں آپ کی یہ زوجہ مقیم تھیں۔ اس کے بعد ہی حضرت عمرؓ زیارت کے لئے حاضر ہوئے اور آپ کی حالت دیکھکر مطمئن واپس ہوئے اس کے بعد حضرت علی بن ابی طالبؓ حاضر ہوئے جب باہر نکلے تو لوگوں نے دریافت کیا کہ اے ابوالحسن! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا حال ہے؟ آپ نے فرمایا کہ الحمدللہ اب آپ کی صحت بہتر ہے یہ سن کر سب لوگ خوش خوش اپنے کاموں پر چلے گئے۔

اس وقت حضرت عباس رضؓ نے حضرت علی رضؓ کا ہاتھ پکڑ کر کہا۔ خدا کی قسم ہے میں دیکھ رہا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عنقریب اسی مرض میں وصال ہو جائے گا۔ موت کے وقت عبد المطلب کے خاندان والوں کے چہروں کی جو کیفیت ہوتی ہے میں اس سے بخوبی واقف ہوں۔ یہ وقت ہے کہ ہم اور آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ سے دریافت کرلیں کہ آپ کے بعد یہ خدمت کسے تفویض ہوگی (یعنی آپ کے بعد آپ کا خلیفہ کون ہوگا) اگر منصب خلافت ہمارے خاندان میں رہے گا تو ہمیں معلوم ہو جائے گا اور اگر دوسروں میں جائے گا تو وہ بھی ہمیں معلوم ہو جائے گا اس سلسلہ میں آپ ہمیں واضح ہدایت فرمادیں۔ اس پر حضرت علی رضؓ نے جواب دیا کہ اگر ہم نے قبل از وقت یہ سوال کیا اور آپ نے ہمیں محروم فرمادیا تو پھر قوم کبھی بھی یہ منصب ہمیں نہ دے گی۔ خدا کی قسم ہے میں تو آپ سے کبھی یہ سوال نہ کروں گا اس بات کے چند لمحے بعد ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حالت متغیر ہوگئی اور حضرت فاطمہ رضؓ دوڑی ہوئی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئیں اور حسرت سے کہنے لگیں:

(واکرب اباہ) "ہائے میرے باپ کی تڑپ و بے چینی" اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ آج کے بعد پھر کبھی تمہارے والد کو کرب نہ ہوگا۔ پھر آہستہ سے ان کے کان میں کچھ فرمایا جس پر وہ رو پڑیں پھر دوسری مرتبہ آہستہ سے کچھ فرمایا تو وہ ہنس دیں۔ جب حضرت فاطمہ رضؓ سے لوگوں نے اس معمہ کے متعلق استفسار کیا تو فرمایا کہ آپ نے پہلے تو مجھ سے راز میں یہ فرمایا کہ آپ عنقریب واصل الی اللہ ہو جائیں گے یہ سنکر میں رو دی پھر دوسری مرتبہ آپ نے کان میں مجھ سے فرمایا کہ تمام اہل بیت میں تم ہی سب سے پہلے مجھ سے آملو گی۔ اس پر میں فرطِ مسرت سے ہنس دی۔

جب آپ کی تکلیف شدت اختیار کر گئی تو آپ کے تیمارداروں نے عود ہندی اور روغن زیتون کو ملا کر اسے آپ کے فم مبارک میں رکھا جس پر آپ نے انھیں اس فعل سے

روکنے کا اشارہ فرمایا مگر انھوں نے خیال کیا کہ یہ اشارہ دوا کے استعمال سے مریض کی محض عام طبعی کراہت کی بنا پر ہے۔ جب آپ کو کچھ افاقہ ہوا تو فرمایا کہ کیا میں نے تمہیں اس دوا کے استعمال کرانے سے منع نہیں کیا تھا؟ حاضرین نے عرض کیا کہ ہم یہ سمجھے کہ یہ اشارہ محض مریض کی دوا سے ناگواری کی بنا پر ہے۔ آپ نے تادیباً فرمایا کہ میرے سامنے سب حاضرین کو یہی دوا استعمال کرائی جائے۔ بجز حضرت عباس رضؓ کے جو اس وقت موجود نہ تھے پھر طشت منگا کر منہ سے سب دوا نکال دی۔ اتنے میں حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضؓ ہاتھ میں تازہ مسواک لئے ہوئے حاضر خدمت ہوئے تو آپ نے اسے توجہ سے دیکھا جس سے حضرت عائشہ رضؓ تاڑ گئیں کہ آپ مسواک فرمانا چاہتے ہیں اس لئے انھوں نے عرض کیا کہ کیا آپ کے لئے یہ مسواک لے لوں؟ آپ نے اسے لے لینے کا اشارہ فرمایا چنانچہ حضرت عائشہ رضؓ نے حضرت عبدالرحمٰن رضؓ کے ہاتھ سے وہ شاخ لیکر اس کا سرا اچھی طرح چبا کر نرم کر کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پیش کیا آپ نے حسب عادت اس مسواک سے دانت صاف کر کے حضرت عائشہ رضؓ کو واپس فرما دی۔ ساتھ ہی حضرت عائشہ رضؓ نے آپ کو یہ فرماتے ہوئے سنا:۔

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ اِنَّ لِلْمَوْتِ سَکَرَاتٌ۔ — اللہ کے سوا اور کوئی معبود نہیں۔ بے شک موت میں تلخی و شدت ہوا ہی کرتی ہے۔

پھر آپ نے دستِ مبارک بلند فرماتے ہوئے فرمایا:

اَللّٰھُمَّ بِالرَّفِیْقِ الْاَعْلٰی۔ — اے میرے خدا! مجھے صالحین کی رفاقت عطا فرمانا۔

حضرت عائشہ رضؓ فرماتی ہیں کہ تب میں سمجھ گئی کہ آپ نے زندگی کے مقابلہ میں موت کو اختیار فرما لیا ہے اس جملہ کے بعد روحِ مبارک قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی۔ اور دستِ مبارک لٹک گیا۔ حضرت فاطمہ رضؓ نے اس سانحہ پر اظہار تاسف کرتے ہوئے کہا

یَا اَبَتَاہ اَجَابَ رَبًّا دَعَاہ - یَا اَبَتَاہ اِلیٰ جَنَّۃِ الفِرْدوسِ مَأْوَاہ - یَا اَبَتَاہ اِلیٰ جِبْرِیْلَ نَنْعَاہ -	آہ! میرے باپ جس نے دعوتِ حق کو قبول کرلیا آہ میرے محبوب باپ جس نے (ہمیں چھوڑ کر) فردوسِ بریں کو اپنا مسکن بنالیا - آہ! میرے عزیز باپ - آج ہم دلی رنج کے ساتھ حضرت جبرئیل علیہ السلام کو آپ کی وفات کی خبر دے رہے ہیں -

جب آپ کو دفن کر دیا گیا تو حضرت فاطمہ رضؓ نے حسرت سے کہا - اے حضرات! کیا آپکو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم اطہر پر مٹی ڈالنا کچھ اچھا معلوم ہوتا ہے -

حضرت عائشہ رضؓ کو اس عظیم الشان شرف پر بڑا فخر تھا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ان کے مکان میں انہی کی باری کے دن انہی کے سینہ پر ہوا - نیز یہ کہ انھیں حق تعالیٰ کے فضل وکرم سے زندگی کے آخری لمحہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا انتہائی قرب میسّر ہوا - جونہی حضرت عمر رضؓ کو آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وصال کی خبر پہونچی وہ دوڑے ہوئے آئے انھیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کی خبر کا کسی طرح یقین نہ آتا تھا - کیونکہ وہ چند لمحہ قبل ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بہتر حالت میں چھوڑ کر گئے تھے - انھوں نے اندر آتے ہی روئے مبارک کو کھولا اور جسم اطہر میں حس وحرکت نہ پائی تو ان پر بجلی گر گئی جسم کانپنے لگا باہر نکل کر وفور اضطراب میں لوگوں کے سامنے تپ زدہ کی طرح بہکی بہکی اور بے بنیاد باتیں کرنے لگے - اور کہنے لگے کہ منافقین کا خیال ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم انتقال فرما گئے ہیں لیکن خدا کی قسم ہے آپ کا وصال نہیں ہوا بلکہ آپ بارگاہِ خداوندی میں تشریف لے گئے ہیں جیسے کہ موسیٰ بن عمران بھی گئے تھے اور اپنی قوم سے چالیس رات غائب رہ کر پھر واپس تشریف لائے تھے - حالانکہ ان کے متعلق بھی یہی افواہ اڑ گئی تھی کہ ان کا انتقال ہوگیا ہے - خدا کی قسم ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرح ضرور واپس تشریف لائیں گے - پس آج جو شخص بھی منہ سے یہ کلمہ نکالے گا

کہ آپ کی وفات ہو گئی میں یقیناً اس کے ہاتھ پیر کاٹ ڈالوں گا ادھر مضافاتِ مدینہ میں بمقام "سیح" حضرت ابوبکر صدیق رضؓ تک ان کے گھر پر یہ تمام کیفیت پہونچی تو وہ سنتے ہی دلیری باہمتی اور قلبی مضبوطی کے ساتھ اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر مدینہ کی طرف روانہ ہو گئے جہاں گھوڑے سے اتر کر مسجد نبوی میں داخل ہوئے اور کسی سے بات چیت کئے بغیر سیدھے حضرت عائشہ رضؓ کے حجرہ میں داخل ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نعش مبارک کا رخ کیا۔ دیکھتے کیا ہیں کہ جسم مبارک اک یمنی چادر سے ڈھکا ہوا ہے آپ نے چہرۂ مبارک کھولا۔ روئے مبارک پر اپنا منہ رکھکر بوسہ دیا اور بے اختیار رونے لگے پھر عرض کیا۔ میرے ماں باپ حضور پر قربان ہوں خدا کی قسم ہے حق تعالیٰ ہرگز آپ پر دو موتیں طاری نہ کرے گا۔ آپ کے مقدر میں جو ایک موت لکھی ہوئی تھی آج آپ وہی موت پا چکے ہیں۔ یہ کہکر آپ باہر نکلے تو دیکھ کہ حضرت عمر رضؓ لوگوں کے سامنے تقریر کر رہے ہیں جس میں انھیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وفات نہ پانے کا یقین دلا رہے ہیں۔ حضرت ابوبکر رضؓ نے فرمایا اے عمر بیٹھ جاؤ۔ لیکن انھوں نے بیٹھنے سے انکار کر دیا تب آپ براہ راست حاضرینِ مجلس کی طرف متوجہ ہوئے اور برجستہ یہ تقریر فرمائی :-

مَنْ کَانَ یَعْبُدُ مُحَمَّدًا فَاِنَّ مُحَمَّدًا	واضح ہو کہ جو شخص حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات
قَدْ مَاتَ وَمَنْ کَانَ یَعْبُدُ اللّٰہَ	کی پرستش کرتا تھا تو وہ تو یقیناً رحلت فرما چکے ہیں مگر جو
فَاِنَّ اللّٰہَ حَیٌّ لَا یَمُوْتُ۔ قَالَ	شخص صرف خدائے قدوس کی عبادت کرتا تھا تو بیشک
اللّٰہُ تَعَالٰی (وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْل	حق تعالیٰ زندہ ہے اسے کبھی بھی موت نہ آئے گی حق تعالیٰ نے
قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِہِ الرُّسُلُ	خود فرمایا ہے۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تو صرف ایک رسول
اَفَاِنْ مَاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰی	ہیں ان سے پہلے بھی بہت سے رسول ہو گزرے ہیں اگر یہ
اَعْقَابِکُمْ وَمَنْ یَّنْقَلِبْ عَلٰی عَقِبَیْہِ	رسول بھی وفات پا جائیں یا شہید ہو جائیں تو کیا تم دینِ حق
فَلَنْ یَّضُرَّ اللّٰہَ شَیْئًا وَسَیَجْزِی	سے پھر جاؤ گے۔ اگر کوئی ایسا کرے گا تو وہ اللہ کا

کچھ بھی نہ بگاڑ سکے گا اور اللہ تعالیٰ تو شکر گزاروں اللہُ الشَّاکِرِیْنَ)

کو اچھا ہی بدلہ دے گا۔ پ ۴-ع ۶

حضرت ابوبکرؓ کی زبانی یہ آیت سنتے ہی سامعین کے قلوب میں اطمینان و سکون کی لہر دوڑ گئی اور یوں محسوس ہونے لگا کہ گویا انھوں نے آج ہی پہلی مرتبہ یہ آیت سُنی ہے حتی کہ اس دن ہر شخص اسی آیت کو بار بار دُہراتا رہا تب اس عظیم الشان صدمہ کے اثر سے حضرت عمرؓ کے ہوش و حواس بجا ہوئے اور وہ کہنے لگے خدا کی قسم ہے جونہی میں نے حضرت ابوبکرؓ سے یہ آیت سنی تو میں ششدر و حیران اور دہشت زدہ رہ گیا۔ میرے پیروں تلے کی زمین نکل گئی اور میں دفعتہً منبر سے زمین پر آ گرا۔ کیونکہ مجھے پہلی مرتبہ اسی وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کا یقین آیا۔

اس طرح آج یہ نادرۂ روزگار عظیم الشان شخصیت دنیا سے اوجھل ہو گئی جو اپنے اخلاقِ فاضلہ ساحرانہ قوتِ بیان اور قوی ترین دلائل کے ذریعہ انسانوں کے دلوں کو اللہ کی طرف کھینچ لاتی تھی۔ آج وہ آواز گم ہو گئی جو فضائے عالم میں گونجتی تھی اور دنیا کو دعوت الی اللہ اور دینِ حق کی تبلیغ سے بھر دیتی تھی۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے فانی جسم کے ساتھ وصال فرما گئے لیکن اپنے روحانی آثار اپنے لاتعداد محاسن ورثہ میں چھوڑے ہوئے ذکرِ خیر اور اعمالِ صالحہ نیز تمام انسانوں کی ہدایت کے لئے اک واضح اور مستحکم شریعت ورثہ میں چھوڑ جانے کی وجہ سے درحقیقت آپ کی وفات نہیں ہوئی۔ وہ شریعت جس پر اگر لوگ عمل پیرا ہوں اور زندگی بھر اسی کی راہ پر گامزن رہیں تو وہ ان کی سعادت اور فوز و فلاح کی ضامن اور انھیں عزت و سربلندی کی راہ دکھلانے والی ہے اسی لئے آپ کے جسمانی وصال کی وجہ سے آج تک وہ روحانی شعلہ آج تک نہ بجھ سکا جو اس پاکیزہ قلب سے بلند ہو کر لوگوں کو کامل ایمان اور خدا کی واحدانیت پر مکمل یقین کی راہ دکھاتا رہتا اور انھیں حق تعالیٰ کی محبت اور ظاہر و باطن میں اسی کی اطاعت پر آمادہ کرتا

رہتا تھا۔

آہ! ان نبی محترم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا جو حالتِ نزع میں فرماتے جاتے تھے:

لَقَدْ تَرَكْتُ فِيكُمْ أَمْرَيْنِ لَنْ تَضِلُّوا مَا تَمَسَّكْتُمْ بِهِمَا كِتَابَ اللهِ وَسُنَّةَ رَسُولِهِ۔	میں تم میں دو چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں جب تک تم انھیں مضبوطی سے تھامے رہوگے کبھی بھی گمراہ نہ ہوگے وہ دو چیزیں اللہ کی مقدس کتاب اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی سنّت ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ فقیرانہ زندگی بسر فرمائی۔ آپ فقراء ہی میں بیٹھنے کو پسند فرماتے تھے اور یہ دعا فرمایا کرتے تھے:۔

اَللّٰهُمَّ أَحْيِنِي مِسْكِيناً وَأَمِتْنِي مِسْكِيناً وَاحْشُرْنِي فِي زُمْرَةِ الْمَسَاكِين۔	اے خدا! مجھے زندگی بھر مسکین ہی رکھنا مسکین ہی مارنا اور مسکینوں کے ساتھ ہی میرا حشر ونشر بھی فرمانا۔

وصال سے قبل آپ کے پاس صرف سات دینار تھے آپ نے وہ سب فقراء پر تقسیم کرادئے اور اس حال میں زندگی کو وداع فرمایا کہ دنیا کے فانی ساز و سامان میں سے آپ کے پاس کچھ بھی باقی نہ رہا تھا جسے آپ متعلقین کے لئے وراثۃً چھوڑ جاتے۔ حتیٰ کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم واصل بحق ہو گئے اور حال یہ تھا کہ میرے گھر میں اتنا اذوقہ بھی نہ تھا جسے کوئی جاندار کھا سکے۔ آپ کی حیات میں میری دیوار گیری پر کچھ جو رکھے ہوئے تھے جن میں سے میں نے کچھ کھا لئے تھے پھر جب مجھ پر لمبا وقفہ گزرا تو ایک مرتبہ پھر کھا لئے اس طرح وہ بھی ختم ہو چکے تھے۔ اے کاش میں نے انھیں نہ کھایا ہوتا۔"

ترمذی نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔

آپ نے فرمایا:

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واصل الی اللہ ہوگئے مگر آپ نے اور آپ کے متعلقین نے زندگی بھر کبھی جو کی روٹی بھی شکم سیر ہوکر نہیں کھائی - رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بعد کوئی چیز بجز اپنے ہتھیاروں اور خچر کے ترکہ میں نہیں چھوڑی اور ان ہی چیزوں کو آپ نے اپنے سامنے صدقہ فرمادیا تھا۔"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے حضرت ابوبکر رضؓ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس زمین کا مطالبہ کیا تھا جو "فدک" اور "خیبر" میں موجود تھی اس پر حضرت ابوبکر رضؓ نے انھیں ان کے والد کا یہ ارشاد یاد دلایا۔

نَحْنُ مَعَاشِرُ الْاَنْبِیَاءِ لَا نُوْرِثُ	ہم انبیاء کے گروہ کا کوئی مالی وارث نہیں ہوتا بلکہ
مَا تَرَکْنَاہُ صَدَقَۃٌ۔	ہمارا ترکہ راہ خدا میں صدقہ ہوتا ہے۔

پھر آپ نے حضرت فاطمہ رضؓ سے کہا "پھر بھی اگر آپ کے والد صاحب نے یہ زمین آپ کو ہبہ فرمادی ہو تو میں اس معاملہ میں آپ کی بات مان لوں گا اور آپ کے ارشاد کی تعمیل کردوں گا۔"

اس پر حضرت فاطمہ رضؓ نے جواب دیا کہ "ان کے والد نے تو انھیں ان میں سے کوئی چیز عطا نہیں فرمائی بلکہ حضرت ام ایمن رضؓ نے انھیں خبر دی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایسا ارادہ تھا۔"

مگر اس جواب پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ مطمئن نہیں ہوئے اور "فدک" اور "خیبر" کو بحالہ محفوظ رکھنے کے متعلق آپ کی رائے قائم رہی۔ چنانچہ آپ نے انھیں مسلمانوں کے بیت المال میں داخل فرمادیا۔

خلافت رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کا مسئلہ

مسلمانوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی موت کا یقین آچکا تھا اور اب سب سے پہلا مسئلہ جوان میں موضوع بحث بنا ہوا تھا یہ تھا کہ امت کے مملکتی وانتظامی امور میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جانشین کون ہو؟

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم خدا کی طرف سے بندوں کی طرف بھیجے ہوئے نبی اور رسول تھے اور نبوت و رسالت آپ پر ختم ہو چکی تھی کیونکہ آپ انبیاء و مرسلین میں سب سے آخری نبی تھے نیز آپ حاکم مقتدر بھی تھے جو خدائی احکام نافذ فرماتے تھے۔

پس اب کون سی ہستی ہو سکتی ہے جو اس اہم منصب کے لئے آپ کی صحیح جانشین ہو یہ وہ اہم مسئلہ تھا جس میں مختلف رائیں تھیں۔ صحابۂ رسول سب کے سب انتہا درجہ متقی اور نیکوکار تھے مگر ان میں سے کوئی بھی اپنے اندر اس عظیم الشان منصب کی ادائی کی ایسی قدرت نہ پاتا تھا کہ وہ اس خلا کو جو نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے وصال سے پیدا ہو چکا تھا کما حقہ پر کر دے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جن اوصافِ عالیہ کے حامل تھے ممکن نہ تھا کہ کوئی دوسری ہستی علی وجہ الکمال ان سب کی جامع کہلائی جا سکے۔

الحاصل انصار کی جماعت بمقام سقیفۂ بنی ساعدہ حضرت سعد بن عبادہ رضؓ کے پاس جمع ہو گئی ادہر حضرت علی بن ابی طالب رضؓ۔ زبیر بن العوام رضؓ اور طلحہ بن عبید اللہ رضؓ حضرت فاطمہؓ کے گھر میں الگ مشورہ کیلئے جمع ہوئے۔ ادھر مہاجر حضرات اور ان کے ساتھ حضرت اسید بن

حضیر بن بنی عبد الاشہل رضؓ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کے پاس جمع ہوئے ۔ یہ سب گروہ اسی مسئلہ میں غور وفکر کرنے میں منہمک ہو گئے اور نعش مبارک حجرۂ مطہرہ میں چادر سے ڈھکی ہوئی رکھی رہی گھر کا دروازہ آپ کے اہل بیت نے بند کر لیا ۔ حضرت عمر رضؓ نے حضرت ابوبکر رضؓ سے عرض کیا کہ اپنے انصاری برادران کے پاس چلئے تاکہ ہم ان کے ساتھ مل کر معاملۂ زیر بحث میں غور وفکر کر سکیں ۔ چنانچہ آپ دونوں ادھر روانہ ہو گئے اثناء راہ میں دو شخصوں سے ملاقات ہوئی جنھوں نے بیان کیا کہ انصار خلافت کا منصب اپنے میں رکھنا چاہتے ہیں اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مہاجرین خود اپنی طرف سے ہی اس کی پیش کش کر دیں مگر یہ ہر دو حضرات اس پر راضی نہ ہوئے اور چل کر سقیفۂ بنی ساعدہ میں پہونچے وہاں قوم کو جمع پایا ۔ جس میں حضرت سعد بن عبادہ بھی موجود تھے جو بیمار ہونے کی وجہ سے چادر لپیٹے ہوئے بیٹھے تھے ان ہر دو حضرات نے مجمع کو سلام کیا اور بیٹھ گئے ۔

ایک انصاری مقرر کھڑے ہوئے جنھوں نے خدا کی حمد وثنا کے بعد یہ تقریر کی :

"اما بعد ۔ ہم خدا کے (دین کے) انصار اور لشکر اسلام کے مقدمۃ الجیش ہیں اور اے مہاجرین ! آپ حضرات ہمارے ہی قوم کا ایک جزو ہیں مگر آپ کی قوم میں سے اک طبقہ ہمیں جڑ بنیاد سے ہی اکھیڑ پھینکنا اور ہمیں ہمارے اصلی حق سے ہی محروم کر دینا چاہتا ہے ۔ حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں انصار ومہاجرین میں موافقت ومساعدت کے جذبات کارفرما تھے ۔ یہ بات حضرت عمر رضؓ سے برداشت نہ ہو سکی اور وہ اس کا جواب دینا ہی چاہتے تھے کہ ان کی سخت مزاجی کے خوف سے حضرت ابوبکر رضؓ نے انھیں روک دیا اور کہا اے عمر ! نرمی ومتانت اختیار کرو پھر خود انصار کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا

"حضرات ! ہم مہاجرین قبول اسلام میں سب سے اوّل ۔ حسب نسب میں سب سے زیادہ شریف ۔ قبیلہ کے اعتبار سے سب سے افضل ۔ وجاہت میں سب سے بہتر ۔ تعداد

کے اعتبار سے عرب میں سب سے زیادہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سب سے قریبی رشتہ دار ہیں ہم تم سب سے پہلے اسلام لائے اور قرآن میں تم سے پہلے ہمارا ذکر کیا گیا جیسا کہ حق تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ	اور سب سے پہلے اسلام لانے والے مہاجرین
وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ	نیز انصار سے اور اطاعت الٰہی میں ان ہر دو
بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا	کی پیروی کرنے والوں سے اللہ راضی ہو گیا
عَنْهُ۔ پ ۱۱ - ع ۱	اور وہ اللہ سے راضی ہو گئے۔

پس ہم مہاجر ہیں اور آپ انصار آپ ہمارے دینی بھائی ہیں اموالِ غنیمت میں ہمارے شریک و حصہ دار ہیں۔ دشمن کے مقابلہ کے وقت ہمارے معاون و مددگار ہیں۔ بے شک آپ نے اپنی جو خوبیاں بیان کی ہیں آپ ان کے واقعی مستحق ہیں اور واقعی تمام اہل زمین کی طرف سے تعریف و تحسین کے لائق ہیں لیکن عرب "منصبِ خلافت" کو صرف قبیلۂ قریش ہی کے لئے مخصوص سمجھتے ہیں اس لئے مناسب ہے کہ امراء ہم میں سے منتخب ہوں اور وزراء آپ میں سے"

اس پر ایک انصاری غصہ سے مشتعل ہو کر کھڑے ہو گئے اور اپنی قوم پر فخر کرنے لگے اور کہنے لگے، اے گروہ قریش! ایسا نہیں بلکہ یہ ہونا چاہئے کہ ایک مرتبہ ہم میں سے امیر منتخب ہو اور ایک مرتبہ آپ میں سے۔ اس پر حضرت ابوبکرؓ نے پھر وہی بات دہرائی کہ ایسا نہیں بلکہ ہمیشہ ہم میں سے امیر اور آپ میں سے وزیر منتخب ہوا کریں میں امارت کیلئے ان دونوں ہستیوں کو منتخب کرتا ہوں پس آپ حضرات ان میں سے کسی ایک کو منتخب کر کے اس کے ہاتھ پر بیعت کریں یہ کہہ کر آپ نے بیعت کے لئے حضرت عمر بن خطاب رضؓ اور حضرت ابو عبیدہ بن عامر بن جراح رضؓ کا ہاتھ پکڑا اور خود ان دونوں کے درمیان میں تشریف فرما رہے۔ اس نوبت پر بہت ہنگامہ اور شور برپا ہوا اور آپس میں اختلاف

کا خطرہ بڑھ گیا یہ حال دیکھکر حضرت عمرؓ نے گرجدار آواز میں کہا: اے ابو بکر! اپنا ہاتھ بڑھائیے حضرت ابو بکرؓ نے ہاتھ بڑھا دیا اور حضرت عمرؓ نے سب سے پہلے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی اور یہ کہا:

"اے ابو بکرؓ! کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو لوگوں کو نماز پڑھانے کا حکم نہیں فرمایا۔ پس آپ ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفۂ برحق ہیں اس لئے ہم آپ ہی کے ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں۔ اس طرح درحقیقت ہم اس ہستی کی بیعت کر رہے ہیں جو ہم سب سے زیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو محبوب اور عزیز تھی۔"

یہ جملے تمام حاضرین کے دلوں میں اتر گئے اور سب نے یک زبان ہو کر کہنا شروع کیا بے شک جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو ہماری دینی امامت کیلئے منتخب فرمایا تو کیا ہم دنیوی امارت کیلئے آپ کا انتخاب نہ کریں یہ کہہ کر سب کے سب بیعت کے لئے ٹوٹ پڑے۔

اس واقعہ کے دوسرے دن حضرت ابو بکرؓ منبر پر بیٹھے مگر حضرت عمر بن خطابؓ نے آگے بڑھ کر حضرت ابو بکرؓ سے پہلے قوم سے خطاب کیا اور حمد و ثنا کے بعد فرمایا:

"میں نے کل آپ حضرات سے جو کچھ کہا تھا وہ نہ میں نے کتاب اللہ میں پایا تھا اور نہ ہی مجھے اس سلسلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے کوئی ہدایت ہوئی تھی لیکن میرا خیال تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے دینی و دنیوی امور کا انصرام و اہتمام فرمائیں گے اور ہم میں دیر تک موجود رہیں گے حتیٰ کہ ہم سب کے آخر میں واصل بحق ہوں گے لیکن ایسا نہ ہوا بلکہ حق تعالیٰ نے تم میں اپنی وہ مقدس کتاب باقی رکھی جس کے ذریعہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہماری رہنمائی فرمائی تھی۔ پس اگر آپ اس سے وابستہ رہیں گے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس امر کی جانب آپ کی ہدایت فرمائی تھی خدا اس کتاب کے ذریعہ آپ کی وہی ہدایت فرماتا رہے گا اور اللہ تعالیٰ نے آپ کا

معاملہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بہترین صحابی اور سفر ہجرت کے وقت غار میں آپ کے رفیق خاص کے سپرد فرما دیا۔ پس اُٹھئے اور آپ کے ہاتھ پر بیعت کیجئے۔ اس پر سقیفۂ بنی ساعدہ کی بیعت کے بعد آج بقیہ تمام حاضرین کی طرف سے حضرت ابوبکرؓ کے ہاتھ پر عام بیعت مکمل ہو گئی۔ بیعت تمام ہو جانے کے بعد حضرت ابوبکرؓ کھڑے ہوئے اور آپ نے قوم کے سامنے درج ذیل فصیح و بلیغ خطبہ دیا جو حکمت کا شاہکار اور حق و باطل میں قولِ فیصل کی حیثیت رکھتا ہے۔

"اما بعد: حاضرینِ محفل! میں تمہارا امیر منتخب کیا گیا ہوں حالانکہ میں تم سے بہتر نہیں ہوں۔ اگر میں بہتر کام کروں تو تم میری مدد کرنا اور اگر برائی کی طرف چلوں تو مجھے راہ راست پر لے آنا۔ راست گوئی امانت ہے اور جھوٹ خیانت ہے۔ میرے نزدیک تمہارا ضعیف شخص بھی قوی ہے حتیٰ کہ میں انشاء اللہ اس کا حق دلا کر چھوڑوں گا۔ اور تم میں کا قوی بھی میرے نزدیک ضعیف ہے حتیٰ کہ انشاء اللہ اس سے تمہارا حق پورا کرا لوں گا۔

کوئی قوم جب جہاد فی سبیل اللہ کو ترک کر دیتی ہے تو خدا اس پر ذلت مسلط کر دیتا ہے اور جب قوم میں فواحش عام ہو جاتے ہیں اسے حق تعالیٰ مصائب میں مبتلا کر دیتا ہے جب تک میں خدا و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرتا رہوں تم بھی میری اطاعت کرتے رہنا اگر میں خدا و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کرنے لگوں تو تم فوراً میری اطاعت ترک کر دینا خدا تم پر رحم فرمائے۔ اب نماز کے لئے اٹھو"

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تجہیز و تدفین

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مکان میں شب سہ شنبہ کو رحلت فرما گئے اور جب صبح کو حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کے حق میں بیعت کی تکمیل ہو گئی تو سب سے پہلے انھوں نے جو کام انجام دیا وہ آپ کے غسل کا اہتمام تھا جسے انھوں نے آپ کے قریب ترین اعزہ حضرت علی بن ابی طالب رضؓ حضرت عباس بن عبد المطلب رضؓ اور ان کے ہر دو فرزندان فضل اور قثم کے سپرد فرمایا۔ پس حضرت علی بن ابی طالب رضؓ نے نعش مبارک کو اپنے سینہ کا سہارا دیکر غسل دینا شروع کیا اور باقی حضرات نعش مبارک کو الٹنے پلٹنے اور غسل دینے میں آپ کو مدد دینے لگے۔

حضرت اسامہ بن زید اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام "شقران" پانی ڈالتے جاتے تھے۔ جب غسل سے فراغت ہو گئی تو آپکو تین کپڑوں کا کفن دیا گیا اور نعش مبارک کو یمنی چادر میں لپیٹ دیا گیا۔ اس کے بعد نعش مبارک کو آپ کے مکان ہی میں تخت پر رکھ دیا گیا۔ صحابہ رضؓ میں آپ کے دفن کی نسبت پہلے سے کچھ اختلاف تھا۔ بعض کی رائے تھی کہ ہم آپ کو آپ کی اسی مسجد میں دفن کریں گے۔ بعض کی یہ رائے تھی کہ ہم آپ کو آپ کے دوسرے متوفی اعزہ کے برابر دفن کریں گے۔

اس پر حضرت ابوبکر رضؓ نے فرمایا۔ میں نے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سُنا ہے کہ :-

"انبیاء میں سے جب کسی نبی کی وفات واقع ہوتی ہے تو وہ وفات کی جگہ ہی دفن کئے جاتے ہیں۔"

اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بستر مبارک جس پر آپ کا وصال ہوا تھا اٹھا دیا گیا اور اسی کے نیچے لحد کھودی گئی۔ پھر پہلے مردوں نے اسی جگہ نعشِ مبارک پر حاضر ہو ہو کر نمبر دار متعدد گروہوں میں نماز جنازہ ادا کی۔ ان کے بعد اسی طرح عورتوں نے اور ان کے بعد بچوں نے نماز جنازہ ادا کی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز جنازہ میں کسی نے لوگوں کی امامت نہیں کی۔ پھر نعش مبارک چہارشنبہ کی شب کو سپردِ خاک کر دی گئی۔ جسے حضرت علی بن ابی طالبؓ۔ فضل بن عباسؓ اور آپ کے غلام شقران نے قبر مبارک کے اندر اتارا۔ پھر قبر مبارک برابر کر دی گئی۔

حضرت عائشہؓ نے بیان کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مرض الموت میں فرمایا تھا کہ:

"یہود پر خدا کی لعنت ہو جنھوں نے اپنے پیغمبروں کی قبروں کو مساجد بنا لیا تھا۔"

اگر ایسا نہ ہوتا تو آپ کی قبر شریف کھلی رکھی جاتی۔ اس ارشاد سے آپ کا مقصد اپنی امت کو اس فعل سے روکنا تھا۔

حضرت ابو بکرؓ نے تدفین سے فراغت پاتے ہی حضرت اسامہؓ کے لشکر کو روانہ کرنے سے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کی تعمیل کا حکم دیدیا چنانچہ یہ لشکر حضرت اسامہؓ کی سرکردگی میں منزلِ مقصود کی طرف روانہ ہو گیا۔ اور جن جن صحابہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جہاد میں کوچ کا حکم فرمایا تھا وہ سب کے سب روانہ ہو گئے۔ بجز حضرت ابو بکرؓ کے کیونکہ آپ خلیفہ بن چکے تھے تاہم آپ اس لشکر کو

رخصت کرنے کے لئے کچھ دور تک اس طرح تشریف لے گئے کہ آپ پاپیادہ چل رہے تھے اور اسامہ رضؓ اپنے گھوڑے پر سوار تھے۔ رخصت کے وقت آپ نے حضرت اسامہ رضؓ سے استدعا کی کہ حضرت عمر بن خطاب رضؓ کو آپ کے پاس رہنے کی اجازت دیدیں تاکہ وہ آپ کے پاس رہ کر اہم امور میں آپ کا ہاتھ بٹائیں۔ حضرت اسامہ رضؓ نے اجازت دیدی اور خود اللہ کی حفاظت میں آگے روانہ ہو گئے حتیٰ کہ مقام بلقاء تک جا پہونچے اور اس قصبہ کی اینٹ سے اینٹ بجادی جس کے باشندے نہایت ظالم تھے۔

یہیں سے لاکر کعبہ میں "ہبل" نامی بُت رکھا گیا تھا۔ یہیں جمع ہو کر رومیوں نے غزوۂ موتہ میں مسلمانوں سے جنگ کی تھی اور حضرت زید بن حارثہ رضؓ۔ جعفر بن ابی طالب رضؓ اور عبداللہ بن رواحہ رضؓ کو شہید کر ڈالا تھا۔ پس حضرت اسامہ رضؓ نے صرف بیسؔ دن میں اس قوم سے اسلام کا بدلہ اور اپنے شہید والد اور ان کے ساتھی شہداء کے خون کا قصاص لے لیا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت کے مطابق فتح ونصرت کا جھنڈا لہراتے ہوئے مدینہ منورہ واپس ہوئے۔ اس طرح خدا کا یہ ارشاد بالکل صحیح ثابت ہوا۔

وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ	فتح ونصرت صرف خدا ہی کی طرف سے ہے بلاشبہ
اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ۔	خدا بڑی طاقت اور حکمت والا ہے۔

حضرت ابوبکرؓ کی مرثیہ گوئی

حضرت ابوبکرؓ پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کا بے حد اثر تھا کہ آپ ہی سب سے پہلے آنحضرتؐ پر ایمان لائے تھے آپ صدیق تھے جنھوں نے کبھی بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دی ہوئی آسمانی خبروں اور واقعۂ معراج کے متعلق ذرہ برابر شک وشبہ نہیں کیا۔ نیز آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے گہرے دوست غار میں آپ کے ساتھی۔ آپ کے وزیر اور تمام اہم امور میں آپ کے دست وبازو تھے۔ آپ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال پر مرثیہ کے طور پر جو اشعار کہے ہیں انھیں ہم اک اہم تاریخی واقعہ کی حیثیت سے اس موقع پر نقل کرنا ضروری سمجھتے ہیں وہ یہ ہیں:۔

لما رأیتُ نَبِیَّنا مُتجندِلاً
ضاقَتْ علیّ بعرضهن الدُّورُ

جب میں نے اپنے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نعش مبارک کو زمین پر مردہ پڑا ہوا دیکھا تو مجھے وہ بستی اپنی وسعت کے باوجود تنگ نظر آنے لگی۔

وارتعت روعة مستهام واله
والعظم منی واهن مکسور

میں لرزہ براندام ہوگیا۔ میرے جسم کی ہڈیاں چکنا چور ہوگئیں۔

اعتیق ویحك ان حبك قد ثوی
وبقیت منفردا وانت حسیر

اے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ادنیٰ غلام۔ ہائے افسوس آج تیرا حبیب تو زیر زمین دفن ہوگیا اور تو سرشدہ یکہ وتنہا باقی رہ گیا۔

یالیتنی من قبل مهلك صاحبی
غیبت فی جدث علی صخور

اے میرے حبیب! کاش میں تیری وفات سے پہلے ہی قبر میں دفن ہوجاتا اور مجھ پر پتھر ڈال کر مجھے چھپا دیا جاتا۔

فلتحدثن بدائع من بعده
تعیی بهن جوانح وصدور

آپ کے بعد آپ کے ان گنت عجیب و غریب محاسن و فضائل بیان کئے جاتے رہیں گے جن کو سنتے سنتے قلب و جگر تھک جائیں گے۔

یا عین فابکی ولا تسأمی
وحق البکاء علی السید

اے آنکھ! خوب رو اور رونے میں ذرا بھی بخل نہ کر کہ تجھ پر اپنے اس آقا کی موت پر گریہ و بکا کرنے کا لازمی حق ہے۔

علی خیر خندف عند البلاء
امسی یغیب فی الملحد

جو قبائل خندف میں سب سے بہتر بھی تھا۔
اور جو لحد میں جا چھپا۔

فصلی الملیك ولی العباد
ورب البلاد علی احمد

اور بندوں کے مولیٰ ملکوں کے حاکم اور شہنشاہ دوعالم نے احمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنی رحمت نازل فرمائی۔

فکیف الحیاة لفقد الحبیب
وزین المعاشر فی المشهد

پس اب اس حبیب محترم اور راس رونق و زینتِ محافل کی جدائی کے بعد ہم کس طرح زندہ رہ سکیں گے۔

فلیت الممات لنا کلنا
وکنا جمیعا مع المهتدی

کاش ہمیں بھی موت آجاتی اور ہم سب کے سب اپنے پیشوا کے ساتھ ہی رہتے۔

حضرت حسّان رضؓ کی مرثیہ گوئی

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے حادثۂ فاجعہ پر آپ کے شاعر خاص حضرت حسان بن ثابت رضؓ نے متعدد مرثیے کہے ہیں جن کے منجملہ ہم ان کا یہ پُر درد مرثیہ ذیل میں درج کرتے ہیں:

مدینہ طیبہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نورانی آثار و نقوش اسی طرح باقی ہیں حالانکہ عام طور سے ایسے نقوش مٹ جایا کرتے ہیں۔

اس مقدس و محترم گھر سے یہ نشانیاں مٹ نہیں سکتیں جس میں اس رہبر انسانیت شخصیت کا وہ منبر موجود ہو جس پر وہ چڑھ کر خطبہ دیا کرتی تھی۔

اس ہستی کے آثار نمایاں اور علامات باقی ہیں نیز اس کا وہ مقدس گھر بھی باقی ہے جس میں مصلی و مسجد موجود ہے۔

اس مبارک شہر میں وہ حجرے موجود ہیں جن میں حظیرۃ القدس سے وہ نور نازل ہوتا تھا جس کی روشنی تمام عالم میں پھیلتی اور اسے منوّر و روشن کر جاتی تھی۔

انہی حجروں میں حکمت و معرفتِ الٰہیہ کے وہ موتی بھی برستے تھے جن کی آیات مرورِ زمانہ کے باوجود بھی کبھی نہ مٹ سکیں گی۔ ان پر قدامت و کہنگی ضرور طاری ہوگی لیکن اس سے وہ مٹنے کی بجائے اور زیادہ چمکیں گی اور ہمیشہ نت نئی صورت میں جلوہ گر ہوں گی۔

میں نے اس بستی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے روحانی آثار اور آپ کا

باوقار دور دیکھا ہے جسے آج لحد نے مٹی میں چھپا دیا ہے۔

میں نے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حادثۂ وصال پر رونا شروع کیا تو میری آنکھوں اور پلکوں نے آنسو بہانے میں دل کھول کر میری مساعدت کی۔

یہ آنکھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان بے شمار فضائل کو یاد کر کر کے اشکبار ہوئیں جن کا میں کامل احاطہ کبھی نہیں کر سکتا۔

پس میں ششدر و حیران اور غم زدہ و حسرت زدہ رہ گیا۔

اس ہستی کے وصال کے غم نے مجھے پوست استخواں بنا دیا۔ اور میں حسرت سے اس ہستی کے فضائل والطاف کو ایک ایک کر کے شمار کرنے لگا۔

لیکن ان کا عشر عشیر بھی بیان نہ کر سکا اور جہاں تک میری آنکھوں نے میرا ساتھ دیا میں قبر رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر دیر تک کھڑے رہ کر آنسوؤں کے دریا بہاتا رہا۔

اے قبر رسول! تو آج برکت وسعادت سے مالا مال ہوگئی اور وہ مقدس بستی بھی یمن و برکت سے لبریز ہوگئی جس میں ایسا ہادی برحق مدفون ہوا۔

اور اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کی ذاتِ گرامی کی وجہ سے وہ لحد بھی برکتوں سے لبریز اور خوشبوؤں سے معطر ہوگئی۔ جسے تہ بر تہ پتھروں کی بندش نے ڈھانک دیا۔

پھر اس پر ہاتھ مٹی ڈالنے لگے اور اس کے آنکھوں سے اوجھل ہوتے ہی آنکھیں اشکبار ہوگئیں۔

آہ! آج لوگوں نے اپنے ہی ہاتھوں مٹی ڈال کر حلم و وقار، علم و حکمت اور رحمت و راحت کو دفن کر دیا۔

اور وہ غم زدہ و حسرت زدہ با حالِ پریشان واپس لوٹے کہ آج ان کا پیارا نبی ان میں موجود نہ رہا اور اس صدمۂ جانکاہ نے ان کی کمر ہی توڑ دی۔

یہ سب آج اس ہستی کے وصال پر زار و قطار رو رہے تھے جس پر آسمان اور زمین تک

رو رہے تھے اور شدّت ملال سے لوگوں کے رنگ اڑے ہوئے تھے۔

کیا دنیا میں اس عظیم مصیبت والے دن کے برابر بھی کوئی مصیبت کا دن آیا ہوگا جس دن حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوگیا۔

آج کے دن لوگوں سے وحی بالکلیہ منقطع ہوگئی۔ صاحب وحی وہ نورانی ہستی تھی جو شمع ہدایت لیکر بلند و پست ہر جگہ پہونچتی تھی۔

وہ اپنے متبعین کو خدائے رحمان و رحیم سے متعارف کراتی تھی اور انھیں اخروی رسوائیوں کی ہولناکیوں سے ڈراتی اور راہِ مستقیم کی جانب ان کی رہنمائی کرتی تھی۔

وہ انسانوں کے امام تھے جو انتہائی جد و جہد کے بعد انھیں راہ حق دکھاتے تھے اور وہ ان کے سچے اور حقیقی معلم تھے کہ اگر انسان ان کی اطاعت کریں تو یقیناً سعادت و کامیابی سے بہرہ اندوز ہوں۔

وہ خطا کاروں کی لغزشوں سے در گزر کرنے والے اور ان کا عذر قبول کرلے والے تھے اور اگر یہ لوگ بھلے کام کریں تو خوب سمجھ لیں کہ خدا کی ذات انھیں جزا خیر دینے میں بے حد سخی واقع ہوئی ہے۔

اگر کوئی سخت مشکل پیش آجائے جس کے مسلمان متحمل نہ ہوسکیں تو آج کون ہے جو اس مشکل کو حل کرسکے؟

اسی اثنا میں جبکہ تمام امتی اپنے درمیان اللہ کی نعمت کو موجود پاتے تھے جو حقیقی منزل کی جانب ان کی صحیح رہنما تھی۔

اور اگر یہ لوگ راہِ مستقیم سے بھٹک جائیں تو اس ہستی کے دل پر یہ امر بہت شاق گزرتا تھا اور وہ ہر آن ان کے صحیح و سیدھے راہ پر چلتے رہنے کی دل سے متمنی رہتی تھی۔

وہ ان پر غایت درجہ شفیق و مہربان تھی حتیٰ کہ پل بھر کیلئے بھی اس گود کی طرف اپنے بازو پھیلانے اور اس سے ربط پیدا کرنے کے لئے تیار نہ تھی جو اس کے اُمتیوں کے

خلاف پڑے اور ان کے حق میں مضر ثابت ہو۔

مسلمان اس نور سے مشرف اور مستفید ہو ہی رہے تھے کہ دفعتہً موت کے اک تیر نے ان کے اس نور کو اپنا نشانہ بنا لیا۔

جس کے نتیجہ میں وہ ستودہ صفات نور مجسّم اللہ کی طرف سدھارا حتیٰ کہ خود قرآنی آیتیں اس کی موت پر اس کے محامد و اوصاف بیان کر کر کے اشکبار ہونے لگیں۔

بلدۂ حرام کی اس سرزمین پر جو وحی الٰہی سے مانوس تھی اس کے انقطاع کے ساتھ ہی آناً فاناً اک وحشت و ویرانی برسنے لگی۔

یہ سرسبز و شاداب علاقہ دیکھتے ہی دیکھتے بنجر و چٹیر بن کر رہ گیا اور صرف اک لحد کا کونہ آباد رہ گیا جس میں وہ عدیم المثال ہستی جا کر مہمان ہوئی جسے آج تمام روئے زمین اور آسمانوں کے ستارے تک رو رہے ہیں۔

اور جس ایک وجود کے نہ رہنے کی وجہ سے اس کی مسجد ویران ہو گئی جس میں وہ نشست و برخاست رکھتا تھا آج اس پر بھی وحشت برس رہی ہے۔

علیٰ ہٰذا آج (منیٰ میں واقع) جمرۂ کبریٰ تمام کا تمام شہر، میدان، محلے اور مولد النبی صلی اللہ علیہ وسلم سب کے سب یکسر ویران و بے نور ہو گئے۔

پس اے چشمِ عبرت! تو بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر آنسو بہا اور جب تک زمانہ باقی رہے میں تیرے آنسو تھمتے ہوئے نہ دیکھوں۔

تجھے کیا ہو گیا کہ تو اس صاحبِ نعمت ہستی کے وصال پر نہیں روتی جس کی لامتناہی عنایتیں لوگوں کو گھیرے ہوئے تھیں۔

پس تو اس پر آنسوؤں کی بارش کرنے میں اپنی بے مثال سخاوت دکھا اور اس ہستی کے فقدان پر نوحہ و ماتم کر جس کا ثانی اب کسی زمانہ میں بھی نہ مل سکے گا۔

پچھلوں نے آج تک محمد جیسی ہستی کو نہ کھویا تھا اور نہ ہی اس جیسی ہستی تا قیامت

تک کھوئی جائے گی۔

وہ سب سے زیادہ معاف فرمانے والا اور اپنے عہود و ذمہ داریوں کو سب سے زیادہ پورا کرنے والا تھا اس کا مقرب اس سے دور رہنے والے کی طرح کبھی بھی اس سے مکدر و کبیدہ خاطر نہ ہوتا تھا۔

اور جبکہ کوئی سخی اپنے سے دور رہنے والے کو دینے میں بخل کرتا ہو تو وہ قریب و بعید سب پر یکساں سخاوت کی بارش فرماتا تھا۔

جب اس کا گھروں میں ذکر ہوتا تو ہمیشہ اس کا ذکرِ خیر ہی ہوتا تھا اور وہ سرزمینِ بطحا کی معزز و محترم ہستی تھی جو ہر جگہ سردار مانی جاتی تھی۔

وہ زمینی ذرات میں باشوکت، آسمان کی بلندیوں میں باعظمت، عزت و شان کا ستون اور مراتب عالیہ پر فائز ہونے والا تھا۔

وہ اصل و فرع ہر حیثیت میں قوی تر اور ایسی شاخ تھا جسے بارانِ رحمت نے سیراب فرمایا تھا۔
بچپن میں خدائے برتر و بزرگ نے خود اس کی تربیت فرمائی تھی حتیٰ کہ اس تربیتِ ربّانی کو مکارمِ عالیہ اور اخلاقِ فاضلہ کے منتہائے کمال تک پہنچا دیا تھا۔

مسلمانوں کے رشد و ہدایت اور ان کی بہتری کی تمام باتیں آپ کے ہاتھ میں تھیں لہٰذا نہ آپ کا علم و عرفان محدود تھا نہ آپ کی رائے اور فکر میں کسی قسم کا ادنیٰ ضعف پایا جاتا تھا۔

میں بہانگ دہل یہ سب بیان کر رہا ہوں اور فاترالعقل و لبعید از حواس شخص کے سوا کوئی شخص بھی میرے اس بیان میں کچھ نقص و عیب نہیں نکال سکتا۔

میری دلی آرزو اور تمنا ہے کہ میں عمر بھر آپ کے محامد و اوصاف کے بیان کو ترک نہ کروں شاید اس خدمت کے صلہ میں مجھے جنت الخلد نصیب ہو جائے۔

میں اس نعت گوئی سے حضرت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے قرب کا امیدوار ہوں اور اسی مبارک دن کے حصول کی جد و جہد میں مشغول ہوں۔

نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے شخصی حالات

میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاقی احوال اور آپ کی زندگی کی بلندیاں بیان کر چکا ہوں اب آپ کے خاص شخصی احوال کا ذکر کرنا باقی رہ گیا تاکہ آپ کے شخصی احوال کو جاننے کا خواہشمند ان میں دلچسپی لے سکے اس سلسلہ میں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت رکھنے والوں کے قلبی شغف سے واقف ہوں جو نہ صرف خود ان حالات پر باخبر رہنا چاہتے ہیں بلکہ وہ اپنی اولاد کو بھی ان معلومات سے مستفید ہونے کی ہدایت کرتے ہیں۔ اس بنا پر میں مناسب سمجھتا ہوں کہ ایسے اہل ذوق کی خاطر اپنی وہ طویل نظم نقل کر دوں جسے میں نے اپنی منظوم تالیف مسمی بہ "سیرت سید ولد آدم" میں مختصر مگر واضح طریقہ پر شعری قالب میں ڈھال دیا ہے۔ تاکہ شایقین کے لئے اسے یاد رکھنا اور دماغ میں محفوظ رکھنا آسان ہو۔

اس کے بعد انشاء اللہ خدا کی مدد سے آپ کے اوصاف حمیدہ اخلاقی خوبیاں آپ کی لائی ہوئی اصلاحی تعلیمات آپ کی دعوت الی اللہ کے ابتدائی اصول آپ کی بیان کردہ شرعی حکمتیں اور مقاصد عالیہ بیان کروں گا جن کا جاننا ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے۔ کیونکہ میری رائے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق ان تمام حقائق کا جاننا ہر شخص پر واجب ہے تاکہ وہ ان معلومات کے ذریعہ آپ کے بلند مقاصد اور اس نظریہ کو بخوبی جان لیں کہ جس شریعت مطہرہ کو لیکر آپ مبعوث ہوئے تھے وہ صرف خدا ہی کی طرف سے اور تمام

بنی نوع انسان کی فلاح و بہبودی کے لئے ہو سکتی تھی اس کے سوا اس کا کوئی دوسرا حل ممکن ہی نہیں پس اگر دنیائے انسانیت کامل سعادت اور عام سلامتی و سکون کی خواہاں ہو تو اس عرفان کے بعد اس کے لئے اس نبی محترم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کے سوا اور کوئی چارہ کار ہی نہیں۔ حدیث شریف میں آپ کا یہ ارشاد وارد ہے کہ

"اس امت کی اصلاحِ حال صرف اسی طریقہ سے ہو سکے گی جس سے پہلوں کی اصلاح ہوئی تھی"

اور خدا ہی صراطِ مستقیم کی جانب ہماری رہنمائی فرمانے والا ہے۔

اب ہم آپ کے حلیۂ مبارک کو بیان کرتے ہیں جس کے بعد آپ کے اخلاقی اوصاف بیان کریں گے۔

سراپائے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شکل وصورت حسن وجمال کے مفہوم کا مظہر کامل تھی حتی کہ آپ سرتاسر مجسمۂ حسن و جمال تھے۔ آپ میانہ قد تھے سر مبارک بڑا تھا جس پر پٹے رکھے ہوئے تھے۔ موئے مبارک سیاہ تھے۔ پیشانی کشادہ تھی جو سجدوں کی کثرت سے درخشاں و منور رہتی تھی۔

چشمان مبارک بڑی اور گہری سیاہ تھیں جن کے سفید حصہ میں سرخ ڈورے کھنچے ہوئے تھے۔

ان پر گہری سیاہ اور طویل پلکیں تھیں جو نگاہوں کو اپنی طرف کھینچتی تھیں۔

بینی مبارک کھڑی اور ستواں تھی اور دندانِ مبارک چھدرے اور (موتی کی طرح) سفید تھے۔ آپ کی بھنویں تلوار کی طرح خمدار اور مکمل جڑواں تھیں جو چاند کے اطراف نیم دائرہ (ہالہ) کے مشابہ تھیں۔

غصہ کے وقت پیشانی مبارک کا پسینہ (موتی کی طرح) چمکتا تھا جس کی چمک سے دیکھنے والے کو آپ کی کیفیتِ غضب کا اندازہ ہو جاتا تھا۔ آپ ہمیشہ منہ کھول کر گفتگو فرماتے تھے حتی کہ جب کوئی بات فرماتے تو وہ جامع اور مکمل (غیر مبہم) ہوتی تھی۔

ریش مبارک گھنی اور گردنِ مبارک لمبی اور خوبصورت تھی سینۂ مبارک چوڑا اور وسیع تھا۔

آپ مونچھیں ترشواتے تھے اور فرماتے تھے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی مونچھیں ترشوایا کرتے تھے۔

آپ کا رنگ کھلتا ہوا ہاتھ پیر بڑے اور گداز تھے۔

جسم کی ہڈیاں چوڑی ہاتھوں کی کلائیاں طویل رگ پٹھے کھلے ہوئے اور ہتھیلیاں چوڑی تھیں۔

جسم مبارک گٹھا ہوا تھا شکم مبارک سینہ کے مساوی تھا جس پہ بالوں کے خط کھینچے ہوئے تھے۔

ناف مبارک سے سینہ کے درمیانی اور اعلیٰ حصہ تک بالوں کا سلسلہ ہار کے مشابہ نظر آتا تھا۔

چال دھیمی اور معتدل تھی قدم اٹھاتے وقت معلوم ہوتا تھا کہ آپ اوپر سے نیچے کو اتر رہے ہیں۔

جب کسی طرف متوجہ ہوتے تو پورے جسم کے ساتھ گھوم جاتے اور آپ کی نگاہیں ہمیشہ نیچی رہتی تھیں۔

جب کسی طرف اشارہ فرماتے تو پورے دائیں ہاتھ سے اشارہ فرماتے اور تعجب کے وقت ہاتھوں کو الٹ پلٹ فرماتے تھے۔

علیٰ ہذا گفتگو کے وقت دائیں ہتھیلی بائیں انگوٹھے پر مارتے جاتے تھے۔

اور کبھی آپ ہونٹوں کو چباتے جاتے اور سر کو ہلاتے جاتے تھے۔

غصہ کے وقت چہرۂ مبارک منغض و ترش ہو جاتا تھا اور تبسم کے وقت کن انکھیوں سے دیکھتے تھے۔

آپ کے دونوں مونڈھوں کے درمیان کمر کے بالائی حصہ میں گردن کے قریب ایک گول گھنڈی تھی جیسے ہاتھوں میں انگوٹھی ہوتی ہے۔

وہ درحقیقت مہرِ نبوت تھی اور ایک گروہ نے اسی کو دیکھ کر آپ کے بچپن ہی میں آپ کو پہچان لیا تھا۔

آپ کی اُفتادِ طبع اور عادات

آپ ہر لمحہ غمگین و متفکر رہتے اور ہمیشہ غور و فکر میں مستغرق رہتے تھے اور گفتگو اقتضاءِ حال کے مطابق بہت نپی تلی فرماتے تھے۔

نہ آپ پست ہمت و بزدل تھے نہ ہی حقیر و کم عقل تھے آپ اللہ کی نعمتوں کے غایت درجہ شکر گزار رہتے تھے۔

آپ ہمیشہ حق کی تائید فرماتے تھے اور کسی ایسے شخص پر جو امر حق میں آپ سے امداد کا طالب ہو کبھی عتاب نہ فرماتے تھے۔

آپ کی یہ خواہش رہتی تھی کہ صحابہ اعمال حسنہ سے متعلق آپ کے مواعظ و نصائح کو غائبین تک پہونچاتے رہیں اور لوگوں کی شکایات اور اہل حاجت کی حاجتیں برابر آپ تک پہونچاتے رہا کریں۔

آپ ہر قوم کے معزز و ہر دلعزیز مقتدا کا احترام فرماتے اسے اپنے سے قریب فرماتے اور اسے اس کا خاص مقام عطا فرماتے تھے۔

اور آپ ہر امر حق کو قبول کرنے والے اور ہر نیک اعمال کرنے والے کی بیش از بیش قدر و منزلت فرماتے تھے۔

علیٰ ہذا اپنی مجالس میں ہر حاضر ہونے والے کی طرف اپنی کامل توجہ مبذول فرماتے تھے حتیٰ کہ ہر حاضر ہونے والا یہی خیال کرتا تھا کہ آپ کو مجھ سے ہی زیادہ خصوصیت ہے اور

وہ دوسروں کے مقابلہ میں زیادہ خوش نصیب ہے۔

کبھی کسی آنے والے سے روگردانی نہ فرماتے تھے اور مختلف اغراض کے سلسلہ میں آنے والوں کے سلام کا برابر جواب دیتے تھے۔

حاشاک اللہ کسی مقصد کو لیکر حاضر خدمت ہونے والا کبھی نا امید و ناکام نہ لوٹتا تھا حتیٰ کہ آپ اس کی ہر جائز خواہش کو پورا فرماتے تھے۔

آپ اپنے جودوسخا اپنے بلند اخلاق و اوصاف اور اپنی شیریں بیانی و نرم کلامی کی وجہ سے تمام دنیا پر چھا گئے تھے۔

نہ آپ کبھی کسی کو برا بھلا کہتے تھے نہ کسی کا عیب بیان فرماتے تھے نہ آپ سخت سست کہنے والے تھے نہ سخت دل اور تندمزاج تھے۔

آپ ہمیشہ سنجیدہ و باوقار رہتے اور لوگوں کے خفیہ عیوب پر چشم پوشی فرماتے اور ان سے انجان بنے رہتے تھے۔

جب آپ گفتگو فرماتے تو حاضرین محفل غایت ادب سے گردن جھکائے آپ کی بات سنتے تھے اسی طرح ان کی گفتگو کے وقت آپ ہمیشہ خاموش رہتے تھے۔

علیٰ ہذا جب حاضرین ہنستے تو آپ بھی تبسم فرماتے اور کسی بات پر دوسروں کے متعجب ہونے پر آپ بھی تعجب کا اظہار فرماتے تھے۔

علیٰ ہذا کسی کی بات درمیان سے قطع نہ فرماتے تھے نیز کسی بد خلق و ترشرو سے ترشروئی و بداخلاقی سے پیش نہ آتے تھے۔

آپ جلدی سے بے سوچے سمجھے بات نہ کرتے تھے بلکہ جو بات فرماتے وہ حکیمانہ اور جچی تلی ہوئی ہوتی تھی۔

آپ واضح اور صاف کلام فرماتے اور اگر ضرورت ہوتی تو سامعین کی تفہیم کے لئے اسے مکرر بیان فرماتے تھے۔

آپ کی خطابت

آپ کے حالات سے جو کچھ ظاہر ہوا اس سے تمام عالم میں آپ کے علوم و حکم کا ڈنکا بج گیا۔

کیونکہ آپ قلوب میں گھر کرنے والی اور عقلوں پر جادو کر دینے والی طلاقت لسانی اور فصاحت بیانی کے ساتھ اسلامی دعوت کی اشاعت کے لئے فی البدیہہ خطبہ ارشاد فرماتے تھے۔

آپ اپنے بہترین طریق ادا سے مخالف پر اپنی حجت قائم فرما دیتے تھے کہ اس کے بعد سامعین سکوت و قبول پر مجبور ہو ہو جاتے تھے۔

آپ اپنے اقوال میں سچائی کا پورا لحاظ فرماتے تھے اور مخالف کو آیاتِ قرآنی کے ذریعہ عاجز کر دینے کا خاص اہتمام فرماتے تھے۔

تم انھیں ہر ہر موقف میں اس کے مناسب کلمات ادا کرتے ہوئے پاؤ گے۔

آپ اپنے موضوع سے ہٹ کر کبھی لایعنی اور غیر متعلق باتیں نہ کرتے تھے۔

آپ ہر موضوع پر سیر حاصل بحث فرماتے تھے جب تک بھی اس پر بحث کرنا مناسب سمجھتے تھے۔

آپ کی عظیم تر توجہ مخلوق کے ہمہ جہتی احوال کی اصلاح پر مبذول رہتی تھی۔

ہر دو جہان میں اہل امت کی فوز و فلاح۔ دلائل کے ذریعہ دین مبین کی مدد۔ اور خدا کی پسندیدہ طاعتوں کی ادائی کے ذریعہ لوگوں کو ان کے خدائے برتر کی طرف بلانے کی طرف آپ کی

تمام تر توجہ مبذول رہتی اور آپ کو ان امور کا بے حد اہتمام رہتا تھا۔

آپ ہمیشہ موقع اور محل کی مناسبت سے خطاب فرماتے تھے۔

عید و جمعہ کے مقررہ خطبوں کے علاوہ آپ کے اصلاحی خطبات طویل ہوتے تھے۔

اثنائے خطبہ میں جوش و غضب کے وقت آپکی آنکھیں سرخ اور آواز بلند ہو جاتی تھی۔

گویا آپ اس لشکر کو عذاب الٰہی سے ڈرا رہے ہیں جسے آپ اقدام موت کیلئے آمادہ کر رہے ہیں۔

کبھی آپ منبر پر کھڑے ہو کر اور کبھی اونٹ پر سواری کی حالت میں خطبہ ارشاد فرماتے تھے۔

بجائے تلوار کے کبھی آپ عصا پر اور کبھی کمان پر ٹیک دیکر خطبہ فرماتے تھے۔

اگر کبھی درمیان میں کوئی رکاوٹ پیش آجاتی تو کچھ دیر کے لئے آپ خطبہ کو منقطع فرما دیتے تھے۔

اس رکاوٹ کے دور ہو جانے کے بعد سابقہ خطبہ کو جہاں سے چھوڑا تھا وہیں سے سلسلۂ کلام منقطع ہوئے بغیر پورا فرما دیتے تھے۔

ایک روز تو یہ واقعہ پیش آیا کہ آپ کے خطبہ کے وقت حضرت امام حسن و حسین علیہما السلام اپنے کپڑے گھسیٹتے ہوئے آتے ہوئے نظر آئے تو آپ انھیں دیکھکر خطبہ ہی میں انھیں اٹھانے کے لئے منبر سے اتر آئے اور پھر منبر پر واپس آکر فرمایا کہ "اولاد بھی ابتلا وامتحان کے منجملہ اک ابتلا ہے"

علیٰ ہذا اک روز اک صحابی اثنائے خطبہ میں حاضر ہوئے اور انھوں نے جمعہ کی سنتیں چھوڑ دیں تو آپ نے انھیں اثنائے خطبہ میں فرمایا کہ:

ادائے سنت کے لئے کھڑے ہو جاؤ اور اطمینان سے رکوع ادا کرو لیکن ان رکعتوں میں حسب ضرورت اختصار سے کام لو۔

آپ کی گفتگو، تبسم اور گریہ

آپ کی گفتگو فصیح اور شیریں ہوتی تھی چنانچہ آپ اپنی شیریں کلامی سے سامعین کے دلوں کو لبھا لیتے اور ان کی روحوں کو اپنا گرویدہ بنا لیتے تھے۔

آپ حاضرین کے سامنے ہمیشہ اپنے مقصد کو وضاحت سے بیان فرماتے۔ بلکہ ضرورت پڑتی تو اسے بار بار دہراتے تھے تاکہ سامعین آپ کے مقصد و مفہوم کو اچھی طرح سمجھ لیں یا ضرورت پڑے تو وہ آپ کی گفتگو کو دوسروں کے سامنے اسی طرح نقل کر سکیں۔

اگر کسی بات کے کہنے کی ضرورت ہی داعی نہ ہوتی تو پھر آپ (بے ضرورت گفتگو نہ فرماتے بلکہ) طویل عرصہ تک خاموشی اختیار کئے رہتے۔ آپ لایعنی اور بے نتیجہ امور کی طرف کبھی توجہ تک نہ فرماتے تھے۔ آپ کی ہنسی صرف تبسم تک محدود رہتی تھی اس طرح کہ تبسم کے وقت آپ کے صرف سامنے کے دانت کھلتے تھے اور بس۔

آپ کی ہنسی میں نہ تو قہقہہ ہوتا تھا نہ ہی آواز نکلتی تھی اور نہ ہی حد سے بڑھی ہوئی ہنسی ہوتی تھی۔ علیٰ ہذا آپ کبھی پھوٹ پھوٹ کر روتے تھے نہ بلند آواز سے گریہ کرتے تھے۔ بلکہ جب کبھی آپ کا سینہ حزن و غم سے جوش زن ہوتا تھا تو صرف آپ کی آنکھیں اشکبار ہو جاتی تھیں۔ آپ پر جب کبھی گریہ طاری ہوتا تھا تو خدا کے خوف اور قرآنی آیتوں کے سننے سے طاری ہوتا۔ علیٰ ہذا آپ کبھی روتے تو اپنی امت پر شفقت اور مرنے والوں پر رحم کی وجہ سے روتے تھے۔

آپؐ کی سنجیدگی اور ظرافت

آپؐ ہمیشہ سچ بولتے تھے اور جھوٹ سے دور رہتے تھے۔
لوگوں کے سامنے آیاتِ الٰہیہ کے بیان کرنے میں اپنے دل سے کوئی آیت بیان نہ فرماتے تھے۔
اور آپؐ نے جو فوق العادت معجزات دیکھے ان میں آپ کے قلب نے ہرگز کوئی غلطی نہیں کی۔
نہ ہی دنیا میں آپ میں کوئی کھوٹ پیدا ہوا نہ ہی آپ راہ مستقیم سے بھٹک کر فتنوں کی طرف مائل ہوئے۔ بلکہ آپ بچپن ہی سے اپنے ہر قول و فعل میں راست گو تھے۔
آپؐ کے نزدیک صداقت ہی باعثِ نجات تھی اور جھوٹا اور مفتری آپ کے نزدیک لعنتی تھا۔
آپؐ نے راست بازوں کی مدح فرمائی نیز یہ فرمایا ہے کہ قیامت کے دن راستی ان کے حق میں مفید ہوگی۔
اسی وجہ سے آپ کبھی مذاق میں بھی جھوٹی بات نہیں فرمایا کرتے تھے۔
ایک روز ایک سائل نے خدمتِ عالی میں حاضر ہو کر خواہش کی کہ اسے سواری کا اونٹ مرحمت فرما کر اسے اس کے گاؤں پہونچا دیا جائے۔
آپؐ نے مزاحاً فرمایا کہ میں تمہیں اونٹنی کے بچہ پر سوار کرا کر روانہ کردوں گا

اس پر اس نے عرض کیا یا رسول اللہ! وہ تو بچہ ہونے کی وجہ سے مجھے سوار بھی نہ کر سکے گا۔

اس پر آپ نے فرمایا: تیری عقل پر افسوس ہے۔ بڑے اونٹ بھی تو اونٹنی ہی کے پیٹ سے پیدا ہوتے ہیں۔

علیٰ ہذا ایک روز ایک بڑھیا خدمت اقدس میں حاضر ہوکر آپ سے حصول جنت کے لئے طالب دعا ہوئی۔

اس کے جواب میں آپ نے فرمایا کہ کوئی بڑھیا خاتون جنت میں داخل نہ ہوسکیگی۔

یہ سن کر وہ روتی اور آنسو بہاتی ہوئی واپس جانے لگی۔

تو آپ نے اس کے حال پر ترس کھاکر اسے تسلی دی اور فرمایا کہ درحقیقت تم اس روز بوڑھی ہی نہ رہوگی بلکہ جوان بن جاؤ گی۔

نیز اس سے متعلق وہ آیت قرآنی تلاوت فرمائی جس میں خدا نے یہ وعدہ فرمایا ہے کہ وہ انھیں دوبارہ جوان اور بہتر جسمانی حالت پر اٹھائے گا۔

آپ کا کھانا پینا

حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہر وہ غذا بے تکلف استعمال فرماتے جو آپ کو میسر آجاتی۔

آپ کے سامنے کھانے کی جو چیز آجاتی کبھی نہ چھوڑتے تھے اور نہ کسی لذیذ مگر غیر موجود چیز کے حاصل کرنے کا تکلف فرماتے تھے۔

آپ معمولی غذاؤں کی طرح بڑھیا غذاؤں کو بھی کھاتے تھے اور کسی حلال چیز کو اپنے اوپر حرام نہ فرماتے تھے۔

اگر آپ کی طبیعت کبھی کسی چیز کی طرف راغب نہ ہوتی تو پھر آپ اس کے چند لقمے بھی نہ چکھتے تھے۔

ساتھ ہی دوسروں کو اس سے متنفر کرنے کے لئے اس کی برائی بھی بیان نہ فرماتے تھے تاکہ وہ اس سے متاثر ہو کر اس کی جگہ کوئی دوسری غذا استعمال کرنے لگیں۔

آپ کو حلوہ سب سے زیادہ مرغوب تھا علیٰ ہذا شہد بہت پسند تھا جیسا کہ قرآن میں بھی اس کی فضیلت بیان ہوئی ہے۔

علیٰ ہذا عمدہ مسکہ بھری ہوئی کھجور نیز کدو کا سالن بہت مرغوب خاطر تھا۔

اثنار سفر میں آپ کا کھانا سب حاضرین سمیت سیدھے سادھے طریق پر فرشِ زمین پر ہوتا تھا۔

اور کھاتے وقت لقمہ لینے میں پورا ہاتھ نہ بھرتے تھے۔

بلکہ تہذیب و حکمت کے اصول سے پانچ انگلیوں میں سے صرف تین انگلیوں سے کھانا تناول فرماتے تھے۔

اور وہ حکمت یہ تھی کہ سب انگلیوں کو کھانے میں بھر لینا پرخوری۔ حرص اور بخل و خست کی دلیل ہے۔

کھانے سے فراغت کے بعد آپ انگلیاں چاٹ لیتے تھے تاکہ خدا کی اس نعمت کا پورا حق ادا کر دیں۔

علیٰ ہذا کبھی آپ پہلو اور ہتھیلیوں پر ٹیکا دے کر کھانا نوش نہیں فرماتے تھے۔

ہمیشہ بسم اللہ کہہ کر کھانا نوش فرماتے اور سیر ہونے پر الحمدللہ فرماتے تھے۔

پینے کی چیز آپ زیادہ تر بیٹھ کر ہی پیتے تھے اور کھڑے ہو کر کسی چیز کے پینے کی مذمت فرماتے تھے۔

آپ کا لباس

آپ کا پسندیدہ لباس پہونچوں تک کی آستین والا کرتہ ہوتا تھا۔
ایسے ہی آپ کبھی فروج پہنتے تھے اور کبھی لنگی اور چادر کا حلّہ بنا کر پہنتے تھے۔
کبھی آپ قبا اور جبّہ[1] اور یمن کی سرخ دھاریدار مربع چادر زیب تن فرماتے تھے۔

کبھی آپ ملائم یمنی سیاہ اور منقش چادر استعمال فرماتے تھے۔
علیٰ ہذا آپ نے اونی اور پوستینی لباس بھی استعمال فرمایا ہے جس پر خوشنمائی کیلئے جابجا ریشمی کپڑے کے خوبصورت پھول بنے ہوئے تھے۔
کرتہ کے نیچے پاجامہ کو بھی آپ نے بہت پسند فرمایا اور بذات خود اسے خرید بھی فرمایا ہے۔
رنگوں میں آپ کو سفید رنگ بہت پسند تھا اور فرمایا کرتے تھے کہ یہ زندوں اور مردوں سب کا رنگ ہے۔
آپ زیادہ تر سوتی کپڑا استعمال فرماتے تھے لیکن کبھی کبھی اونی اور سا گرمنٹ کا

---

[1] ہر بٹن والا یا بالکل کھلا ہوا لباس جو کرتہ کے اوپر پہنا جائے قبا کہلاتا ہے اسکی دو قسمیں ہیں آگے سے کھلا ہوا قبا شروانی وغیرہ پیچھے سے کھلا ہوا فروج کہلاتا ہے جیسے ترکی کوٹ، آگے پیچھے سے بالکل بند اور سلا ہوا جبہ کہلاتا ہے۔ نیچے لنگی اوپر چادر اوڑھنے کو حلّہ کہا جاتا ہے۔ جو کرتہ پر اوڑھی جائے یا بغیر کرتہ کے۔ م

بنا ہوا لباس بھی استعمال فرماتے تھے۔

آپ خطبہ کے وقت کبھی تو عمامہ باندھتے تھے جس کا شملہ چھٹا رہتا تھا۔ اور کبھی نہیں باندھتے تھے اور کبھی چہرہ کو سردی و گرمی سے بچانے کے لئے عمامہ ہی سے منہ لپیٹ لیتے تھے۔ کبھی عمامہ اور ٹوپی ہر دو کو جمع فرماتے تھے اور کبھی صرف ٹوپی ہی اوڑھتے تھے۔

پائے مبارک میں چپل اور اس کے ساتھ چمڑے کا پاتابہ پہنتے تھے حتیٰ کہ انھیں پہنے ہوئے ہی نماز ادا فرماتے تھے۔

اکثر ننگے پیر چلتے پھر بھی اپنی قوت و تیز روی کی بنا پر دوسرے چلنے والوں سے بڑھ جاتے تھے۔

آپ لباس کے معاملہ میں کسی قسم کا تکلف کئے بغیر جو بھی وقت پر میسّر آجاتا عام طور سے اسے ہی پہن لیتے تھے۔

بہرحال لباس میں کسی خاص لباس کی پابندی یا انواع و اقسام کے لباسوں اور مختلف فیشنوں کا اختیار کرنا۔ یہ سب اس مقدس ہستی کے پسندیدہ طریقہ کے خلاف تھا جو نفسانی خواہشات میں مستغرق رہنے کو پسند نہ فرماتی تھی۔ نیز آپ صحابہ کو زمین پر گھسٹتے ہوئے طویل لباس کے استعمال اور اس کے اخلاقی و شہوانی مضرات سے ڈرایا کرتے تھے۔

آپ نگینہ جڑی ہوئی چاندی کی انگشتری بھی پہنا کرتے تھے۔

آپ جسم مبارک کو گرم و سرد حوادث سے بچانے کے لئے زرہ اور خود بھی پہنا کرتے تھے۔

آپ کو نماز اور ازواج کی محبت کی طرح عطریات سب سے زیادہ مرغوب تھیں۔ اور سب عطروں میں مشک کی خوشبو اور تازہ پھولوں کی مہک آپ کو بہت پسند تھی۔

آپ کا گھریلو سامان

عالم کائنات کی افضل ترین اور اسے ظلمتوں سے نجات دلانے والی ہستی جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا گھریلو سامان آپ کے حجرہ ہائے مبارک میں صرف اس قدر تھا کہ اہل دول کے نزدیک اس کا سامان میں شمار ہی نہیں ہوتا۔

اس زندگی میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو سامان پایا وہ آپ کی روحانی مسرت۔ سعادت دارین اور راحت اخروی تھا۔

پس آپ اسی پر خوش اور قانع تھے اور اس کے سوا کسی اور ساز و سامان اور قیمتی ظروف کے خواہاں نہ تھے۔

آپ کے استعمالی برتنوں میں سب سے بہتر ایک بہت بڑا پیالہ تھا جس کے چاروں سروں پر چار کڑے لگے ہوئے تھے۔

یہ اس قدر وزنی تھا کہ تین تنومند و توانا آدمی بھی اُسے نہ اٹھا سکتے تھے۔

علٰی ہٰذا تین ہانڈیاں تھیں جن میں سے ایک میں گرفت کے لئے چاندی کے کڑے لگے ہوئے تھے۔ چوتھے ایک مرتبان تھا پانچویں لکڑی کی ڈوئی اور دال گھوٹنی وغیرہ تھیں۔

ایک پتھر کا بنا ہوا لوٹا تھا جو وضو کے لئے مخصوص تھا اور پتھر ہی کا ایک صراحی نما برتن پانی کے لئے بنا لیا گیا تھا۔

اشیاء کے وزن کے لئے دو ناپ صاع اور مُد تھے ایک نہانے کا ٹب

ایک اوڑھنے کا کمبل اور ایک ناریل بھرا ہوا چمڑے کا بچھونا تھا۔

کبھی کبھی آپ کے سونے کیلئے ساگوان کے پایوں کا ایک پلنگ ہوتا تھا۔

آپ کے سامان میں ایک ہاتھ دھونے کا پیتلی طشت۔ ایک تیل دانی۔ ایک آئینہ ایک کنگھی۔ ایک سرمہ دانی ایک قینچی ایک مسواک تھی یہ سب سامان ایک ڈبہ میں محفوظ رہتا تھا۔

آپ کے پاس ایک لاٹھی۔ ایک مڑدال موٹھ کی چوب دستی ایک چھوٹا ہلکا ڈنڈا۔ اور ایک نوکدار شام لگی ہوئی چھڑی تھی یہ سامان آپ کے امن یا جنگ کے زمانہ کے ملبوسات کے علاوہ تھا۔

آپ کا مکان

آپ کا مکان اینٹوں سے بنے ہوئے ایک پورے احاطہ کی شکل میں تھا۔ ... کے اندر الگ الگ حجرے بنا دیئے گئے تھے۔

یہ حجرے درختوں کی شاخوں سے بنائے گئے تھے جن پر مٹی اور اس کے اوپر چمڑہ یا سیاہ بالوں سے بنے ہوئے کمبل ڈال دیئے گئے تھے۔

حجروں کی چھتوں کو کھجور کے تنوں اور شاخوں کو اوپر تلے ڈال کر بنایا گیا تھا جنھیں اوپر سے مٹی کے گارے سے لیپ دیا گیا تھا۔

اس طرح ازواج مطہرات میں سے ہر اک کیلئے الگ الگ حجرہ تھا تاکہ وہ اس میں آرام سے رہ سکیں۔

آپ کے جھنڈے

آپ کے جھنڈے سیاہ رنگ کے تھے جن میں سے ایک جھنڈا مخصوص طور پر آپ کا شخصی جھنڈا تھا۔

جو اونی کپڑے کا بنا ہوا تھا اور اس کا نام آپ نے "عقاب" رکھا تھا۔

آپ کا ایک چھوٹا علم بھی تھا جس پر کلمۂ شہادت تحریر تھا۔

شناخت و تمیز کے لئے آپ نے ہر اک چیز کا اک نام رکھدیا تھا تاکہ وہ ضائع نہ ہونے پائے۔

آپ کے ہتھیار

آپ کے پاس نو تلواریں سات زرہیں تین ڈھالیں اور مختلف جنگی ہتھیار تھے۔ نیز پانچ نیزے۔ چھ کمانیں اور دو خود تھے۔

علیٰ ہذا ایک کمر پٹہ۔ ایک تیر وغیرہ رکھنے کا تھیلہ اور حملہ سے بچاؤ کے لئے تین فولادی لباس تھے۔

آپ کے جانور

آپ کے پاس سات گھوڑے، چار خچر، تین گدھے اور چار اونٹنیاں تھیں۔ ان کے سوا بکثرت دودھ والی اونٹنیاں نیز دوسرے بہت سے جانور آپ کی ملکیت تھے۔

آپ کا سواری کا طریقہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اکثر اپنے گھوڑوں پر اور شاذ نادر خچروں پر بھی سواری فرماتے تھے۔

کبھی آپ زین پر سواری فرماتے اور کبھی ننگی کمر پر ہی آپ کبھی کبھی سواری کو تیز چلاتے تھے مگر اکثر اوقات آہستہ ہی چلاتے تھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اونٹ پر اکثر تنہا ہی سوار ہوتے تھے۔

لیکن گاہ گاہ اپنے پیچھے کسی صحابی یا زوجۂ مطہرہ کو سوار فرما لیتے تھے۔

اور کبھی اپنے سامنے بھی کسی تیسرے شخص کو سوار فرما لیتے تھے لیکن ایسا شاذ نادر ہی ہوتا تھا۔

آپؐ کی دولت

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس دنیا میں جملہ اقسام کی نعمتوں سے مالامال فرمایا گیا تھا۔ قدرت کی طرف سے آپ کو روئے زمین کی ہر عمدہ سے عمدہ چیز عطا فرمائی گئی تھی اور آپ کے لئے خوش بختی و شادمانی کے جملہ اسباب مہیا کر دئے گئے تھے۔

مال آپ کے پاس وافر تھا جسے آپ لوجہ اللہ مصارف خیر میں صرف فرماتے تھے۔ اپنے پاس حاضر ہونے والے زائرین کو اس میں سے دل کھول کر عطا فرماتے تھے اور صدقات و خیرات میں بہت خرچ کرنے کے باوجود فقر کا اندیشہ تک دل میں نہ لاتے تھے۔

آپؐ کی اولاد

آپ کی اولاد سات تھی صاحبزادگان حضرت قاسم، حضرت عبداللہ، جن کی کنیتیں علیحدہ تھیں۔ دختران حضرت زینبؓ، حضرت ام کلثومؓ، حضرت رقیہؓ اور خواتین عالم میں افضل حضرت فاطمہؓ۔

یہ تمام اولاد فخر خواتین عالم اور آپ کی پہلی زوجہ حضرت خدیجہؓ کے بطن سے تھی۔ ان سب کے بعد آپ کے سب سے زیادہ محبوب فرزند حضرت ابراہیمؓ تولد ہوئے جو آپ کے آخری جگر گوشہ تھے۔

یہ "ماریہ قبطیہ" کے بطن سے تولد ہوئے جو آپ کے آخری زمانہ میں مصر کے قبطی بادشاہ کی طرف سے آپ کی خدمت میں بطور ہدیہ بھیجی گئی تھیں۔

آپ کی یہ تمام اولاد بجز حضرت فاطمہ زہراء رضی اللہ عنہا کے آپ کی زندگی ہی میں فوت ہو چکی تھی۔

صرف حضرت فاطمہؓ ہی اکیلی تھیں جنھوں نے آپ کے وصال کے چھ ماہ بعد وفات پائی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عالم نزع میں حضرت فاطمہؓ کی جلد وفات سے متعلق اپنی پیشین گوئی بیان فرما دی تھی جسے سن کر وہ بہت مسرور ہوئی تھیں۔

ازواج مطہرات

آپ کی ازواج بہت تھیں جن میں سب سے پہلی وہ ہستی تھی جس نے آپ کی رسالت سے قبل اپنی دولت اور جان سے آپ کی پوری پوری خدمت و غمگساری کی۔

یہی وہ ہستی تھی جو سب سے پہلے آپ پر ایمان لائی اور جس نے اپنی جان مال قلب و روح سب کچھ آپ پر قربان کر دیا۔

یہ محترم ہستی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی تھی جن پر خود خدائے عرش کریم نے سلام بھیجا جس سے انھوں نے سربلندی و عزت پائی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پورا پورا نباہ کیا اور ان کی کما حقہ قدر و منزلت کی۔ یہ آپ کی خاص محبوبہ اور آپ کی آنکھ کا تارہ تھیں۔

کیونکہ ان کی حیات تک آپ نے دوسرے عقد کا خیال تک نہیں فرمایا۔ جب تک

وہ موت کے بعد زمین میں نہ جا چھپیں۔

حالانکہ وہ وقت آپ کی بھری جوانی کا تھا اور آپ بے حد قوی اور تنومند تھے۔

آپ کے قلب میں ہر دم انہی کی محبت جوش زن رہتی تھی اس لئے ان کے ہوتے ہوئے ان کے سامنے کمسن بیوی سے آپ کو غیرت آتی تھی۔

حضرت خدیجہ رضؓ کے بعد آپ کے نزدیک حضرت سودہ رضؓ اور ان کے بعد حضرت صدیق اکبرؓ کی صاحبزادی کی قدر و منزلت تھی۔

ان سے میری مراد آپ کی منتخب محبوبہ حضرت عائشہ رضؓ کی ذات گرامی ہے جو ممتاز اور اعلیٰ صفات کی حامل تھیں۔

آپ نے ان سے ان کی نو سال کی عمر میں شادی کی پھر انہیں دینی علم سکھایا چنانچہ وہ علم و حکمت کے اعلیٰ مرتبہ پر فائز ہو گئیں۔

اور یہ امر واقعہ ہے کہ وہ تمام ازواج مطہرات میں سب سے زیادہ ذی علم فتاویٰ میں مرجع خلائق اور حدیث کی بہترین راوی تھیں۔

یہی وہ ذات گرامی ہے کہ جب ان پر بعض اشرار نے تہمت لگائی تھی تو خدائے قدوس نے قرآنی آیات نازل فرما کر ان کی بے گناہی اور برارت کا اظہار فرمایا تھا۔

آپ کی ایک محترم زوجہ حضرت حفصہ دختر حضرت عمر ابن خطابؓ پھر حضرت بنت خزیمہ رضؓ تھیں جن کی جلدی ہی وفات ہو گئی تھی۔

ایک زوجہ حضرت ہند ام سلمہ رضؓ اور ایک آپ کی پھوپھی بہن حضرت زینب رضؓ تھیں۔

یہ زینب بنت جحش رضؓ تھیں جن کی پہلی شادی آپ نے اپنے غلام حضرت زید بن حارثہ رضؓ سے کی تھی اس واقعہ کا ذکر قرآن شریف میں بھی موجود ہے۔

ایک زوجہ حضرت جویریہ رضؓ اور ایک حضرت ام حبیبہ رضؓ تھیں جو بعید ترین مقام ہجرت (یعنی حبشہ) سے عقد ہو کر آئی تھیں جن کا مہر شاہ نجاشی نے خود ادا کیا تھا اور انہیں

نہایت احترام کے ساتھ خدمت اقدس میں روانہ کیا تھا۔

ایک زوجہ حضرت صفیہ رضؓ تھیں جن کا سلسلۂ نسب اوپر حضرت ہارون علیہ السلام سے جا ملتا تھا۔ یہ حسین ترین خاتون تھیں۔

ایک زوجہ حضرت میمونہ رضؓ تھیں جن پر آپ نے اپنا ازدواجی سلسلہ ختم فرمادیا تھا۔

مذکورہ تمام ازواج مطہرات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عقد کے وقت بیوہ تھیں۔ بجز حضرت صدیق اکبر رضؓ کی صاحبزادی حضرت عائشہ رضؓ کے جو کنواری اور سب ازواج میں کمسن تھیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جب وصال ہوا تو ان میں سے نو ازواج مطہرات زندہ تھیں جن کا وجود آپ کے بعد امت کے لئے ایسا تھا جیسا تاریکیوں میں شمع کا وجود۔

بعض خواتین ایسی بھی تھیں جن سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلق قائم فرمانا چاہا لیکن پھر ارادہ بدل دیا۔

بعض ایسی بھی تھیں جن سے کسی عیب کی وجہ سے کراہت فرماتے ہوئے آپ نے خلوت نہیں فرمائی۔

علیٰ ہذا بعض وہ خواتین تھیں جنھوں نے از خود اپنا جسم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہبہ کر دیا تھا مگر آپ نے ان کا کسی اور صحابی سے عقد فرمادیا اور ان کا مہر خود ادا فرمادیا۔

آپ کی کنیزیں

آپ کی کنیزوں میں ایک ماریہ تھیں جنھیں آپ سے حضرت ابراہیم کی ولادت کا شرف حاصل ہوا۔

ان کے بعد ریحانہ نامی ایک باندی تھیں ان کے علاوہ دو اور لڑکیاں تھیں جن میں سے ایک کسی غزوہ میں آپ کے حصہ میں آئی تھیں۔

ایک اور بنت جحش تھیں جنھوں نے خود کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں استفادہ کے لئے پیش کر دیا تھا۔

ازواج مطہرات سے آپ کا طرز عمل

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ازواج سے دوسرے لوگوں کی بہ نسبت زیادہ بہتر سلوک فرماتے تھے۔ کیونکہ آپ شب باشی رہائش اور اپنی آمدنی کی ان سب میں مساوی طور پر تقسیم فرماتے تھے۔ سفر کے وقت ان میں قرعہ اندازی فرماتے اور جن کے نام کا قرعہ نکلتا انھیں سفر میں ساتھ لے جاتے تھے۔

آپ کا معمول تھا کہ ہر روز بلاناغہ عصر کے بعد تھوڑی دیر کیلئے تمام ازواج کے پاس تشریف لیجاتے اور ان کی ضروریات معلوم کر کے ان کی تکمیل فرماتے تھے لیکن شب

وہیں بسر فرماتے تھے جہاں آپ کا نمبر ہوتا تھا۔

کیونکہ تمام ازواج کو نظر انداز کر کے کسی ایک کے پاس زیادہ دیر نہ ٹھہرتے تھے۔

آپ فرمایا کرتے تھے کہ میں جس چیز پر قادر ہوں اس کی یہ منصفانہ و مساویانہ تقسیم ہے لیکن جو چیز طبعاً دل کی گہرائی میں موجود اور میرے قابو سے باہر ہے (یعنی دلی تعلق و محبت) اے خدا میں اس کے متعلق تجھ سے معافی چاہتا ہوں کیونکہ اے باعظمت ہستی! دل سب کے سب تیرے ہی قبضۂ قدرت میں ہیں، یہ اس لئے کہ آپ طبعاً حضرت عائشہ رضؓ کی طرف بہت مائل تھے اور حتی الوسع ان کی تمام خواہشات کو دل سے پورا فرماتے تھے اگر ان میں کوئی شرعی امر مانع نہ ہوتا یا وہ آپ کی منصفانہ تقسیم کے منافی نہ ہوتیں مثلاً آپ حضرت عائشہ رضؓ کا دل بہلانے کے لیئے ان کی ساتھ کھیلنے کے لئے دوسری ہم عمر لڑکیوں کو بطور خاص اپنے مکان میں بلاتے تھے۔ علی ہذا آپ کبھی حضرت عائشہ رضؓ کو جنگل میں لیجاتے اور وہاں لوگوں کی نظروں سے اوجھل ہو کر آپس میں دوڑ فرماتے تھے۔

کبھی حضرت عائشہ رضؓ اپنے ہلکے پھلکے جسم کی وجہ سے دوڑ میں آپ پر سبقت لیجاتیں اور بہت خوش ہوتی تھیں۔

اور کبھی ایسا ہوتا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ رضؓ سے دوڑ میں آگے ہو جاتے تب آپ (ان کے دل پر سے اس کا اثر مٹانے کیلئے) دلجویانہ کلمات فرماتے تھے۔

علی ہذا ایک مرتبہ حبشیوں نے عید کے موقع پر ایک جنگی تمثیل پیش کی تو آپ نے اسے دکھانے کیلئے حضرت عائشہ رضؓ کو پس پردہ اپنے شانۂ مبارک پر کھڑا کر کے وہ تمثیل دکھائی۔

بلکہ آپ اعیاد کے مواقع پر ڈھول بجوا کر یا کسی خوش گلو سے کچھ پڑھوا کر حضرت عائشہ رضؓ کو مسرور فرماتے تھے۔

الحاصل آپ حضرت عائشہ رضؓ سے غایت درجہ دلی محبت کی وجہ سے ان پر ہمیشہ خاص توجہات و عنایات مبذول رکھتے تھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت

کسی قوم کے اخلاق ہی اس کی ترقی کے ستون، اس کی عظمت و سربلندی کے راز اور وہ بنیادی حقیقت ہوتے ہیں جن پر اس قوم کی حیات اور اس قوم کے مفاخر و معالی کا دار و مدار ہوتا ہے۔ اور جو قوم اخلاقِ فاضلہ سے بالکل عاری یا پست اخلاق ہوتی ہے وہ نہ تو کوئی ترقی کر سکتی ہے اور نہ ہی اقوامِ عالم میں اس کا کوئی ذکر کیا جاتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اخلاق ہی نفسِ انسانی کے مصلح ہیں جو اسے نیکیوں کی طرف بلاتے اور برائیوں سے روکتے ہیں۔ نیز ظاہری اعضاء کی تمام حرکات باطنی تاثرات ہی کا نتیجہ ہوتی ہیں اور ظاہری اعمال ہی قلبی کیفیات کو ظاہر کرتے ہیں جیسا کہ ایک شاعر کہتا ہے ؎

وما ھذہِ الاَفعالُ الامظاھِر
تُترجِم عمّا تُکِنُّ الضمائر

انسان سے جتنے اعمال سرزد ہوتے ہیں وہی اسکی باطنی کیفیات کے مظہر ہوتے ہیں اور وہی ضمیر انسانی کے مخفی جذبہ کی ترجمانی کرتے ہیں۔

درحقیقت انسان کے اعمال ہی سے اس کی گہرائی معلوم کی جاتی اس کی حقیقت پہچانی جاتی اور اس کا اخلاقی معیار واضح ہوتا ہے۔

ومہما تکن عِند امرءٍ من خلیقۃٍ
وَاِن خالھا تخفیٰ علی النّاسِ تعلم

کوئی شخص کتنا ہی مستور الحال کیوں نہ ہو تم اس کے اخلاق و عادات سے ہی اس کی اصلی حالت کا پتہ چلا سکتے ہو۔

جب قومی افراد کے اخلاق اچھے ہوتے ہیں تو ان کے اعمال بھی اچھے ہوتے ہیں اور ان کی معاشرت پاکیزہ ہوتی ہے وہ اپنے لئے منصفانہ راہ اختیار کرتے ہیں اس لئے اپنی حدود سے متجاوز نہیں ہونے پاتے نہ ہی دوسروں پر ظلم و تعدی کرتے ہیں۔ جب ان کے اخلاق بُرے ہوتے ہیں تو ان کی تمام حرکات بھی بُری ہوتی ہیں اور ان سے متعدد برائیاں سرزد ہوتی ہیں۔ ان کے قریبی دوست بھی ان سے دور بھاگنے لگتے ہیں پھر اس کی وجہ سے ان کی اجتماعی زندگی تباہ ہوکر رہ جاتی ہے۔

اسی وجہ سے حق تعالیٰ نے آسمانی کتابیں نازل فرمائیں رسولوں کو مبعوث فرمایا تاکہ وہ لوگوں کو بتدریج اخلاق فاضلہ کی راہ دکھائیں جبکہ دنیا اس سے قبل صرف جبلی عادات پر زندگی بسر کرتی تھی اور کوئی داعیہ اسے بھلائی کی طرف بلانے والا اور برائی سے روکنے والا نہ تھا پس جتنے انبیاء بھی دنیا میں مبعوث ہوئے انھوں نے خدا کے اپنے بندوں کے لئے تجویز کردہ تربیتی طریقوں کے مطابق اپنی اپنی اُمتوں کے شعور واحساس کے مناسب حال ان کے اخلاق کی اصلاح فرمائی اور ان سے ان کی عقل وفہم کے مطابق خطاب فرمایا۔

جب افراد انسانی اپنی کم عقلی کی وجہ سے بچوں جیسے تھے تو حق تعالیٰ نے ان کی اصلاح کے لئے اپنے رسولوں کو بھیجا تاکہ وہ بتدریج ان کی توجہ مادی امور سے ہٹاکر انھیں اللہ کی عبادت کی طرف متوجہ کریں اور اپنے معجزات کے ذریعہ انھیں ڈراکر پست اخلاق سے باز رکھیں تاکہ ان کی زندگی درست اور ان کے حالات اصلاح پذیر ہوسکیں۔

ابتداء آفرینش عالم سے یہ سلسلہ جاری رہا یہاں تک کہ جب نسلِ بشری پختہ مغزی تک اور اس کی عقل درجۂ کمال تک پہونچ گئی اور اس کا ادراک وشعور ترقی کے منازل طے کرچکا تو خدائے قدوس نے خاتم الرسل والانبیاء حضرت محمد بن عبداللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آخری نبی بناکر مبعوث فرمایا تاکہ آپ کائناتِ عالم کی حقیقتوں اور تمام موجودات کے ان تمام حالات

کو جو اس کائنات کے خالق یعنی حق تعالیٰ تک جاکر ختم ہوتے ہیں عقل کے ذریعہ معلوم کرنے کا طریقہ اختیار فرماکر انسانیت کا ہاتھ پکڑ کر اسے اخلاق فاضلہ کے منتہائے کمال تک پہونچادیں اس لئے کہ اس معرفت اور ادراک حقائق میں وہ کشش ہے جو انسانی قلوب کو خدا کی طرف کھینچتی اور پھر اسے اس کے احکام کی اطاعت اور شرعی منہیات سے باز رہنے پر آمادہ کرتی ہے تب کہیں انسانی اخلاق درست ہوتا ہے اس سے اچھے اعمال سرزد ہونے لگتے ہیں اور بنی نوعِ انسان خیر و برکت کی زندگی بسر کرنے لگتے ہیں۔

حضرت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خدا کی طرف سے مبعوث ہوئے اور آپ نے دنیا کے سامنے یہ اعلان فرمایا:

بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ مَکَارِمَ الْاَخْلَاقِ — میں اخلاقِ فاضلہ کو منتہائے کمال تک پہونچانے کی غرض سے خدا کی طرف سے بھیجا گیا ہوں۔

اچھے اطوار و کردار ہی ان تمام عبادتوں کی روح تھے جنھیں لیکر آپ مبعوث ہوئے تھے اور وہی تقربات الٰہی کا بہترین ذریعہ تھے جن کی طرف آپ نے عالمِ کائنات کو دعوت دی تھی اور اخلاقِ حسنہ ہی خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بہترین و ممتاز صفات تھیں جن سے خود خدا نے اپنی پاک کتاب میں آپ کو متصف فرمایا ہے جیسا کہ ارشاد باری ہے:

وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ ۝ — اے محمدؐ! آپ اپنے بلند تر اخلاقی کردار کے اعتبار سے عظیم الشان مقام پر فائز ہیں۔

یہ بات معلوم ہے کہ خُلق سے مراد انسان کی باطنی و اندرونی تصویر ہے جیسا کہ خَلق (جسمانی ساخت) سے مراد اس کی ظاہری ہئیت ہے۔ پس جب یہ کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص خَلق و خُلق ہر دو کے اعتبار سے اچھا ہے تو اس کا مفہوم یہ ہوتا ہے کہ وہ ظاہری صورت اور باطنی سیرت ہر اعتبار سے اچھا ہے۔ حق تعالیٰ نے انسان کو دو چیزوں کے مرکب سے پیدا فرمایا ہے ایک ظاہری جسم سے جو آنکھ سے کائنات کو دیکھتا ہے دوسرے اس روح سے جو

اپنی اندرونی بصیرت سے تمام اشیاء کی حقیقت معلوم کرتی ہے۔ ان ہر دو کی اک خاص حیثیت اور صورت ہوتی ہے وہ یا بری ہوتی ہے یا اچھی - اور اس میں کوئی شک نہیں کہ جو روح باطنی بصیرت سے حقیقتوں کا ادراک کرتی ہے وہ اس جسم کے مقابلہ میں جو ظاہری آنکھ سے اشیاء کو دیکھتی ہے بہت بلند مقام رکھتی ہے اسی لئے حق تعالیٰ نے روح کو اک عظیم الشان مقام عطا فرما کر اسے اس مقام کی طرف منسوب فرمایا ہے وہ ارشاد فرماتا ہے:

اِنِّی خَالِقٌ بَشَرًا مِّنْ طِیْنٍ فَاِذَا سَوَّیْتُہٗ وَنَفَخْتُ فِیْہِ مِنْ رُّوْحِیْ فَقَعُوْا لَہٗ سَاجِدِیْنَ ہ	اے فرشتو! میں عنقریب مٹی سے اک انسانی پتلا بنانے والا ہوں جب میں اسے بنا چکوں اور اس میں اپنی روح پھونک دوں تو تم سب اس کے سامنے سجدے میں گر پڑنا۔

خدا نے اس آیت میں اس طرف اشارہ فرمایا ہے کہ جسم مٹی کی طرف اور روح خدائے عز و جل کی طرف منسوب ہے۔

پس ظاہری جسم پر تو اک نظر ڈالنے ہی سے اس کے حسن یا قبح کا حکم لگایا جا سکتا ہے لیکن باطنی روح کی اصلیت اور اس کے حسن یا قبح کا پتہ اس سے سرزد ہونے والے اعمال ہی سے لگایا جا سکتا ہے اس لئے کہ انسان سے اعمال سرزد ہونے سے قبل ابتداءً ان کا خیال اسی روح سے پیدا ہوتا ہے پھر یہی روح جسمانی اعضاء کو ان افعال کے صدور پر آمادہ کرتی ہے۔ پس جو افعال اچھے ہوتے ہیں وہ صاحب افعال کی پاکیزہ روح اور اس کے اخلاقِ حسنہ پر روشنی ڈالتے ہیں اور برے اعمال اس کے بالعکس روحانی قبح کو ظاہر کرتے ہیں۔

ایسا بھی نہیں ہے کہ انسان کا ہر عمل ہی اس کی روحانی حقیقت کو ظاہر کرتا ہو بلکہ جو عمل روح کی اصل حالت کو بتاتا ہے وہ اس کا وہ عمل ہوتا ہے جو اس سے برجستہ اور طبعی و عادی طور پر آسانی کے ساتھ اور ہمیشہ بغیر کسی غور و تامل کے یکساں طور پر سرزد ہوتا رہے۔ وہ افعال جو گاہے ماہے تکلف و تصنع کے ساتھ یا تذبذب اور سوچ بچار کے بعد انسان سے

سرزد ہوتے ہیں تو وہ انسانی روح کی اصل حقیقت پر صحیح اور مکمل طور پر روشنی نہیں ڈال سکتے مثلاً جو شخص کسی خاص حالت میں کسی کام کے لئے اتفاقی طور پر کچھ مال صرف کردے تو اس کے متعلق یہ نہیں کہا جائے گا کہ وہ عادۃً سخی ہے کیونکہ یہ ممکن ہے کہ اس فعل سے وہ ظاہری ریا اور نمائش چاہتا ہو یا کسی دوسرے کے حکم و فرمائش سے متاثر ہو کر یہ فعل کر گزرا ہو جیسا کہ غصہ کی حالت میں تکلف و تصنع کے ساتھ سکوت اختیار کرنے والے کو حلیم الطبع نہیں کہا جاتا کیونکہ انسان کبھی کسی اثر کے تحت مجبور ہو کر اپنے غصہ کو ضبط کر لیتا ہے پس انسان کی ظاہری حالت اسی پر قیاس کی جا سکتی ہے کیونکہ انسان کے بہتر کردار کا فیصلہ اس وقت تک درست نہ ہو گا جب تک کہ یہ بہتر کردار اور عمدہ اخلاق اس کی ذات میں راسخ نہ ہوں اور اپنے ظہور میں کسی خارجی اثر اور اپنی خوبی میں کسی بناوٹی داعیہ کی آمیزش کے بغیر انسان کی طبیعتِ ثانیہ اور جبلت و فطرتِ اصلیہ نہ بن چکے ہوں اسی طرح انسان کی باطنی حالت کے حسن و قبح کو ثابت کرنے کے لئے ظاہری ایسے افعال کا فوری صدور ضروری نہیں کیونکہ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ انسانی اوصاف و اخلاق ان کے ظہور کے اسباب مہیا نہ ہونے کی وجہ سے عمل پذیر نہیں ہو سکتے جیسا کہ بعض آدمی طبعاً سخی تو ہوتا ہے مگر ہاتھ میں مال نہ ہونے کی وجہ سے وہ کسی پر سخاوت کر کے عملاً اس وصف کا اظہار نہیں کر سکتا۔ انسان کے ظاہری و جسمانی حسن کو ثابت کرنے کے لئے اس کے صرف کسی ایک عضو میں خوبی کا ہونا کافی نہیں بلکہ تمام اعضا میں تناسب اور تمام اجزا میں یکسانیت و اعتدال کا ہونا ضروری ہے تاکہ اس طرح پورے جسم کا حسن مکمل ہو جائے۔ اسی لئے حسن کی تعریف میں کہا جاتا ہے کہ وہ تناسب اعضاء کا نام ہے۔

بعینہٖ یہی حال باطنی صورت کا بھی ہے کہ تمام باطنی روحانی قویٰ میں مکمل خوبی موجود ہونی چاہیئے تاکہ اس سے انسانی سیرت و کردار کا حسن و جمال کمال کو پہونچ سکے۔ حق تعالیٰ نے باطن میں یہ چار قوتیں رکھی ہیں۔ قوتِ عقل۔ قوتِ نفس۔ قوتِ شہوانی۔ قوتِ ارادہ

عقلی قوت کا حسن اور خوبی یہ ہے کہ وہ اس درجہ پر پہونچ جائے کہ اس کی وجہ سے انسان کو قول میں سچ اور جھوٹ - اعتقادات میں حق و باطل - اور اعمال میں اچھے برے کے درمیان فرق و امتیاز کا ادراک و احساس ہونے لگے - پس جب یہ قوت صحیح معیار پر پہونچ جاتی ہے تو اس سے حکمت کا ظہور ہوتا ہے اور حکمت ہی عمدہ اخلاق کی اساس ہوتی ہے حق تعالیٰ نے اسی حکمت کے متعلق فرمایا ہے -

وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا - جسے حکمت کی دولت عطا ہو گئی اسے یقیناً بے انتہا نعمت مل گئی -

اور حضرت ابن عباس رضؓ نے آیت ذیل:

وَلَقَدْ آتَيْنَا لُقْمَانَ الْحِكْمَةَ اور ہم نے حضرت لقمان کو حکمت و دانائی عطا عطا فرمائی تھی -

کی تفسیر فرماتے ہوئے حکمت کی یہ تشریح فرمائی ہے کہ یہاں حکمت سے مراد یہ ہے کہ ہم نے انھیں منصب نبوت کے بغیر ہی عقل کامل - فہم راسخ اور غیر معمولی ذہانت عطا فرمائی تھی -

رہی قوتِ نفس سو اس کی خوبی اس کی سلامت روی میں مضمر ہے حتیٰ کہ وہ اس درجہ پر پہونچ جائے کہ اس پر کسی طاقت کا خوف موت کا ڈر اور غصہ کا جوش مسلط نہ ہو سکے - اسی کیفیت کا نام شجاعت ہے -

رہی شہوانی قوت سو اس کی خوبی یہ ہے کہ وہ اپنے جذبات شہوانیہ کو مغلوب کرنے اور نفس کو قابو میں رکھنے کے قابل بن جائے اس کیفیت کے پیدا ہونے پر اسے "عفت" کہا جاتا ہے -

رہی قوتِ ارادہ سو اس کی خوبی یہ ہے کہ یہ قوت حکمت کے تابع - اس کے احکام کی مطیع - حکم شرع پر چلنے والی - اور نفسانی و شہوانی قوتوں کو مغلوب و مقہور کرنے پر پوری طرح قادر ہو اس کی اس کیفیت کو "عدل" سے تعبیر کیا جاتا ہے - اور ان تمام قوتوں میں افراط و تفریط

کی بجائے حد اعتدال کا پیدا ہونا ہی ان کا متناسب و منظم ہونا ہے، ان تمام قوتوں کا حسن جب اعتدال سے تجاوز کر جاتا ہے تو وہ اسی حد تک اپنی ضد یعنی برائی میں بدل جاتا ہے جیسا کہ عرب کا مقولہ ہے۔

اذا اشتد البیاض صار برصاً۔ — جب سفیدی حد اعتدال سے بڑھ جائے تو وہ برص شمار ہوتی ہے۔

واذا زاد الشئ عن حدہ استحال الی ضدہ۔ — جب کوئی شے اپنی حد سے بڑھ جاتی ہے تو وہ اپنے مقابل کی حد میں داخل ہو جاتی ہے۔

مثلاً اگ غصہ ور طبیعت کی قوت میں معتدلانہ حالت کے پیدا ہو جانے کو شجاعت و حلم کہا جاتا ہے۔ اب اگر یہی قوت حد اعتدال سے گزر کر زیادتی کی حد میں داخل ہو جائے تو اسے بیباکی اور "نڈر پن" کہا جاتا ہے اور اگر یہی قوت ضعف و کمی کی جانب مائل ہو تو اسے "بزدلی" اور "کمتری" کہا جاتا ہے۔

علیٰ ہذا شہوانی قوت میں معتدل کیفیت کو "پاکبازی و عفت" کہا جاتا ہے پھر اگر یہی قوت زیادتی کی طرف بڑھ جائے تو اسے "غلبۂ شہوت" اور اگر کمی کی طرف چلی جائے تو اسے "جمود" اور "بے حسی" کہا جاتا ہے اور یہ دونوں کیفیتیں مذموم ہیں۔

رہا قوت ارادہ کا اعتدال سو اسے "عدل" سے تعبیر کیا جاتا ہے اس صفت میں کمی یا زیادتی کی دو مقابل صفتیں نہیں ہوتیں بلکہ اس کے مقابل میں صرف ایک ہی کیفیت ہے جس کا نام "ظلم" ہے۔ البتہ کبھی عدل کی مقدار میں کمی یا زیادتی اور اس کے اپنے حقیقی وصف و کیفیت کے ساتھ ظاہر ہونے یا اس وصف کے ساتھ ظاہر نہ ہونے کے اعتبار سے دو متغایر و مقابل صفتیں ہو سکتی ہیں مثلاً کسی موقع پر اس صفت کو کسی دوسری صفت کی بہ نسبت "عدل" کہا جائے۔ لیکن حقیقت میں وہ ظلم ہو جیسا کہ عرب کا مقولہ ہے۔

المساوات فی الظلم عدل — دو شخصوں پر ظلم میں مساوات و برابری کا لحاظ رکھنا بھی ایک قسم کا عدل ہے۔

یہی حال "حکمت" کا ہے جو عقل کا نتیجہ ہے کہ اس میں بھی کمی وبیشی کی دو مختلف جہتیں نہیں ہوتیں تاہم اگر اسی عمدہ صفت کو فاسد اغراض کیلئے بافراط استعمال کیا جائے تو اسے "خباثت" کہا جاتا ہے۔ اور قوت عقل اگر ضعیف ہو تو اسے "بے وقوفی وسادہ لوحی" اور اگر بہت زیادہ ضعیف ہوجائے تو اسے "جنون" کہا جاتا ہے۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ انہی چاروں اصولی اوصاف حکمت، شجاعت، عفت اور عدل کے اعتدال سے دوسرے تمام اچھے اخلاق صادر ہوتے ہیں کیونکہ قوتِ عقل کے اعتدال سے حسنِ تدبیر۔ جلاءِ ذہن۔ پختگی رائے۔ اصابتِ فکر۔ امورِ دقیقہ اور امراضِ مخفیہ باطن کی سمجھ پیدا ہوتی ہے۔ نیز قوتِ عقل کی حد سے بڑھی ہوئی بے محل زیادتی سے مکروھوکہ صادر ہوتا ہے ایسے ہی اس کی کمی سے جنون پیدا ہوجاتا ہے۔

رہا شجاعت کا وصف سو اس کے اعتدال سے دوسرے اوصاف کرم، امانت، بلند حوصلگی، انکساری، تحمل، بردباری، استقامت، ضبط۔ غیض وغضب وقار اور عامۃ الناس سے جذبۂ محبت وغیرہ پیدا ہوتے ہیں۔ اور اس کی زیادتی یعنی "نڈرپن" اور بیباکی سے اپنی بہادری کے متعلق جھوٹی ڈینگیں مارنے اور نخوت، تکبر، خودنمائی وخودپسندی اور اس وصف کی کمی سے پستی، ذلت، گھبراہٹ اور احساس کمتری کے مذموم خصائل پیدا ہوتے ہیں۔

رہا عفت وپاکبازی کا وصف سو اس کے اعتدال سے سخاوت، حیاوشرم، صبر، رواداری، قناعت، پرہیز گاری، پاکیزہ مزاجی، عالی ظرفی، اور بے طمعی کے اوصاف پیدا ہوتے ہیں اور اس کے کمی یا زیادتی کی طرف میلان سے لالچ، غلبۂ شہوات، بےحیائی، ریاونمود، فضول خرچی، کنجوسی، بیکاری وآوارگی، حسد، دریوزہ گری، امراء کے سامنے عاجزی وپستی اور غریبوں کو حقیر سمجھنے کے عاداتِ ذمیمہ پیدا ہوجاتے ہیں۔

اور حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہر ہر وصف میں درجۂ اعتدال پر

خصائص اور تمام صفاتِ کمال سے متصف تھے اور آپ اپنے قول وعمل اور اپنے اوپر نازل شدہ کتاب سے عالم کو اسی کی طرف دعوت دیتے تھے ۔ آپ کی پوری شریعت ایک اسی اخلاقی باب کے گرد گھومتی ہے حتیٰ کہ حق تعالیٰ نے سچے مومن کے ایمان کی تعریف اس طرح فرمائی ہے کہ مومن صادق وہ ہے جس میں یہ چاروں قوتیں ۔ قوتِ عقل ۔ قوتِ نفس ۔ قوتِ شہوت ۔ اور قوت ارادہ بدرجۂ اتم موجود ہوں جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے:

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا وَجَاهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۔ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ۔ (پ۲۶ ۔ ع ۱۴)	بے شک سچے مومن تو وہ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے پھر اس میں انھوں نے شک وتردد کو ذرا بھی دخل نہیں دیا اور راہِ خدا میں اپنی جانوں اور مالوں سے جہاد کیا ۔ یہی لوگ سچے مسلمان ہیں ۔

پس اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا "قوتِ عقل" ہی سے ممکن ہے اور اس میں کسی قسم کا شک وتردد نہ رہنا "قوتِ ارادہ" کا نتیجہ ہے اور اپنی جان قربان کرکے جہاد کرنا "بہادری" ہے یعنی سے قوتِ نفس میں سلامت ونرمی اور اتلافِ جان کے خوف سے بے نیازی پیدا ہوجاتی ہے اور مال کے ذریعہ جہاد کرنا "عفت" ہے جو شہوت نفسانی کو پچھاڑتی اور تمام ناروا خواہشات کو مغلوب کرتی اور نفس کو ان پر قابو پالینے کے قابل بنادیتی ہے ۔ چنانچہ قرآنِ کریم نے اس کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ اخلاقِ حسنہ ان ہی تمام قوتوں کے اعتدال میں مرکوز ومنحصر ہیں اور افراط وتفریط کی کسی ایک سمت جھک جانا مذموم ہے جیسا کہ حق سبحانہ تعالیٰ نے سخاوت کے وصف میں فرمایا ہے کہ وہ فضول خرچی اور بخل کا درمیانی درجہ ہے چنانچہ ارشاد فرمایا ہے:

وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا	اور (خدا کے خالص بندے تو وہ ہیں) جو خرچ کرتے

وَلَمْ يَقْتُرُوْا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا۔	وقت نہ تو فضول خرچی کرتے ہیں اور نہ ضرورت سے زیادہ تنگی بلکہ ہر دو کا درمیانی اور معتدل راستہ اختیار کرتے ہیں۔
(پ ۱۹ - ع ۴)	
وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ۔	نہ تو اپنے ہاتھ کو بالکل ہی اپنی گردن میں باندھ لو (یعنی نہ تو حد سے زیادہ بخل کرو) اور نہ ہی اسے پوری طرح کھلا رکھو (یعنی نہ اپنی ہمت سے زیادہ خرچ کرو کہ خود محتاج ہو جاؤ)
(پ ۱۵ - ع ۳)	

علیٰ ہذا حق تعالیٰ نے کھانے کی رغبت میں حد سے زیادہ شکم پوری اور ایسے ہی بہت کم خوراکی کے درمیان اعتدال قائم رکھنے کی خوبی آیت ذیل میں یوں بیان فرمائی ہے:

كُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ۔	اللہ کی عطا فرمودہ نعمتیں خوب کھاؤ پیو لیکن کھانے پینے میں فضول خرچی کی حد تک نہ بڑھو کیونکہ حق تعالیٰ فضول خرچ لوگوں کو پسند نہیں فرماتا۔
(پ ۸ - ع ۱۰)	

اسی طرح خدائے تعالیٰ نے غصہ کے اعتدال کو یوں بیان فرمایا ہے:

اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ۔	محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے صحابہ کفار کے مقابلہ میں بہت سخت اور آپس میں بہت نرم و رحمدل ہیں۔
(پ ۲۶ - ع ۱۲)	

اس آیت میں اس طرف اشارہ ہے کہ سختی اور غصہ کا بھی ایک موقع و محل ہوتا ہے اور نرمی کا بھی ایک موقع ہوتا ہے۔ نہ تو ہر وقت اور ہر موقع پر سختی کرنا کمال اخلاق ہے اور نہ ہی ہر موقع اور ہر وقت پر نرمی ہی مناسب ہے۔

الحاصل انسان کی اخلاقی تربیت و اصلاح کے سلسلہ میں اسی قسم کی ربانی تعلیمات قرآن کریم میں بکثرت موجود ہیں۔ رہی سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سو آپ کے

جو اخلاق ثابت ہیں وہی ہماری ہدایت کے لئے کافی ہیں اور وہ یہ ہیں کہ آپ تمام انسانوں کے مقابلہ میں بہت بردبار۔ بہت بہادر۔ بہت منصف۔ بہت پاکباز۔ بہت سخی۔ بہت حسن سلوک والے۔ بہت حیادار اور بہت متواضع تھے۔ آپ گھریلو کاموں میں اپنے گھر والوں کا ہاتھ بٹاتے تھے۔ ازواج مطہرات کے ساتھ گوشت کے ٹکڑے بناتے تھے۔ ادنیٰ تکبر اور جھجک کے بغیر بے تکلف مسکینوں اور بیواؤں کے ساتھ چلتے پھرتے تھے۔ شرعی امور میں غصہ فرماتے تھے مگر خاص اپنے ذاتی معاملہ میں بالکل غصہ نہ فرماتے تھے۔

آپ ہر اک سے حتیٰ کہ اپنے متعلقین سے بھی حق بات منواتے اور اس پر ان سے عمل کراتے تھے۔ عذر کرنے والے کی معذرت قبول فرماتے تھے۔ کسی پر حسد نہ فرماتے تھے۔ کسی کی برائی کا اس کی ساتھ برائی کر کے انتقام نہ لیتے تھے بلکہ اسے معاف فرما دیتے اور درگزر فرماتے تھے۔ آپ کے خادم خاص حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں خدا کی قسم ہے جس نے آپ کو نبی برحق بنا کر مبعوث فرمایا ہے کہ آپ نے میرے کسی کام پر ناگواری کے باوجود کبھی یہ نہیں فرمایا کہ تو نے یہ کام کیوں کیا۔ اور نہ کبھی ایسا ہوا کہ آپ نے مجھے کسی کام کا حکم دیا ہو اور میری طرف سے اس میں دیر ہونے پر مجھ پر عتاب فرمایا ہو۔ اور اگر آپ کے متعلقین میں سے کسی نے کبھی مجھ پر غصہ بھی کیا تو آپ نے فوراً دخل دے کر ان سے فرمایا کہ چھوڑ دو اور جانے دو کہ اگر کوئی بات پہلے سے مقدر ہو چکی ہے تو وہ اسی طرح ہو کر رہے گی۔ نیز آپ اپنے پاس حاضر ہونے والے ہر شخص کا احترام فرماتے تھے یہاں تک کہ آپ ایک اجنبی شخص کے لئے اپنی چادر تک بچھا دیتے تھے حالانکہ آپ کا اس سے پہلے سے کوئی رابطہ و تعلق بھی نہ ہوتا تھا۔ اسی طرح آپ اپنا تکیہ نکال کر آنے والے زائر کو دیدیتے تھے۔ اگر وہ انکسار کی بنا پر تکیہ لینے سے انکار بھی کرتا تو آپ اصرار فرما کر اسے دیدیتے۔ اور جو شخص بھی حاضر خدمت ہوتا وہ آپ کے تعامل سے یہی خیال لیکر واپس جاتا کہ وہی سب سے زیادہ آپ کے نزدیک محترم ہے حتیٰ کہ آپ اپنی محفل میں بیٹھنے والے ہر شخص کی طرف توجہ

فرماتے اور اسے گفتگو کا پورا موقع دیتے تھے - آپ دوسرے تمام لوگوں کی بہ نسبت بہت کم غصہ ہوتے تھے اور غصہ کی صورت میں بھی جلد ہی آپ کا غصہ فرد ہو جاتا تھا - آپ لوگوں پر سب سے زیادہ رحمدل اور مہربان تھے آپ صحابہ سے سب سے زیادہ تبسم و خندہ پیشانی سے پیش آتے اور ان کی گفتگو پر اظہارِ خوشگواری فرماتے تھے ایک دن ایک شخص نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! حق تعالیٰ اچھے اخلاق کو پسند فرماتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا - اس ذات کی قسم ہے جس کے قبضہ میں میری جان ہے۔ جنت میں صرف اچھے اوصاف و کردار والا شخص ہی داخل ہو سکتا ہے۔"

کسی شخص نے آپ سے اچھے اخلاق کی تعریف دریافت کی تو آپ نے جواب میں یہ آیت تلاوت فرمائی:

خُذِ العفوَ وَأمُرْ بالعُرفِ	آپ عفو و درگزر کا شیوہ اختیار کیجئے - لوگوں کو
وَاعْرِضْ عَنِ الجَاهلين۔	بھلے کاموں کی نصیحت فرماتے رہیئے - اور جاہلوں
(پ ۹ - ع ۱۴)	سے کنارہ کریجئے۔

پھر فرمایا، بلند اخلاق یہ ہیں کہ جو تم سے قطع تعلق کرے تم اس سے تعلق باقی رکھو جو تمہیں محروم کرے تم اسے دو - جو تم پر ظلم و زیادتی کرے تم اس سے درگزر کرو۔

نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

اَثْقَلُ مَا يُوضَعُ فِي الْمِيزَانِ	قیامت کے دن اعمال کی ترازو میں رکھا جانے والا
يَوْمَ الْقِيَامَةِ تَقْوَى الله	سب سے زیادہ وزنی عمل خدا کا خوف و پرہیزگاری
وَحُسْنُ الْخُلُقِ۔	اور اچھا کردار و اخلاق ہوگا۔

ایک شخص حاضر خدمت ہوا اور اس نے آپ کے سامنے سے آ کر عرض کیا یا رسول اللہ! دین کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: بہتر اخلاق و کردار پھر اس نے آپ کی دائیں سمت آ کر مکرر یہی سوال کیا - آپ نے پھر فرمایا: بہتر اخلاق و کردار - پھر اس نے بائیں سمت آ کر یہی سوال کیا

آپ نے پھر وہی جواب دیا پھر اس نے آپ کی پشت کی طرف سے آکر وہی سوال کیا اس مرتبہ آپ اس کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: کیا تم سمجھ نہیں رہے ہو؟ دین یہ ہے کہ تم غصّہ نہ کرو۔

ایک مرتبہ آپ سے سوال کیا گیا کہ یا رسول اللہ! نحوست و بدعملی کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: بداخلاقی و بداطواری۔

ایک شخص نے حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ! مجھے کچھ نصیحت فرمائیے فرمایا تم جہاں بھی ہو خدا سے ڈرتے رہو۔ اس نے عرض کیا کچھ اور فرمائیے: فرمایا لوگوں سے حسن اخلاق سے پیش آؤ۔

ایک مرتبہ آپ سے دریافت کیا گیا کہ کون سا عمل سب سے بہتر ہے؟ آپ نے فرمایا: حسنِ اخلاق۔

ایک مرتبہ آپ سے عرض کیا گیا یا رسول اللہ! مسلمانوں میں ایمان کے اعتبار سے کون زیادہ افضل ہے؟ فرمایا جو ان میں اخلاق و کردار کے اعتبار سے سب سے بہتر ہو۔

ایک مرتبہ ارشاد فرمایا: تم سب لوگوں کی مال سے خدمت نہ کرسکو گے پس کم از کم خندہ پیشانی اور حسنِ اخلاق سے ہی ان کی دلداری کرو۔

یہ بھی ارشاد فرمایا: کہ جیسے سرکہ شہد کو بگاڑ دیتا ہے ایسے ہی بداخلاقی انسان کے اعمال کو تباہ کر دیتی ہے۔

ایک مرتبہ آپ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ "جو شخص تم میں سب سے زیادہ با اخلاق ہے وہ مجھے تم سب سے زیادہ عزیز ہے"

ایک مرتبہ ارشاد ہوا "جس طرح دھوپ برف کو پگھلا دیتی ہے اسی طرح حسنِ اخلاق انسانی گناہوں کو پگھلا دیتا ہے"

ایک مرتبہ فرمایا: "انسان کی سب سے زیادہ خوش بختی وسعادت اس کا حسنِ اخلاق ہے"

ان کے سوا اس باب میں اور بھی لاتعداد احادیث وارد ہوئی ہیں۔

حضرت معاذ بن جبل رضؓ نے کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے نصیحت فرماتے ہوئے یہ ارشاد فرمایا:

اے معاذ! میں تمہیں حسب ذیل نصیحتیں کرتا ہوں: اللہ سے ڈرتے رہو۔ سچ بولو۔ عہد کو پورا کرو۔ امانت پوری ادا کرو۔ خیانت سے بچو۔ یتیم پر رحم کرو۔ پڑوسی سے حسن سلوک سے پیش آؤ۔ غصہ کو ضبط کرو۔ انکساری و عاجزی اختیار کرو۔ سلام کو رائج کرو۔ نرم و شیریں گفتگو کرو۔ ایمان کے پابند رہو۔ قرآن کو سمجھنے کی اہلیت پیدا کرو۔ عقبیٰ سے محبت رکھو۔ قیامت کے حساب کتاب سے گھبراؤ۔ آرزوئیں کم کرو۔ اچھے کام کرو۔ بیمار کی مزاج پرسی کرو۔ بیواؤں اور خستہ حالوں کی حاجت برآری میں جلدی کرو ہمیشہ حق بات کہو۔

اور ان کاموں سے روکتا ہوں: کسی مسلمان کو برا نہ کہو۔ کسی سچے کو نہ جھٹلاؤ کسی جھوٹے کو سچا نہ کہو۔ منصف حاکم کی نافرمانی نہ کرو۔ یہ تمام ارشاداتِ نبوی انسانی معاشرہ کی اصلاح کی غرض سے اس کے لئے روحانی طب اور اس کی باطنی بیماریوں کا علاج ہیں چونکہ قرآنِ کریم صحیح عقائد بلند اخلاق و آداب اور اجتماعی و تمدنی قوانین کے اصول پر مشتمل تھا اس لئے آپ نے اسی کے نسخہ سے اس امت کا علاج کیا جو افتراق و انتشار میں مبتلا تھی اور زمانۂ جاہلیت کی اس قوم کی اصلاح فرمائی جو جہل و ناخواندگی اور بت پرستی کی ذلت میں مبتلا تھی۔ پس یہ قوم روحانی امراض سے شفا پا گئی اور افتراق کو چھوڑ کر باہم مل جل گئی اس نے کتاب اللہ اور حکمتِ اسلامی کی تعلیم حاصل کر لی اور دیکھتے ہی دیکھتے زمانۂ جاہلیت اور دورِ تمدن کی تمام قوموں پر فائق اور ان کی سردار بن گئی باوجودیکہ یہ کچھ پہلے ایک جاہل و ناخواندہ قوم تھی جس نے نہ تو کوئی تعلیم پائی تھی اور نہ ہی عالمی سیاست میں دسترس حاصل کی تھی۔ جس چیز نے اس ترقی میں اس قوم کی مدد کی وہ صرف یہ حقیقت تھی کہ قرآن کریم کا ہدایت کے متعلق ایک خاص طریقہ ہے۔ جسے ہر عقل سلیم رکھنے والا تسلیم کرنے پر

مجبور ہے کیونکہ اس نے عقل و مشاہدہ میں آنے والے دلائل پر عقائد کی بنیاد رکھی ہے۔ علیٰ ہذا مصالح عامہ حصول فوائد انسداد ضرر و مفاسد جیسے اصولی قواعد پر تمام ادبی۔ تمدنی اور علمی احکام کی بنیاد رکھی ہے۔

علیٰ ہذا قرآن کریم نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ اس کائنات عالم میں انسانی اختیار سے بالاتر ایسے طبعی قوانین جاری ہیں جن پر ہر عاقل اور ہر لایعقل مخلوق چل رہی ہے۔ علیٰ ہذا قرآن نے انسان کو اس پر ابھارا ہے کہ وہ اس کائنات کے حقائق و موجودات میں نظر و فکر کرے اور بنی نوع انسان کے احوال میں غور و خوض کرے تاکہ وہ ان میں حکمت اور اسرار الٰہیہ کے ان خزانوں کو پالے جن سے اس کی عقل ترقی پا سکے اور اس کے سامنے سود مند اور مضرت رساں چیزوں کے سمجھنے اور ان میں امتیاز کرنے کی راہیں کھل جائیں۔ اس طرح ہر اس شخص پر جس نے ان خدائی نشانیوں کا مشاہدہ کیا ہو یا آئندہ کرے حجت و دلیل قائم ہو جائے گی۔

اور خدائے کریم نے خاتم النبیین (صلی اللہ علیہ وسلم) کی رسالت ثابت فرمانے کیلئے ان کائناتی علامات کے سوا خود قرآن کریم کو سب سے بڑی نشانی قرار دیا ہے۔ جس میں بجز تبلیغ و تنبیہ اور تخویف و ترغیب کے فرائض کی انجام دہی کے آپ کے ذاتی تشخص کا کچھ بھی دخل نہ تھا۔ علیٰ ہذا آپ نے آیات قرآنی کو ہمیشہ کے لئے حقانیت کی دائمی دعوت کا ذریعہ قرار دیا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے قیامت تک کے لئے سمجھدار اقوام کے لئے غیر منقطع اور لامتناہی دعوت ہے۔

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کی انہی حکیمانہ تعلیمات کے اصول پر تربیت فرمائی اور انھیں اخلاقی اعتبار سے تمام قوموں سے بہتر سب سے زیادہ پسندیدہ صفات۔ سب سے زیادہ پاکیزہ باطن اور عملی حیثیت سے سب سے زیادہ افضل و برتر بنایا حالانکہ وہ اسلامی دعوت سے قبل سب انسانوں سے زیادہ بد طینت تھے اور ان کا نامۂ اعمال سب سے

زیادہ سیاہ تھا۔ ایک مدت بعد ان برگزیدہ ہستیوں کے جانشین وہ لوگ ہوئے جنھوں نے نمازیں ترک کر دیں۔ نفسانی شہوات کا اتباع کرنے لگے۔ مادیات کی طرف متوجہ ہوگئے اور پروردگار دو عالم کی ہستی سے یکسر لاپرواہی اختیار کرلی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ اخلاقی بلندیوں سے گر پڑے اور ذلت و پستی کے گڑھے میں جا پڑے یہاں تک کہ وہ ایسی مکروہ اور گھناؤنی تصویر بن گئے۔ جو آج اپنے خراب کردار سے دنیا کے سامنے اسلام کی غیر حقیقی تصویر اور اسلام کے مقدس اصول اور اعلیٰ مقاصد کے برعکس غلط نمونہ پیش کر رہے ہیں۔

علیٰ ہذا ہم دیکھ رہے ہیں کہ آج تمام دنیا مختلف قسم کی اقتصادی مشکلات میں گرفتار اور صرف مادی فوائد کے حصول کے لئے باہمی کشمکش میں مبتلا ہے مگر اسے اس حل کے تلاش کی توفیق نہیں جو ابدی سعادت اور دائمی امن و سلامتی کا ضامن ہو۔ صرف اسلامی تعلیمات ہی وہ اعلیٰ تعلیمات ہیں جو دنیا کے تمام انسانوں کی ہدایت کے لئے حضرت محمد بن عبداللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کی گئیں اور جنھوں نے انھیں اخلاقِ حسنہ کے اعلیٰ مدارج اور انسانیت کے درجۂ کمال تک پہونچانے کے لئے ان پر وہ دعوتِ الٰہی پیش فرمائی جو انھیں سعادتِ ابدی کی صحیح راہ دکھانے والی روشنی دکھائے لوگوں کے قلبی امراض کی صحیح تشخیص کرے اور ان کے تمام مصائب و مشکلات کے اسباب کو دفع کر دے۔ پس کیا کوئی ہے جو اس اسلامی تعلیم سے ہدایت اور نصیحت حاصل کرے؟

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اخلاق کی اصلاح فرمانا

نبی کریم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت صرف اخلاقِ حسنہ ہی کو درجۂ کمال تک پہونچانے میں منحصر اور دائر نہ تھی بلکہ دوسرے معنی میں آپ کی رسالت کی غرض و غایت ہی یہ تھی کہ انسانی نفوس کی کجی کو ٹھیک کیا جائے تاکہ اس طرح لوگوں کے اعمال و افعال درست اور ان کے تمام معاملات صحیح ہو جائیں۔ بھلا انسانوں کو رشد و ہدایت کی دولت کہاں نصیب ہوتی جبکہ ارواح اک باطنی اور مخفی مخلوق ہیں جن پر نہ کسی کو تسلط و اقتدار حاصل ہو سکتا ہے اور نہ ان پر کنٹرول و نگرانی ممکن ہے باقی ظاہری اجسام سو وہ محض ان کے تابع اور ان کے احکام کے مطیع ہوتے ہیں۔ لیکن انبیاء سابقین کی طرح رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی تمام تر توجہ اپنی قوم کی صرف اخلاقی اصلاح پر ہی مبذول رہی۔ مگر آپ اور دیگر انبیاء میں فرق یہ تھا کہ آپ کسی قومی وطنی ملکی تخصیص و تحدید کے بغیر تمام دنیا کے لامتناہی انسانوں کی طرف بھیجے گئے اور حق تعالیٰ نے آپ کو کروڑہا انسانوں کو اخلاق حسنہ سے متصف بنانے اور انھیں بدخلقی و جہل کی تاریکیوں سے نکال کر ہدایت کی روشنی میں لانے والی اسلامی تعلیمات پر عمل کرانے کی اہم ذمہ داری سپرد فرمائی۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ اک اہم ترین ذمہ داری تھی اور اس ہستی کے لئے جو یہ سمجھتی ہو کہ ظاہری احکام کے سامنے انسانوں کو جھکانا مشکل ہے تو ان کے مغلوب الشہوات قلوب کی باگ ڈور کا موڑنا جبکہ برائیاں ان کی گھٹی میں پڑی ہوئی ہوں اور انھیں اخلاقِ حسنہ سے متصف

ہونے پر آمادہ کرنا کیونکر ممکن ہے اور یہ کہ اس مہم کا چلانا شدید دشوار امر ہے لیکن حقیقت واقعہ اس کے برعکس ہے۔ کیونکہ حق تعالیٰ نے انسان کو تین عناصر سے پیدا فرمایا ہے:

۱۔ جسم سے اور وہ وہ مادی ڈھانچہ ہے جسے حق تعالیٰ نے اک خاص ہئیت پر پیدا فرمایا اور اس کی ترقیوں کے لئے اک مفصل نظام العمل مرتب فرمایا جس سے اختلاف و روگردانی ناممکن ہے۔

۲۔ نفس سے اور وہ ایک لطیف و بلند مخلوق ہے جو آنکھ سے نظر نہیں آتی اور بدن میں جاری وساری رہتی ہے۔ کبھی اس سے علیٰحدہ بھی ہوتی ہے اوپر آسمانوں پر بھی جاتی ہے نیچے بھی اترتی ہے نادیدہ جہاں میں جاتی آتی ہے یہ کبھی حرکت کرتی اور کبھی سکون میں آتی ہے لیکن نہ اسے آنکھ سے دیکھا جا سکتا ہے نہ ظاہری حواس سے محسوس کیا جا سکتا ہے یہی نفس انسان کا وہ اصلی جوہر ہے جو اس کے ظاہری اعضاؤ جوارح پر اقتدار و تسلط رکھتا ہے اسی کو خدا نے اطاعت۔ توجہ اور اصلاح و راستی کو قبول کرنے کا مادہ عطا فرمایا ہے اسی لئے اسے حق تعالیٰ نے قانون شریعت کا مکلف بنایا اور سوال وجواب اور عذاب و ثواب کے لئے مخصوص فرمایا ہے نیز اس نے رسولوں کو مبعوث فرمایا اور اپنی آیتیں نازل فرمائیں تاکہ وہ اس نفس کو مہذب اور اخلاق حسنہ کا عادی بنائیں اور اس کی صراط مستقیم کی طرف راہبری کریں۔

۳۔ روح، وہ انسانی خلقت اور وجود سے بالکل علیٰحدہ ایک خارجی و بیرونی وجود ہے لیکن وہ انسانی وجود سے وابستہ اور اس کا خارجی مظہر اور زندگی ہے بلکہ وہ دوسرے معنی میں خدائی طاقتوں میں سے ایک طاقت ہے جو مخلوقات کو حرکت میں رکھنے اور ان کی بیداری وحیات کے لئے مخصوص کردی گئی ہے وہ ہر انسان ہر حیوان اور ہر درخت میں موجود ہے جن میں وہ بجلی کی طرح حرکت وتازگی اور زندگی کی لہر دوڑا دیتی ہے۔ فرق یہ ہے کہ

بجلی بننے کے ذرائع ظاہر اور اس کا بیرونی مظہر واضح ہے۔

لیکن روح کی حقیقت اک سربستہ راز اور اک نامعلوم شے ہے پس زندگی کی قوت تمام مخلوقات اور تمام افراد میں ایک ہی ہے جس کی تقسیم اور حصے نہیں ہو سکتے جس کو قدرت سے زندگی عطا ہوتی ہے اسے خدا روح بخش دیتا ہے اور اس کی موت کے وقت وہ اس سے سلب کرلی جاتی ہے وہ خدا کا ایک عطیہ ہے جس کا نام روح ہے۔ وہ اللہ کے اوامر میں سے ایک امر یا اس کے اسرار کے منجملہ ایک مخفی راز یا وہ اللہ کی اس روح کا اک جزو ہے جسے اس نے آدم (علیہ السلام) کے جسم میں پھونکا تھا۔ جبکہ اس نے پہلے ان کا پتلا بنا کر اس پتلے کو انسانی شکل وصورت عطا فرمائی۔ پھر آدم کی اس انسانی ہیکل میں زندگی کی لہر دوڑنے لگی (اس واقعہ کی تمام تفصیل کتاب "تفسیر خطیب مکی" جزو سوم صہ۲ پر دیکھئے)

خاص اسی مقصد کے لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم شریعت مقدسہ لیکر تشریف لائے جو انسانوں کو مادہ کے تنگ ومحدود میدان سے نکال کر روحانیت کے بلند ووسیع میدان میں لے آئیں اور انھیں نفس کے مادّی خواہشات کی طرف رجحان سے ہٹا کر روح کی معنوی نعمت سے لذت آشنا کریں تاکہ اس طرح انھیں حقیقی سعادت۔ راحت اور سکون قلب کا مزہ چکھا دیں۔ اس اہم مقصد کی تکمیل کے لئے آپ نے نفوس انسانی میں ایمان بالغیب کی روح کا تخم بونا اور ان کے افکار کو دلائل اور واضح نشانیوں کی طرف متوجہ فرمانا شروع کردیا اور انھیں زمین وآسمان کے پروردگار سے رشتہ ورابطہ پیدا کرنے کی دعوت دینی شروع فرمادی حتی کہ دنیا نے آپ کے سامنے سر تسلیم خم کردیا اور جہاد جیسے مشکل مسئلے میں رضاکارانہ طور پہ آپ کا اتباع شروع کردیا۔ پھر آپ نے کبھی اس کا خیال بھی نہیں فرمایا کہ لوگوں کو طاقت کے بل پر مطیع بنالیا جائے کیونکہ آپ کے پیغام کا تعلق قلب سے تھا اور قلوب قوت کے سامنے کبھی نہیں جھکتے نیز طاقت کے ہتھیار کا اثر کبھی

دیر پا نہیں ہوتا۔ بلکہ حق تعالیٰ نے آیتِ ذیل میں اس طریقِ کار سے خود منع فرمایا ہے۔

وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ لَآمَنَ مَنْ فِي الْأَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيعًا ۚ أَفَأَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتَّىٰ يَكُونُوا مُؤْمِنِينَ ۔	اگر اللہ کو منظور ہوتا تو سب کے سب اہل زمین ایمان لے آتے (مگر مشیتِ الٰہی ایسی نہ تھی) تو کیا آپ کفار پر قبولِ اسلام کے لئے جبر روا رکھیں گے۔

(پ ۱۱ - ع ۱۵)

پس جب رب العزت نے جو اگر چاہے تو صرف اپنے اک حکم سے ہی تمام لوگوں کو مسلمان بنا سکتا ہے لوگوں کو اس کا آزادانہ حق عطا فرمایا ہے کہ وہ اپنے لئے جو صورت مناسب سمجھیں اختیار کریں اور اپنی مرضی سے جس مسلک پر چلنا چاہیں اس پر چلیں تاکہ ان کے اس طریقہ پر ہی ثواب و عذاب مرتب ہو تو پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے یہ مناسب نہیں کہ وہ قوت کے ذریعہ کسی کو اسلام قبول کرنے پر مجبور کریں بلکہ آپ کو اپنی تبلیغ کے لئے دوسرے اخلاقی طریقے اختیار کرنے چاہئیں جن سے آپ لوگوں کے دلوں کو اپنی طرف کھینچ سکیں اور انھیں اپنی اطاعت پر آمادہ کر سکیں اسی لئے حق تعالیٰ نے آیت ذیل میں اپنے رسول کو تبلیغِ اسلام کے صحیح طریقہ کی تعلیم فرمائی ہے ارشاد ہوتا ہے:

اُدْعُ إِلَىٰ سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ ۖ وَجَادِلْهُم بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ ۔	آپ لوگوں کو حکمت و دانائی اور بہترین نصیحت کے ذریعہ اپنے پروردگار کی راہ (اسلام) کی طرف بلائیے اور ان سے بحث بھی کیجئے تو بہترین و معتدل طریقہ سے کیجئے۔

(پ ۱۴ - ع ۲۱)

چنانچہ حق تعالیٰ کے حکم کے مطابق آپ نے اعلاء کلمۃ اللہ کا فریضہ انجام دیا اور مکہ مکرمہ میں تیرہ سال تک لوگوں کو خدا کی طرف بلاتے رہے لیکن اپنی قوم کی اکثریت کو

مطمئن کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے صرف اک قلیل جماعت ہی آپ پر ایمان لائی اور آپ کی اطاعت گزار ہوئی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اس تبلیغی مہم میں کفار کے ہاتھوں عاجز اور دل تنگ کر دینے والی گوناگوں اذیتیں جھیلیں اور شدید سختیاں برداشت کیں چنانچہ کسی قائل نے ایسے ہی مواقع کے لئے یہ مقولہ کہا ہے۔

لَحَمْلُ الصَّخْرِ عَلَى الْاَعْنَاقِ	کسی نادان کو کوئی بات سمجھانے کے مقابلہ میں بڑا
خَيْرٌ مِنْ تَفْهِيْمِ مَنْ لَا يَفْهَمُ۔	بھاری پتھر گردن پر اٹھا لینا کہیں بہتر ہے۔

لیکن رسول اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا کی طرف سے جو عظیم الشان اخلاق عطا ہوا تھا اس کی بنا پر نہ آپ کبھی نا امید ہوئے نہ غصہ فرمایا نہ اپنی قوم کی طرف سے دل تنگ اور مکدر ہوئے حتیٰ کہ آپ نے کبھی قوم کے خلاف نزول مصائب کے لئے بد دعا نہیں کی جیسا کہ آپ سے پہلے انبیاء علیہم السلام نے اپنی اپنی امتوں کے لئے بد دعا کی اور خدا نے انھیں تباہ و برباد کر ڈالا جیسے حضرت نوح علیہ السلام کی یہ سخت بد دعا تھی:

وَقَالَ نُوْحٌ رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ	(اپنی قوم کی نافرمانیوں سے تنگ آکر نوح علیہ السلام نے
مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا اِنَّكَ اِنْ	عرض کیا اے میرے رب! زمین پر کسی کافر کو زندہ نہ چھوڑ
تَذَرْهُمْ يُضِلُّوْا عِبَادَكَ وَلَا يَلِدُوْا	یقیناً اگر تو انھیں یوں ہی چھوڑے رکھے گا تو وہ تیرے
اِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا۔	دوسرے بندوں کو بھی دین حق سے گمراہ کر دیں گے
(پ ۲۹ - ع ۱۰)	اور ان کی آیندہ نسلیں بھی کافر و نافرمان ہی اٹھیں گی۔

بلکہ آپ کفار کی ایذارسانیوں پر تحمل فرماتے اور یہ دعائے خیر فرماتے تھے۔

اَللّٰهُمَّ اهْدِ قَوْمِيْ فَاِنَّهُمْ	اے میرے خدا! میری قوم کو سیدھا راستہ دکھا دے
لَا يَعْلَمُوْنَ۔	کیونکہ یہ بیچارے صحیح حقیقت حال سے واقف ہی نہیں ہیں۔

ارکانِ ایمان

رسولِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تمام تر توجہ نفوسِ انسانی کی اصلاح پر مبذول رکھی آپ ان میں ایمان کی روح پھونکتے رہے اور ان میں ہدایت قبول کرنے اور حجابوں سے مخفی حقیقتوں کی تصدیق کرنے کی صلاحیت پیدا فرماتے رہے چونکہ ایمان اس پختہ تصدیق ہی کا نام ہے جو قلب انسانی کے اذعان ویقین اور اک یقینی اور غیر مشکوک حقیقت کو تسلیم کرلینے کے وصف سے متصف ہو۔ اور چونکہ انسانی طبیعتیں فطرۃً محسوس ہونے اور نظر میں آنے والی اشیاء پر ایمان لانے کی عادی ہوتی ہیں اس لئے آپ نے لوگوں میں باطنی احساسات کے ملکہ کو بیدار کرنا اور انھیں اس امر پر آمادہ کرنا شروع فرمادیا کہ وہ خیالات کے وسیع آسمانوں میں پرواز کے لئے اپنے افکار کو مصروف رکھنا اور اپنی عقلوں کا صحیح استعمال کرنا سیکھیں تاکہ عالم کائنات کی ان مادی اشیاء کی اصل حقیقت ان کے وجود وتخلیق کے مرکز ان کی ترقیات اور ان کے آخری انجام کے راز اور باریکیوں کی تہ تک پہونچنے کے لئے ان تمام اشیاء کے حقائق سے متعلق بحث وتحیص کرسکیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس معجزہ میں جو آپ حق تعالیٰ کی طرف سے لیکر مبعوث ہوئے یعنی قرآن کریم میں موجوداتِ عالم کی حقیقتوں تک رسائی کے لئے انسانی عقلوں کے لئے ایک مکمل توجیہ اور مخفی دقائق واسرار کے معلوم کرنے کے لئے کھلی رہنمائی ہے

نیز وہ اک نور ہے جس کے ذریعہ حق تعالیٰ اپنی خوشنودی چاہنے والوں کو سیدھا راستہ دکھاتا اور اپنے زمین و آسمان کی پوشیدہ موجودات کی وضاحت و تشریح فرماتا ہے۔

رسول اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانوں کو ایمان کی دعوت دی اور ایمان کو چھ قسموں میں تقسیم فرمایا اور لوگوں کے دلوں میں بتدریج انہیں راسخ فرمانا شروع کر دیا ان ہی چھ قسموں کو ارکانِ ایمان کہا جاتا ہے:

۱۔ اللہ کی ذات پر ایمان لانا۔ ۲۔ فرشتوں پر ایمان لانا۔

۳۔ آسمانی کتابوں پر ایمان لانا۔ ۴۔ رسولوں پر ایمان لانا۔

۵۔ قیامت کے دن پر ایمان لانا۔ ۶۔ قضا و قدر پر ایمان لانا۔

ہم آئندہ ابواب میں ان قسموں کے متعلق تفصیل سے بحث کریں گے۔

ایمان باللہ

اللہ تعالیٰ اپنی مقدس کتاب میں فرماتا ہے:

وَاللّٰهُ اَخْرَجَكُمْ مِّنْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ شَيْـًٔا وَّجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ۔	اور اللہ ہی نے اپنی قدرت سے تم انسانوں کو تمہاری ماؤں کے پیٹوں سے باہر نکالا جبکہ تم کچھ بھی نہ جانتے تھے پھر اس نے اپنے فضل سے تمہیں کان آنکھیں اور دل عطا فرمائے تاکہ تم حق کو سن کر دیکھکر اور اس پر یقین کرکے اللہ کی
(پ ۱۴ - ع ۱۷)	ان نعمتوں کا شکر بجا لاؤ۔

پس انسان کان اور آنکھ کی مدد سے ان مادی اشیاء کو محسوس اور معلوم کرلیتا ہے جو اس کی سمع و بصر کے دائرۂ حدود میں آتی ہیں علیٰ ہذا دلوں کے ذریعہ ظاہری اور محسوس ہونے والی موجودہ مخلوق کے پیچھے پوشیدہ مخلوقات۔ مخفی روحانی طاقتوں۔ غیبی تکوینی نظم ونسق اور کثیر و مختلف النوع جہانوں کا کھوج لگا لینا ممکن ہے۔ یہی وجہ ہے کہ لوگ فطرۃً اور طبعاً اچھی بری اور مفید و مضر چیزوں میں امتیاز کرنے کے لئے عقل کو حکم قرار دیتے ہیں۔ لیکن ان کی عقلوں کے فرق اور افکار کے تصادم نے ان کے عقائد و اعمال میں اختلافات پیدا کر دیے۔ گویا انھوں نے ایک غیبی طاقت کا احساس تو کرلیا مگر اس کی اصل حقیقت تک نہ پہونچ سکے البتہ وہ اس پر ضرور یقین رکھنے لگے کہ وہ غیبی طاقت عالم کائنات کی تمام طاقتوں سے بالاتر ہے۔ پس وہ اس بالاتر ہستی کی اصل حقیقت معلوم کرنے کے سلسلہ میں بھٹکنے لگے اور

انھیں احساس ہو گیا کہ ہمیں اک ایسی رہبر ہستی کی ضرورت ہے جو انھیں اس بالاتر ہستی کا صحیح نشان بتلا سکے ان کے سامنے اس ہستی کے احکام پیش کر سکے اور انھیں صداقت و حقانیت کی راہ دکھا سکے پس اس طبعی تقاضہ کی بنا پر وہ بعض ظاہری مخلوقات سے مدد چاہنے لگے چنانچہ ان میں سے بعض نے تو مورج بعض نے چاند بعض نے ستاروں اور بعض نے بتوں کی پرستش شروع کر دی اور ان میں سے بعض نے اپنی فکر کو صرف مادہ تک محدود رکھا وہ اس سے آگے نہ گئے اور اس کے قائل ہو گئے کہ یہ تمام مخلوق ایک طبعی وفطری نظام کے تحت خود بخود وجود میں آگئی اس لئے کسی خدا کی عبادت کی مطلقاً ضرورت نہیں اور اس فرقہ کے لوگوں نے اپنے اپنے مختلف اور متضاد آرائ و افکار کی توجیہات کے مطابق جسے چاہے حرام اور جسے چاہے حلال قرار دے لیا ان کے آرائ و افکار میں نہ تو وحدت و یگانگت ہے اور نہ ان کے احکام و اعمال کسی صحیح بنیاد یا قوی دلیل پر مبنی ہیں یہاں تک کہ اس خبط و اختلاف کے عالم میں حق تعالیٰ نے ان کی صحیح رہنمائی کے لئے اپنے رسولوں کو بھیجا تاکہ وہ عقائد اور احکام میں ان سب کے اختلافات کا بالکلیہ ازالہ کر دیں اور انہیں خدا کو خوش کرنے والے اعمال کی ہدایت کریں جیسا کہ یہ آیت قرآنی اسی مفہوم کی طرف اشارہ کرتی ہے:

كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيِّينَ مُبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ وَأَنزَلَ مَعَهُمُ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيمَا اخْتَلَفُوا فِيهِ۔	(آدم علیہ السلام سے لیکر ایک مدت دراز تک) تمام لوگ ایک ہی دین پر تھے (پھر دین میں اختلافات پیدا ہونے کے باعث) حق تعالیٰ نے خوشخبری دینے والے اور ڈرانے والے انبیاء بھیجے جن پر اپنی برحق کتابیں بھی نازل فرمائیں تاکہ وہ ان کے باہمی اختلافات کا فیصلہ کریں۔
(پ ۲ - ع ۱۰)	

اس تحیر کے عالم میں جس میں انسان ابتداءً مبتلا تھے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں میں سے ہر فریق کی طرف متعدد رسولوں کو بھیجا تا کہ وہ ان بندوں کو خدا کی طرف بلائیں ان کے ساتھ ہی وہ آسمانی کتابیں بھی نازل فرمائیں جن میں تمام تر ان کی بھلائی اور فائدہ کی باتیں تھیں۔ نیز حق تعالیٰ نے انھیں بعض فوق العادت معجزات پر قدرت عطا فرماکر اپنی طرف سے تمام عالم کے لئے ان کی رسالت کے ثابت کرنے میں ان کی مدد فرمائی پس بعض انسان ان پر ایمان لے آئے اور بعض نے انھیں تسلیم کرنے سے انکار کردیا۔ انبیاء علیہم السلام کا وصال ہو جاتا جب کچھ مدت گزر جاتی تو ان کے بعض متبعین کچھ سال بعد ان کتب کے متفرق اجزاء کو جمع کرکے ان میں تغیر و تبدل اور حذف و تحریف کرڈالتے۔ ان کتابوں میں انھوں نے سب سے اہم تغیر یہ کیا کہ امت کی عبادات میں رسولوں کو بھی معبود قرار دیدیا اور خدائی اوامر اور اس کی الوہیت میں رسولوں کو بھی دخیل و شریک بنا لیا۔ اس طرح یہ لوگ رسولوں کی لائی ہوئی ہدایت کی غرض و غایت یعنی خدا کی خالص توحید اور ابتداءً و انتہا ہر حال میں اسی کی طرف رجوع کرنے کے حدود سے نکل گئے۔ اس وقت خدا نے حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کو پچھلے رسولوں کے طریقہ کے برعکس اک نئے طریقہ پر مبعوث فرمایا وہ یہ کہ آپ پر نازل کی جانے والی کتاب ہی کو آپ کی رسالت کے ثابت کرنے اور بحیثیت رسول حق خود آپ کے وجود پر روشنی ڈالنے کیلئے ایک معجزہ قرار دیدیا اور طویل زمانہ اور صدیوں کے گزرنے پر بھی منقطع نہ ہونے والے دائمی دلائل اور علمی ہدایت و رہنمائی کو آپ ہی کا مبارک کارنامہ قرار دیدیا وہ ہدایت جس نے لوگوں کو عجائبات عالم میں غور و فکر کے ذریعہ اللہ پر ایمان لانے اور مخلوقات میں خدائی تصرفات و احکام میں سوچ بچار کے ذریعہ اس کی وحدانیت کے اقرار کرنے اور خدا کی عظیم عنایات اور اس کی گوناگوں نعمتوں کے صحیح احساس کے ذریعہ اس کی صفاتِ کمالیہ پر یقین و اعتماد رکھنے کی دعوت دی۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی رسالت کی مہم اللہ کی معرفت - اس کی صفت ربوبیت والوہیت پر ایمان لانے اور اس کی تمام صفاتِ کمالیہ علم حکمت مشیئت قدرت - اور عالم کے انتظامی امور کی تدبیر پر ایسا پختہ ویقینی ایمان لانے کی دعوت دی جسے انسان اپنے حواس سے محسوس کرنے لگے جسے اپنے تصورات میں رچا ہوا پانے لگے اور اپنی تمام قوتوں سے اس کی پوری پوری حفاظت و مدافعت کرنے لگے پس آپ نے لوگوں کو خدا کی مخلوقات اور اس کے پختہ تصرفات میں غور وفکر کی راہ سے اللہ کی حقیقی معرفت کی طرف متوجہ فرمایا - اور اس میں ذرا بھی شک نہیں کہ جو شخص بھی تمام موجودہ مخلوقات میں غور و تامل کرے گا اس کے لئے یہ ہرگز ممکن نہیں کہ وہ ان تمام موجودات کی ابتدائی مادی اصلیت کو سمجھ سکے علیٰ ہذا اس کے لئے ان مخلوقات کی ایک حالت سے دوسری حالت میں تبدیلی ہوتے رہنے کے اصلی راز کو سمجھنا مشکل ہے بلکہ عقل انسانی ابتداءً یہ تصور بھی نہیں کر سکتی کہ مثلاً یہ جسمانی ہیکل صرف اک منویہ مادہ سے وجود میں آسکتا ہے بلکہ اگر ہم یہ کہیں بھی تو گویا ہم صحیح حقیقت کو بیان نہیں کر سکے کیونکہ عین اس وقت جب ہم جانداروں کی پیدائش کی یہ اصل بیان کرتے ہیں تو یہ بھی دیکھتے ہیں کہ بعض ایسی جاندار مخلوقات جن میں مادۂ منویہ کا امتزاج ہو وہ طبعاً اس نتیجہ پر نہیں پہونچتیں تب ہم لازماً اسی فیصلہ پر پہونچتے ہیں کہ کسی متصرف قوت کے اثر ڈالے بغیر صرف محسوس مادی اصل سے ان ظاہری مخلوقات کا عالم وجود میں آجانا لغو محض اور وہم باطل ہے بلکہ یہ ضروری ہے کہ تخلیقِ کائنات جیسے اہم مسئلہ میں کوئی اور ہی راز پنہاں ہو اور وہ یقیناً اک خفیہ ہاتھ کا وجود ہے جس کا نمایاں اثر اس کائنات کے وجود و تخلیق میں خارجی وظاہری اسباب کے علاوہ کارفرما ہے اور وہ ہاتھ ہی اس تمام مخلوقات کے حقیقی خالق خدائے تعالیٰ کا ارادہ و مشیت ہے جیسا کہ وہ خود ارشاد فرماتا ہے :-

اِنَّمَا اَمْرُهٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَيْئًا — اس کا حکم تو ایسا ہے کہ جب وہ کسی چیز کے پیدا کرنے کا

اِنْ یَقُوْلَ لَہٗ کُنْ فَیَکُوْنُ۔ | ارادہ کرے اور صرف یہ فرمادے کہ "ہو جا" تو وہ
(پ ۲۳ - ع ۴) | فوراً ہی وجود میں آجاتی ہے۔

پس یہ حقیقت اگر کسی چیز پر روشنی ڈالتی ہے تو اس پروردگارِ عالم کی عظمتِ شان اس کی قدرت کے بلند قبضہ اور اس مخلوقات کے تمام ادوار۔ انقلابات اور تغیرات میں اس کے مؤثر تصرف اور کار فرمائی پر ہی روشنی ڈالتی ہے چنانچہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اَفَرَاَیْتُمْ مَا تُمْنُوْنَ ءَاَنْتُمْ تَخْلُقُوْنَہٗ اَمْ نَحْنُ الْخَالِقُوْنَ۔ | بھلا دیکھو تو وہ منی جو تم عورت کے رحم میں ٹپکاتے ہو کیا تم اسے پیدا کرتے ہو یا ہم اس کے پیدا کرنے والے ہیں؟
(پ ۲۷ - ع ۱۵)

نیز ارشادِ باری ہوتا ہے:

وَنُقِرُّ فِی الْاَرْحَامِ مَا نَشَآءُ۔ | اور ہم جس نطفہ کو چاہتے ہیں ماں کے رحم میں ٹھہرا دیتے ہیں۔
(پ ۱۷ - ع ۸)

ہمارے سامنے اس مسئلہ کو زیادہ واضح طور پر سمجھانے والی مثال سینمائی فلم ہیں کہ ان میں ایسے مناظر و واقعات دیکھنے میں آتے ہیں جنھیں دیکھنے والا یہی سمجھتا ہے کہ یہ اصلی واقعات ہیں کیونکہ فلم اپنے اداکاروں کو حقیقی رنگ میں پیش کرتے ہیں لیکن واقعتہً وہ صرف خیالی مناظر ہوتے ہیں جن کے دکھانے سے کوئی نصیحت اور عبرت دلانی مقصود ہوتی ہے اور اہل نظر کی نگاہ میں یہ فلمی سین اگر کسی حقیقت پر روشنی ڈالتے ہیں تو وہ ان افسانہ نگاروں کا وجود ان کی قوتِ فکر اور ان کی فنی عظمت ہے۔ اسی طرح اس دنیوی زندگی کے مناظر اور ان کی تمثیل میں شریک ہونے والی مخلوق اللہ تعالیٰ کی قدرت اس کی بہتر تدبیر اس کی تخلیقی عظمت اور اس کی بہترین صنعت پر روشنی ڈالتی ہے۔ اس کے علاوہ یہ بات بھی ہے کہ افسانوں کی اصل بنیاد صرف اتنی ہوتی ہے کہ افسانہ نگار اپنے دل سے ایک قصہ گھڑ کر اسے دکھلانے کے لئے اک خاص نظم و ربط پیدا کرتے ہیں اور اس طرح ڈرامہ دیکھنے والوں کے

سامنے مختلف زمانوں کے مختلف حالات کے نقشے کھینچ دیتے ہیں مگر حق تعالیٰ کی ذات اس فعل سے کہیں زیادہ بلند و بالاتر ہے کیونکہ وہ اس دنیا اور اس میں پائے جانے والے تمام مناظر کا سب سے بڑا خالق ہے۔ اور انسان زندہ ہستیوں کی موجودگی کی وجہ سے صرف سینما کی خالی تصاویر کے مقابلہ میں کہیں برتر و ممتاز ہے اور ہم میں جو زندگی ہے وہ اللہ ہی کی روح کا اک پرتو اور اسی کا اک امر ہے جب تک اس کی ذات باقی ہے روح بھی باقی ہے اور اس کے دائمی وجود تک روح کا وجود بھی دائمی ہے۔ زندگی کا ہم سے تعلق ایسا ہی ہے جیسا کہ تقدیر کا صاحب تقدیر سے اور زندگی کے بغیر ہم بالکل ہیچ اور محض لاشے ہیں۔ اگر زندگی نہ ہو تو اس عالم میں کوئی چیز بھی موجود نہ رہے اور ایک حیثیت سے ہمارا وجود بھی محض اک خیالی وجود ہے اور اس خدائے برحق کے وجود کی بہ نسبت حادث و جدید ہے جو قدیم ازلی تمام مخلوق کا خالق اس کی اصل کا موجد اور اس پر متصرف و کارفرما ہے۔ اور یہ مخلوق اور بادی النظر میں تمام عظیم الشان موجودات خدائے خالق کی نسبت سے صرف تصویریں پرچھائیاں یا زائل ہونے والے خیالات ہیں جو درحقیقت لاشی اور عدم محض سے وجود میں آتے اور پھر عدم میں ہی گم ہو جاتے ہیں:

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ وَيَبْقَىٰ وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ۔	جو کچھ بھی روئے زمین پر ہے وہ سب فنا ہونے والا ہے بس صرف ایک آپ کا رب ہی باقی رہ جائیگا
(پ ۲۷ ع ۱۲)	جو بڑی عظمت و شان والا ہے۔

یا وہ دوسرے معنی میں حقائق کا اک سایہ اور عکس ہے جس کی اصل حقیقت تک ہم حواس کے ذریعہ رسائی حاصل نہیں کر سکتے۔ رہا اس کائنات کی تمام اقسام میں تفریق و امتیاز پیدا کرنا اور ہر قسم کا ایک جدا نام رکھنا یہ ہماری طرف سے ہے لیکن ان سب موجودات و تمام اقسام کی اصل حقیقت اک تقسیم نہ ہو سکنے والی وحدت ہے جو اس مخلوق کے خالق اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی قدرت کا پتہ دیتی ہے یا یہ کہ وہ اس خدا کی عظمت اور وجود کے مظاہر کے منجملہ اک مظہر ہے

اور ہم تمام مخلوقات خدا کے قبضۂ قدرت میں بالکل ایسے ہی محکوم و مطیع ہیں جیسے کہ کسی کاریگر کے ہاتھ میں اس کے اوزار:

قُلْ لَّا اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَاۤءَ اللّٰهُ - (پ ۹ - ع ۱۳)	کہہ دیجئے کہ مجھے تو اپنے نفع و نقصان کا بھی اختیار نہیں مگر جو خدا چاہے۔
وَمَا تَشَاۤءُوْنَ اِلَّاۤ اَنْ يَّشَاۤءَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ - (پ ۳۰ - ع ۶)	اور تم اس وقت تک کسی بات کو نہیں چاہ سکتے جب تک کہ خدا ہی کو وہ بات منظور نہ ہو جو سارے جہانوں کا پروردگار ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے اسی ایمان کی تبلیغ شروع فرمائی کیونکہ یہی ہر بھلائی کی بنیاد ہر بہتری کی اصل اور ہر اچھے اخلاق کا بنیادی پتھر ہے پس جو اللہ پر ایمان لے آتا ہے اللہ اس کی نگہبانی فرماتا ہے اور اہل ایمان میں سب سے متقی وہ ہوتا ہے جو خدا کی مرضی کے کاموں میں لوگوں کے ساتھ بھلائی کرتا رہے۔ یہ ایمان بھلائی کا صحیح مصداق نہیں بنتا جب تک کہ اس کے ساتھ ساتھ انسان کے دل میں اس کی دلیل راسخ و مستحکم نہ ہو جائے اور جب تک اس کے ساتھ عاجزی اور یقین صادق کی کیفیت پیدا نہ ہو جائے۔

اور چونکہ یہ مادی مخلوقات - آسمانی مخلوقات اور لطیف و چھوٹی چھوٹی مخلوقات سب کی سب اپنے اک عظیم الشان پیدا کرنے والے کے وجود کو بتاتی ہیں مگر اس خالق کو متعین کرنے میں ان مخلوقات میں اختلاف پیدا ہوگیا تو حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو اس تمام کائنات کے اس پیدا کرنے والے کی وحدانیت کی طرف بلایا خواہ اس خالق کو، اللہ کے نام سے پکارا جائے یا، رب، یا، رحمٰن، یا ان کے سوا اور دوسرے ایسے مقدس ناموں سے پکارا جائے جو اس کی بلندی و عظمت کو ظاہر کرتے ہوں کیونکہ ناموں کے اختلاف سے اس ہستی کی ذات میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ حق تعالیٰ خود

ارشاد فرماتا ہے:

قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ اَيًّامَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى۔ (پ ۱۵ - ع ۱۲)

کہد یجئے کہ اپنے رب کو "اللہ" کہکر پکارو یا "رحمن" ہکر کوئی سا نام بھی لیکر پکارو - یہ سب اسی کے اچھے اچھے نام ہیں۔

یہ اک ایسا مسئلہ ہے جس میں کسی کو بھی اختلاف نہیں ہوسکتا اور عقل کے لئے اسے تسلیم کر لینے کے سوا کوئی چارہ کار نہیں البتہ انسان طبعاً اس کی زیادہ سے زیادہ معرفت کی خواہش رکھتا ہے۔ اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ عرفان پیدا کرنے کیلئے لوگوں کے سامنے خدا کے وہ اوصاف بیان فرمائے جو خود خدا نے اپنے لئے بیان فرمائے ہیں اور وہ یہ پانچ اوصاف ہیں جن سے خدا متصف ہے - اول خدا کا ارشاد ہے:

(قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ) "کہد یجئے کہ اللہ ایک ہے" ایک کے معنی یہ ہیں کہ اس کی ذات اور ہستی میں تعدُّد و کثرت نہیں ہے - وہ نہ تو مختلف مادی جواہر سے مرکب ہے اور نہ ہی متعدد غیر مادی اصلوں سے مرکب ہے اس طرح وہ مخلوقات میں سے کسی کے بھی مشابہ نہیں ہے بلکہ وہ " واجب الوجود " ہے اور کسی وجود کا واجب ہونا بداہتہً اس کی ذات کی وحدت کو لازم ہے کیونکہ کسی ذات میں تعدد و کثرت کا پایا جانا اس امر کو لازم گردانتا ہے کہ اس مجموعہ کے متعدد اجزاء ہوں پس اس صورت میں وہ مجموعہ جیسے "اللہ" یا تمام جہانوں کا خالق کہا جائے "واجب الوجود" نہیں ہوسکتا - علی ہذا اس کے اجزاء میں سے ہر ایک واجب الوجود نہیں ہوسکتا کیونکہ وہ لامحالہ دوسرے سے اس کی کسی علٰحدہ صفت کی وجہ سے مختلف ہوگا اور یہ علٰحدہ صفت اس صفت کے مغائر ہوگی جس میں وجودی اعتبار سے یہ دونوں مشترک ہوں گے لہذا یہ اجزا مرکب ہوں گے اور مرکب "واجب الوجود" نہیں ہوسکتا اب اس کے سوا کوئی صورت نہیں رہی کہ "واجب الوجود" مفرد ہی ہو - پھر جہاں تک ہماری عقل و حواس رسائی رکھتے ہیں ہم دیکھتے ہیں کہ یہ تمام عالم اک خاص نظام میں

منسلک ہے اور ہر شے دوسری سے انتہائی ربط و تعلق کے ساتھ مربوط ہے اور یہ بات اس کا پتہ دیتی ہے کہ اس عالم کا خالق ایک ہی ہے۔ دوسری صفت خدا کا یہ ارشاد ہے: (اَللّٰہُ الصَّمَد) ۔ صمد کے معنی ہیں، وہ سردار جس کی طرف ضروریات میں رجوع کیا جائے؛

پس خدا ہی کی ذات وہ ذات ہے جس کی طرف تمام انسان فطری طور پر متوجہ ہوتے اور خفیہ و علانیہ اسی سے ضروریات کے طالب ہوتے ہیں۔ کیونکہ وہی دعاؤں کا سننے والا اور ان خفیہ اور غیبی قوتوں کا مالک ہے جن کے ذریعہ وہ عالم کی تمام خواہشات اور مطالبات کی تکمیل فرماتا ہے۔

تیسری صفت: خدا کا یہ ارشاد ہے (لَمْ یَلِدْ) یعنی اس نے کسی کو نہیں جنا کیونکہ اولاد کی ضرورت مستقبل میں والدین کی امداد و سہارے اور نسل چلنے کیلئے ہوا کرتی ہے۔ اور حق جل و علا جس نے اس تمام عظیم الشان مخلوقات کو پیدا فرمایا اور اس عمل تخلیق سے اس پر مطلق کسی قسم کے نقصان کا بھی اثر نہیں ہوا۔ وہ کسی اولاد کی مدد کا محتاج نہیں ہو سکتا۔ اس آیت میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ وہ "ہمیشہ زندہ اور باقی رہنے والا ہے" اس لئے اسے بقاء نسل کے لئے اپنے کسی جانشین کی ضرورت ہی نہیں۔ اسی آیت میں اس فرقہ کے اس مزعومہ کی بھی نفی ہوتی ہے۔ جو یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ ازل سے خدا کی اسی جیسی اک اولاد موجود ہے کہ اس کے باپ کے ساتھ اس کی عبادت کرنی بھی بندوں پر واجب ہے کیونکہ عقل سلیم کبھی اس ہستی کی موت کو تسلیم نہیں کر سکتی جس کے متعلق یہ خیال کیا جاتا ہو کہ وہ اس خدا کا بیٹا ہے جو خود ہمیشہ رہنے والا اور فنا نہ ہونے والا ہے کیونکہ یہ خیال اس ازلیت کے مغائر ہے جس سے وہ اس مفروضہ فرزند کو موصوف کرتے ہیں۔

اس کے برعکس اسلام کا یہ نظریہ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے وفات نہیں پائی

بلکہ آپ موت سے قبل ہی آسمان پر اٹھا لئے گئے - اس کے اس نظریہ کو بھی ثابت کرتا ہے کہ وہ دنیا کے آخری وقت میں زمین پر واپس آئیں گے اور چالیس سال تک مقیم رہ کر روئے زمین پر اسلام کو مستحکم کرکے پھر وفات پائیں گے تب مسلمان آپ کی نماز جنازہ پڑھیں گے جیسا کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی پیشین گوئی فرمائی ہے اور حق تعالیٰ نے قرآن کریم میں اس فاسد عقیدہ کے قائلین کے مزعومات کی تردید فرمائی ہے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:

وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا - لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْئًا اِدًّا تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا اَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا وَمَا يَنْبَغِي لِلرَّحْمٰنِ اَنْ يَّتَّخِذَ وَلَدًا اِنْ كُلُّ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِلَّا اٰتِي الرَّحْمٰنِ عَبْدًا لَقَدْ اَحْصٰهُمْ وَعَدَّهُمْ عَدًّا وَكُلُّهُمْ اٰتِيْهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَرْدًا -

(پ ۱۶ - ع ۹)

اور کفار کہتے ہیں کہ خدا کے اولاد ہے - مشرکو تم بہت سخت بات کہہ رہے ہو اتنی سخت کہ قریب ہے کہ اس بات سے ابھی آسمان پھٹ جائے زمین شق ہو جائے اور پہاڑ بھی ریزہ ریزہ ہو جائیں کہ وہ خدا کے لئے اولاد ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں حالانکہ یہ خدا کی شان کے خلاف ہے کہ وہ کسی کو بیٹا بنائے جو مخلوقات آسمانوں اور زمینوں میں ہے وہ سب قیامت کے روز خدائے رحمٰن کے حضور میں غلام کی حیثیت سے حاضر ہو گی - یہ سب اس کے احاطۂ قدرت میں ہیں اور اس نے ان سب کو اچھی طرح شمار کر رکھا ہے ان میں سے ہر ایک قیامت کے روز تن تنہا اس کے حضور میں حاضر ہوگا (اور وہ کسی طرح اس کی باز پرس سے بچ نہ سکے گا)

نیز ارشاد ہوتا ہے:

وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ

مشرکین کہتے ہیں کہ فرشتے خدا کی اولاد ہیں حالانکہ

بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ لَا يَسْبِقُوْنَهٗ بِالْقَوْلِ وَهُمْ بِاَمْرِهٖ يَعْمَلُوْنَ۔ (پ ۱۷۔ ع ۲)

اللہ اس سے بالکل پاک و منزہ ہے یہ تو اس کے مقرب و مقبول بندے ہیں وہ حکم الہٰی کے بغیر از خود بات تک میں سبقت نہیں کرتے اور وہ بے چون وچرا اسی کے حکم پہ چلتے ہیں۔

چوتھی صفت: خدا کا یہ قول ہے (وَلَمْ يُوْلَدْ) یعنی نہ وہ خود کسی دوسرے سے پیدا ہوا کیونکہ جو دوسرے سے پیدا ہو وہ حادث ہوتا ہے اور حادث کا آخری انجام فنا ہوتا ہے اور حق تعالیٰ ان تمام خرافات سے بالکلیہ منزہ اور پاک ہے اس آیت میں ان لوگوں پر تعریض و تنقید ہے جو اس کے قائل ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے فرزند ہیں۔ اس مفروضہ کی بنا پر حضرت مریم نعوذ باللہ خدا کی زوجہ اور حضرت عیسیٰؑ کی والدہ قرار پائیں گی جنھیں یہ لوگ خدا کے ساتھ الوہیت میں شریک مانتے ہیں اور یہ تمام مفروضات انتہائی رکیک اور مزخرفات ہیں۔

پانچویں صفت: خدا کا یہ ارشاد ہے: (وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ) نہ ہی خدا کا کوئی مثیل و ہمسر ہے۔ کفو کے معنی ہیں اس تمام عالم کی آفرینش اور تکوین نیز مخلوقات میں ہمہ جہتی تصرفات کی پوری پوری قدرت رکھنے میں خدا کا مماثل و ہمسر ہونا پس یہ ظاہر ہے کہ اس تمام کائنات کی حکومت و اقتدار میں نہ اس کا کوئی ہمسر ہے نہ کوئی اس کے برابر ہے نہ اس کا مدمقابل ہے۔ وہی اور تنہا وہی زمین و آسمان اور ان ہر دو میں پائی جانے والی تمام مخلوقات پر پورا پورا اقتدار و قدرت رکھتا ہے۔

لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُوْنَ۔ (پ ۱۷۔ ع ۲)

اگر زمین و آسمان میں خدا کے سوا اور کئی معبود ہوتے تو وہ دونوں برباد ہو جاتے پس خدائے عزوجل مالکِ عرشِ عظیم شرک سے جس کی طرف وہ اس کی نسبت کرتے ہیں بالکل پاک و منزہ ہے۔

صرف اس ایک دلیل پر لوگوں کے اکتفا نہ کرنے کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے ان کے سامنے اور متعدد آیات تلاوت فرمائیں جو خدا کے صحیح وجود کو ان کے ذہنوں اور عقلوں سے قریب تر لے آئیں چنانچہ اس سلسلہ میں آپ نے خدا کے یہ ارشادات بیان فرمائے:

فَاطِرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا وَّمِنَ الْاَنْعَامِ اَزْوَاجًا يَذْرَؤُكُمْ فِيْهِ لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ لَهٗ مَقَالِيْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ۔

(پ ۲۵ - ع ۳)

وہ آسمانوں اور زمینوں کا پیدا کرنے والا ہے اس نے خود تم ہی میں سے تمہارے جوڑے بھی بنادئے اور ایسے ہی چوپاؤں کے بھی ان ہی میں سے جوڑے بنادئے تاکہ توالد و تناسل کی تدبیر کے ذریعہ وہ تمہیں تمام عالم میں پھیلا دے۔ عالم میں اس جیسی کوئی چیز نہیں اور وہ ہی سب کچھ دیکھتا سنتا ہے آسمان و زمین کی تمام کنجیاں اسی کے پاس ہیں وہ جس کی چاہے روزی کم کردیتا اور جس کی چاہے کشادہ کردیتا ہے۔ بے شک وہ ہر ہر چیز کو بخوبی جانتا ہے۔

بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَنّٰى يَكُوْنُ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَمْ تَكُنْ لَّهٗ صَاحِبَةٌ وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ۔ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ فَاعْبُدُوْهُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ۔ لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ۔ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ۔

(پ ۷ - ع ۱۹)

وہ آسمانوں اور زمین کا موجد ہے اس کے اولاد کیسے ہو سکتی ہے حالانکہ اس کے کوئی بیوی نہیں، اسی نے ہر چیز کو پیدا کیا اور وہ ہی ہر ہر چیز کا جاننے والا ہے۔ یہی اللہ تم سب کا پروردگار ہے اس کے سوا اور کوئی معبود نہیں وہی ہر چیز کا پیدا کرنے والا اور وہی ہر چیز کا مختار کل ہے پس تم اسی کی عبادت کیا کرو۔ اسے یہ ظاہری آنکھیں نہیں دیکھ سکتیں مگر وہ ان آنکھوں کو دیکھتا ہے وہ نہایت لطیف ہستی اور ہر چیز سے باخبر ہے۔

لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يُحْيِيْ وَيُمِيْتُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ. وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ يَعْلَمُ مَا يَلِجُ فِي الْاَرْضِ وَمَا يَخْرُجُ مِنْهَا وَمَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَاءِ وَمَا يَعْرُجُ فِيْهَا وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَمَا كُنْتُمْ ۔ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۔ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ۔ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ وَهُوَ عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۔

(پ ۲۷ - ع ۱۷)

آسمانوں میں اور زمین میں سب جگہ اسی کی حکومت ہے۔ وہی زندہ کرتا اور مارتا ہے وہی ہر چیز پر قادر ہے۔ وہی سب سے اول اور وہی سب سے آخر (تک باقی رہنے والا) ہے وہی (عقلی دلائل سے) سب پر ظاہر اور (اسی کی ذات ظاہری محسوسات سے) مخفی ہے۔ وہ ہی سب کچھ جانتا ہے وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دن میں پیدا کیا پھر وہ انتظام عالم کے لئے عرشِ حکومت پر متمکن ہوا۔ وہ زمین میں داخل ہونے والی اشیاء (جیسے تخم۔ قطرات بارش وغیرہ) اور اس سے نکلنے والی اشیاء (جیسے نباتات۔ معدنیات۔ چشمے وغیرہ) علیٰ ہذا آسمان سے اترنے والی اشیاء (جیسے بارش۔ بجلی۔ فرشتے وغیرہ) اور اوپر چڑھنے والی اشیاء (جیسے اعمال۔ دعائیں۔ زمینی بخارات وغیرہ) ان سب کو خوب جانتا ہے اور تم چاہو کہیں بھی ہو وہ ہر وقت تمہارے ساتھ ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو وہ اس سب کو دیکھتا ہے۔ آسمانوں میں اور زمین میں سب اسی کی حکومت ہے اور سب کاموں کا آخری انجام اسی کے اختیار میں ہے۔ وہ رات کا کچھ حصہ دن میں داخل کرتا اور دن کا کچھ حصہ رات میں شامل کر کے رات دن کو گھٹاتا بڑھاتا ہے اور وہی سینوں کے پوشیدہ اسرار کو بخوبی جانتا ہے۔

مذکورہ بالا آیات کے علاوہ اور بھی کثیر آیات ہیں جو لوگوں کو تمام مخلوقات کی

حقیقت نیز ان تکوینی آثار و علائم میں جو اللہ کے وجود کو ثابت کرتے ہیں غور و تدبر کی دعوت دیتی ہیں جیسے حق تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے:

تَبَارَكَ الَّذِي جَعَلَ فِي السَّمَاءِ بُرُوجًا وَجَعَلَ فِيهَا سِرَاجًا وَقَمَرًا مُنِيرًا وَهُوَ الَّذِي جَعَلَ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ خِلْفَةً لِمَنْ أَرَادَ أَنْ يَذَّكَّرَ أَوْ أَرَادَ شُكُورًا۔

(پ ۱۹ ع ۴)

وہ خدا بڑا ہی با برکت ہے جس نے آسمان میں برج بنائے نیز اس میں جہان کو روشن کرنے والا چراغ (آفتاب) اور روشن چاند بنایا، وہی ہے جس نے اللہ کی مخلوقات میں غور و فکر اور اس کی نعمتوں کا شکر ادا کرنے والوں کے لئے رات اور دن کو ایک دوسرے کے پیچھے آنے والا بنایا۔

اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ وَأَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجَ بِهِ مِنَ الثَّمَرَاتِ رِزْقًا لَكُمْ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْفُلْكَ لِتَجْرِيَ فِي الْبَحْرِ بِأَمْرِهِ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْأَنْهَارَ وَسَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ دَائِبَيْنِ وَسَخَّرَ لَكُمُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَآتَاكُمْ مِنْ كُلِّ مَا سَأَلْتُمُوهُ وَإِنْ تَعُدُّوا نِعْمَتَ اللَّهِ لَا تُحْصُوهَا إِنَّ الْإِنْسَانَ لَظَلُومٌ كَفَّارٌ۔

پ ۱۳ ع ۱۷

وہ اللہ ہی ہے جس نے آسمان و زمین پیدا کئے پھر آسمان سے پانی برسایا جس سے تمہاری روزی کے لئے پھل پیدا کئے اور کشتیوں کو تمہارے تابع کر دیا کہ وہ اس کے حکم سے سمندر میں چلیں اور دریاؤں کو بھی تمہارا مطیع کر دیا تاکہ تم ان سے استفادہ کر سکو۔ علیٰ ہذا سورج اور چاند کو بھی تمہارے تابع کر دیا کہ وہ ایک مقررہ قاعدہ کے مطابق برابر چل رہے ہیں۔ اسی طرح دن اور رات کو بھی تمہارا مطیع بنا دیا اور ہر وہ چیز جس کی تم نے خواہش کی وہ اس نے تمہیں عطا فرما دی یہاں تک کہ اگر تم اللہ کی ان نعمتوں کا شمار کرنے لگو تو کر نہیں سکتے۔ بے شک انسان بڑا ہی ظالم اور بہت ہی ناشکرا واقع ہوا ہے۔

وَهُوَ الَّذِي مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ وَهٰذَا مِلْحٌ أُجَاجٌ وَجَعَلَ بَيْنَهُمَا بَرْزَخًا وَحِجْرًا مَحْجُورًا وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ مِنَ الْمَاءِ بَشَرًا فَجَعَلَهُ نَسَبًا وَصِهْرًا وَكَانَ ذٰلِكَ قَدِيرًا۔

پ ۱۹ - ع ۳

وہ خدا ہی ہے جس نے دو ایسے سمندروں کو باہم ملایا جن میں سے ایک تو میٹھا اور خوشگوار ہے اور دوسرا کھارا اور شور ہے اور ان ہر دو کے درمیان اک روک اور سخت آڑ کردی (کہ دونوں باہم ملنے نہ پائیں) اور وہی قادر مطلق ہے جس نے قطرۂ آب سے انسان کو پیدا کر کے (اس کی بقائے نسل کے لئے) اسے صاحب خاندان اور سسرالی رشتہ والا بنا دیا اور درحقیقت اسی کو ہر طرح کی قدرت حاصل ہے۔

اَللّٰهُ الَّذِي سَخَّرَ لَكُمُ الْبَحْرَ لِتَجْرِيَ الْفُلْكُ فِيهِ بِأَمْرِهِ وَلِتَبْتَغُوا مِنْ فَضْلِهِ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ۔ وَسَخَّرَ لَكُمْ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ جَمِيعًا مِنْهُ إِنَّ فِي ذٰلِكَ لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ۔

پ ۲۵ - ع ۱۸

وہ اللہ ہی ہے جس نے سمندر کو تمہارے تابع کردیا تاکہ اس کے حکم سے اس میں جہاز چل سکیں اور تم بحری تجارت کے ذریعہ اپنی روزی حاصل کرسکو اور اس کا شکر ادا کرسکو نیز اسی نے زمین و آسمان کی تمام موجودات کو تمہارے تابع کردیا۔ بے شک مظاہرِ قدرت میں غور و فکر کرنے والوں کے لئے ان میں خلاقِ قدرت کی بہت سی نشانیاں موجود ہیں۔

قُلِ انْظُرُوا مَاذَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَمَا تُغْنِي الْآيَاتُ وَالنُّذُرُ عَنْ قَوْمٍ لَا يُؤْمِنُونَ۔

پ ۱۱ - ع ۱۵

کہدیجئے کہ آسمانوں اور زمین کی تمام مخلوقات پر غور و فکر کی نظر ڈالو (تاکہ اس کی قدرت و ربوبیت کے دلائل تم پر واضح ہوجائیں) اور ایمان نہ لانے والے کفار کے لئے معجزے اور ڈراوے کچھ بھی مفید و کارآمد نہیں۔

أَفَلَمْ يَنْظُرُوا إِلَى السَّمَاءِ فَوْقَهُمْ كَيْفَ بَنَيْنَاهَا وَزَيَّنَّاهَا وَمَا لَهَا

پس کیا انھوں نے اپنے اوپر آسمان کو نظرِ غور سے نہیں دیکھا کہ ہم نے کس طرح اسے بنایا اور پھر

مِنْ فُرُوْجٍ وَالْاَرْضَ مَدَدْنٰهَا
وَاَلْقَيْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ وَاَنْبَتْنَا فِيْهَا
مِنْ كُلِّ زَوْجٍ بَهِيْجٍ تَبْصِرَةً
وَّذِكْرٰى لِكُلِّ عَبْدٍ مُّنِيْبٍ وَ
نَزَّلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً
مُّبٰرَكًا فَاَنْبَتْنَا بِهٖ جَنّٰتٍ
وَّحَبَّ الْحَصِيْدِ وَالنَّخْلَ
بٰسِقٰتٍ لَّهَا طَلْعٌ نَّضِيْدٌ رِّزْقًا
لِّلْعِبَادِ وَاَحْيَيْنَا بِهٖ بَلْدَةً مَّيْتًا
كَذٰلِكَ الْخُرُوْجُ -

پ ۲۶ - ع ۱۵

اسے آراستہ و پیراستہ کیا پھر اتنے بڑے آسمان میں
کوئی درز تک نہیں ادھر زمین کو بچھا کر اس پر مضبوط
پہاڑ گاڑ دئے اور اس زمین میں ہر قسم کی خوشنما چیزیں
اگائیں تاکہ اللہ کی طرف رجوع کرنے والے ہر ایک بندے
کو اس کی قدرت کو سمجھنے کی بصیرت اور نصیحت حاصل ہو اور
ہم نے آسمان سے برکتوں والا پانی برسا کر اس سے باغات
و کھیتیاں اگائیں جن کے غلے کاٹے جاتے ہیں اور لمبی لمبی
کھجوریں بھی اگائیں جن کے خوشے گتھے ہوئے ہوتے ہیں
یہ سب اس لئے کہ بندوں کو روزی نصیب ہو اور
اسی پانی سے ہم نے ایک مردہ بستی کو زندہ (یعنی سرسبز و شاداب)
کر دیا پس اسی طرح دوبارہ مردہ انسانوں کو بھی زندہ ہو کر اٹھنا ہے۔

وَفِي الْاَرْضِ اٰيٰتٌ لِّلْمُوْقِنِيْنَ
وَفِيْ اَنْفُسِكُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ -

پ ۲۶ - ع ۱۸

اور نظر غائر ڈال کر یقین کر لینے والوں کے لئے زمین
میں اور خود تمہارے اندر بھی قدرتِ الٰہی کی بکثرت
نشانیاں موجود ہیں پس کیا تم ان عجائبات کو غور سے
نہیں دیکھتے ؟

وَمِنْ اٰيٰتِهٖ اَنْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ
ثُمَّ اِذَا اَنْتُمْ بَشَرٌ تَنْتَشِرُوْنَ وَمِنْ
اٰيٰتِهٖ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ
اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْا اِلَيْهَا وَجَعَلَ
بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً اِنَّ فِيْ
ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ

اس کی قدرت کی نشانیوں میں سے ایک یہ ہے کہ اس نے
اولاً تمہیں مٹی سے پیدا فرمایا پھر اب تم سب انسان ہو
کر تمام روئے زمین پر پھیلے ہوئے ہو اس کی نشانیوں میں
سے ایک یہ بھی ہے کہ اس نے تمہاری ہی جنس سے تمہاری
بیویاں پیدا کر دیں تاکہ تم ان سے آرام پاؤ اور اس نے تمہارے
دلوں میں ایک دوسرے کی محبت و ہمدردی ڈال دی بیشک

وَمِنْ آيَاتِهِ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافُ اَلْسِنَتِكُمْ وَاَلْوَانِكُمْ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَآيَاتٍ لِلْعَالِمِيْنَ۔ وَمِنْ آيَاتِهِ مَنَامُكُمْ بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَابْتِغَاؤُكُمْ مِنْ فَضْلِهٖ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ۔ وَمِنْ آيَاتِهٖ يُرِيْكُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَّطَمَعًا وَّيُنَزِّلُ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَيُحْيِ بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يَعْقِلُوْنَ۔

پ ۲۱ - ع ۶

اس میں غور و فکر کرنے والوں کے لئے اسکی قدرت کی بکثرت نشانیاں موجود ہیں اور آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنا اور تمہاری زبانوں اور رنگوں کا مختلف ہونا بھی اس کی قدرت کے آثار میں سے ہے۔ بے شک ان میں اہل علم کے لئے اس کی قدرت کے کافی علامات موجود ہیں اور تمہارا راتوں کو سونا اور دنوں کو روزی تلاش کرنا بھی اس کی قدرت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے۔ بے شک ان میں ان لوگوں کے لئے جو حق بات کو توجہ سے سنتے ہیں اس کی قدرت کے علامات پائے جاتے ہیں اور اس کی قدرت کے علائم میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ بادل سے بجلی چمکاتا ہے جس کی چمک سے بارش کی امید اور گرنے سے نقصان کا خوف لاحق ہوتا ہے اور وہی آسمان سے پانی برسا کر اس پانی سے خشک زمین کو اس کے بنجر ہو جانے کے بعد از سر نو زندہ اور سر سبز و شاداب کر دیتا ہے بیشک اس میں اہل عقل کے لئے خدا کی قدرت کے کافی آثار و علائم موجود ہیں۔

نَحْنُ خَلَقْنٰكُمْ فَلَوْلَا تُصَدِّقُوْنَ اَفَرَاَيْتُمْ مَّا تُمْنُوْنَ ءَاَنْتُمْ تَخْلُقُوْنَهٗ اَمْ نَحْنُ الْخَالِقُوْنَ نَحْنُ قَدَّرْنَا بَيْنَكُمُ الْمَوْتَ وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوْقِيْنَ عَلٰى اَنْ

ہم نے ہی تمہیں (پہلی بار) پیدا کیا پھر تم (ہمارے دوبارہ پیدا کرنے کی) تصدیق کیوں نہیں کرتے؟ بھلا دیکھو تو وہ (منی) جو تم عورت کے رحم میں ٹپکاتے ہو کیا تم اسے پیدا کرتے ہو یا ہم ہی اس کے پیدا کرنے والے ہیں؟ ہم نے ہی تمہارے درمیان موت مقدر کر دی ہے اور ہم اس

نُبَدِّلَ اَمْثَالَكُمْ وَنُنْشِئَكُمْ فِيْ مَالَا تَعْلَمُوْنَ وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ النَّشْاَةَ الْاُوْلٰى فَلَوْلَا تَذَكَّرُوْنَ اَفَرَءَيْتُمْ مَا تَحْرُثُوْنَ ءَاَنْتُمْ تَزْرَعُوْنَهٗٓ اَمْ نَحْنُ الزّٰرِعُوْنَ ۔ لَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنٰهُ حُطَامًا فَظَلْتُمْ تَفَكَّهُوْنَ اِنَّا لَمُغْرَمُوْنَ بَلْ نَحْنُ مَحْرُوْمُوْنَ اَفَرَءَيْتُمُ الْمَآءَ الَّذِيْ تَشْرَبُوْنَ ءَاَنْتُمْ اَنْزَلْتُمُوْهُ مِنَ الْمُزْنِ اَمْ نَحْنُ الْمُنْزِلُوْنَ لَوْ نَشَآءُ جَعَلْنٰهُ اُجَاجًا فَلَوْلَا تَشْكُرُوْنَ اَفَرَءَيْتُمُ النَّارَ الَّتِيْ تُوْرُوْنَ ءَاَنْتُمْ اَنْشَاْتُمْ شَجَرَتَهَآ اَمْ نَحْنُ الْمُنْشِـُٔوْنَ ۔ نَحْنُ جَعَلْنٰهَا تَذْكِرَةً وَّمَتَاعًا لِّلْمُقْوِيْنَ فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ ۔

پ ۲۷ - ع ۱۵

بات سے عاجز نہیں ہیں کہ تم جیسے دوسرے لوگ بدل کرے آئیں اور تم ہی کو پھر دوسری ایسی صورت میں لاکر کھڑا کردیں جسے تم سمجھ نہ سکو اور تم اپنی پہلی پیدائش کو تو جان ہی چکے ہو پھر کیوں غور نہیں کرتے (کہ پہلی بار پیدا کرنے والا دوبارہ بھی پیدا کرسکتا ہے) بھلا دیکھو تو جو کچھ تم بوتے ہو کیا تم اسے اگاتے ہو یا ہم ہی اگانے والے ہیں؟ اگر ہم چاہیں تو اسے بالکل ہی تباہ کر ڈالیں اور تم حیرت زدہ رہ جاؤ کہ ہم پر تو یہ تاوان پڑ گیا۔ بلکہ ہماری قسمت ہی پھوٹ گئی - بھلا دیکھو تو جو پانی تم پیتے ہو کیا تم نے اسے بادلوں سے برسایا ہے یا ہم ہی برسانے والے ہیں ؟ اگر ہم چاہیں تو اسے بھی کھارا کردیں پس تم اس کی نعمت کا شکر کیوں نہیں ادا کرتے ؟ بھلا دیکھو تو جو آگ تم سلگاتے ہو کیا اس کا درخت تم نے پیدا کیا ہے یا ہم ہی اس کے پیدا کرنے والے ہیں ؟ ہم ہی نے اسے آتشِ دوزخ کی یاددہانی کا سبب اور مسافرین کے لئے فائدہ کی چیز بنا دیا ہے پس اپنے رب کے نام کی تسبیح و تقدیس کرتے رہا کیجئے جو بڑا ہی عظمت والا ہے ۔

اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حق تعالیٰ کے وجود اور عالم کی پیدائش اس کے وجود میں لانے اس کی مکمل و مطلق حکمرانی اور ہر ہر چیز کی تدبیر و انتظام میں بلا شرکت غیرے صرف یکہ و تنہا اسی ایک ہستی کی انفرادیت پر دلیلیں پیش کرنے کی غرض سے ایک دلیل کے

بعد دوسری دلیل لاتے اور ایک آیت کے بعد دوسری آیت تلاوت فرماتے جاتے تھے۔ نیز آپ لوگوں کو اس طرف متوجہ فرماتے جاتے تھے کہ وہ اپنی عقولِ سلیمہ کو حکم بنائیں اور اپنے اپنے ضمیروں سے فتویٰ لیں تاکہ وہ اس حقیقت نفس الامری پر مطمئن ہو سکیں اور اللہ تعالیٰ پر وہ کامل ایمان لے آئیں جس میں کسی قسم کے شک وشبہ اور ادنیٰ تردد کی بھی گنجائش باقی نہ رہے۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا اور جس نے اس دعوتِ الٰہیہ کو گوشِ دل سے سُنا اس نے اس سے ہرگز گریز نہیں کیا۔ بجز ان معدودے چند افراد کے جن کے دلوں پر غدا نے خباثت کو غالب کر دیا ہو اور ان کے گوش وچشم پر مہر لگا دی ہو۔ امام غزالی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "احیاء العلوم" میں اس مسئلہ کے متعلق بحث فرماتے ہوئے مندرجہ ذیل کلام فرمایا ہے:

"اچھی طرح سمجھ لو کہ تمام موجودات میں سب سے زیادہ واضح اور روشن صرف ایک خدا ہی کی ذات ہے اس کا تقاضہ یہ ہے کہ اس کی معرفت تمام دوسری چیزوں کی معرفت سے پہلے ہو اور انسانی سمجھ اور ذہن میں سب سے پہلے آئے اور عقل وادراک کیلئے اس کا سمجھنا سب سے آسان ہو لیکن معاملہ اس کے برعکس ہے پس اس کا اصلی سبب بیان کرنا ضروری ہے اور وہ یہ ہے کہ ہم نے جو یہ بیان کیا ہے کہ وہ ذات تمام موجودہ اشیاء میں سب سے زیادہ واضح اور روشن ہے سو اس کا مطلب مثال کے بغیر سمجھ میں نہیں آسکتا اور وہ یہ ہے کہ مثلاً جب ہم کسی شخص کو لکھتے ہوئے یا سیتے ہوئے دیکھتے ہیں تو اولاً اس کا زندہ ہونا ہمارے نزدیک تمام موجودات میں سب سے زیادہ واضح ہوتا ہے پھر اس کا سینے کا ارادہ اس پر قدرت اور اس کی فنی معلومات ہمارے نزدیک اس کے دوسرے ظاہری وباطنی اوصاف سے زیادہ واضح اور روشن ہوتی ہیں کیونکہ اس کی باطنی صفات جیسے اس کی شہوت۔ غصہ۔ اخلاق وعادات۔ تندرستی وبیماری ہم ان میں سے کسی کو

بھی نہیں جانتے رہی اس کی ظاہری صفات سو ان میں سے بھی بعض کو تو ہم سرے سے جانتے ہی نہیں اور بعض میں ہمیں شک و شبہ رہتا ہے جیسے اس کے قد کا طول۔ اس کی پیشانی کے رنگوں کا اختلاف علیٰ ہذا ان کے سوا دوسری اور صفات بھی۔ لیکن اس کی زندگی قدرت ارادہ علم اور اس کا جاندار ہونا یہ صفات ہمارے نزدیک بہت زیادہ واضح اور روشن ہوتی ہیں بغیر اس کے کہ بینائی کی حس کو اس شخص کی زندگی قدرت اور ارادہ سے کچھ بھی لگاؤ ہو کیونکہ یہ صفات حواس خمسہ میں کسی حس سے بھی محسوس و معلوم نہیں کی جاسکتیں۔ پس ممکن نہیں کہ اس شخص کی زندگی۔ قدرت اور ارادہ کسی چیز سے معلوم کئے جاسکیں بجز اس کے سلائی کے کام اور ہاتھ کی حرکت کے۔ بالفرض اگر ہم اس کے اس عمل و حرکت کو نظر انداز کر کے اس عالم کی تمام موجودات پر نظر ڈالیں تو ان سب چیزوں کو ملا کر بھی اس کی کسی صفت کو معلوم نہیں کر سکتے پس اس کی اس صفت پر صرف وہ ایک ہی دلیل ہو سکتی ہے اور اس کا وجود اسی دلیل کی وجہ سے بہت واضح اور روشن ہے۔

جمادات، پتھر، مٹی۔ نباتات درخت وغیرہ۔ حیوانات۔ آسمان۔ زمین۔ ستارے صحرا۔ دریا۔ آگ۔ ہوا اور جوہر و عرض۔ غرض تمام وہ اشیاء جنھیں ہم دیکھتے اور ظاہری و باطنی حواس کے ذریعہ محسوس کرتے ہیں لازماً حق تعالیٰ کے وجود اس کی قدرت اس کے علم اور اس کی تمام صفات پر گواہی دیتے ہیں بلکہ خود ہماری جانیں ہمارے جسم ہمارے اوصاف ہمارے حالات کے مد و جزر ہماری قلبی کیفیات کے تغیرات اور ہمارے تمام حرکات و سکنات میں ہمارے طور طریقے۔ حق تعالیٰ کے وجود اور اس کی صفات پر سب سے پہلے گواہ ہیں۔ یہ ظاہر ہے کہ ہمارے علم میں سب سے زیادہ واضح چیز خود ہمارے وجود ہیں پھر ہمیں حواس خمسہ کے ذریعہ محسوس ہونے والی چیزیں ہیں، پھر ہمیں عقل۔ بصیرت اور دانائی کے ذریعہ معلوم ہونے والی حقیقتیں ہیں اور ہمیں ان تمام محسوس و معلوم ہونے والی اشیاء کا ادراک کرانے والا صرف ایک ان پر گواہی دینے والا صرف ایک اور انھیں بتانے والا صرف

وہی ایک ہے اور عالم میں جتنی چیزیں ہیں وہ سب اپنے پیدا کرنے والے ان کا نظم ونسق کرنے والے ان میں تصرف کرنے والے اور انھیں حرکت میں رکھنے والے کے وجود پر واضح دلیل اور بولتی چالتی گواہ ہیں اور خدا کے علم اس کی قدرت اور اس کی مہربانی وحکمت پر روشنی ڈالتی ہیں۔ اور محسوس ہونے والی موجودہ اشیاء کی کوئی انتہا نہیں ہے۔ پس جب ایک لکھنے والے کی زندگی ہمارے نزدیک بہت واضح ہے حالانکہ اس کے لکھنے کا گواہ صرف ایک ہے اور وہ اس کے ہاتھ کی وہ حرکت ہے جسے ہم نے محسوس کر لیا تو پھر وہ ہستی ہمارے نزدیک کیوں نہ واضح ہوگی جبکہ اس کے متعلق ہمارے جانوں کے اندر اور باہر تمام وہ چیزیں جن کے وجود کا تصور بھی کیا جا سکتا ہو وہ سب کی سب اس کے وجود اور اس کی عظمت وجلالتِ شان پر گواہی دے رہی ہوں۔

کیونکہ ہر ہر ذرہ لسان حال سے پکار کر کہہ رہا ہے کہ اس کا وجود ذاتی ہے نہ اس کی حرکت بلکہ یہ اس کے خالق اور محرک کی محتاج ہے۔ ہمارے اعضا کی ساخت وترکیب ہماری ہڈیاں ہمارے گوشت۔ ہمارے اعصاب۔ ہمارے بالوں کے اگنے کے مقامات۔ ہماری تمام جہات کی تشکیل اور ہمارے تمام ظاہری وباطنی اجزا سب سے پہلے اس پر گواہی دیتے ہیں کیونکہ ہم بالیقین یہ جانتے ہیں کہ یہ سب اعضاء از خود نہیں جڑ گئے جب کہ ہم بخوبی جانتے ہیں کہ کاتب کا ہاتھ خود بخود حرکت میں نہیں آگیا۔

لیکن اس عالمِ وجود میں ادراک۔ احساس اور عقل کے احاطہ میں آنے والی اور حاضر وغائب ہونے والی کوئی بھی چیز ایسی باقی نہیں جو اس کے وجود پر گواہی نہ دیتی ہو اور اس سبحانہٗ وتعالیٰ کے عظیم الشان ظہور کو نہ بتاتی ہو اس لئے انسانی عقول حیرت زدہ اور اس کے وجود کے ادراک وعلم سے عاری رہ گئیں۔ پس ہماری عقلیں اس کی ذات کے سمجھنے سے جو قاصر رہیں اس کے دو سبب ہیں: پہلا سبب خود اس کی ذات کا ہم سے مخفی اور لطیف تر ہونا ہے اور یہ بات تو واضح ہے۔ دوسرا سبب اس کا انتہا درجہ ظاہر وواضح ہونا ہے۔

چمگادڑ رات کو دیکھتی ہے مگر اسے دن میں کچھ نظر نہیں آتا اس لئے نہیں کہ دن پوشیدہ و مستور ہے بلکہ اس لئے کہ وہ حد سے زیادہ روشن ہے۔ ادھر چمگادڑ کی آنکھ کمزور ہے اس لئے جب آفتاب روشن ہوتا ہے تو اس کی روشنی اس کی بینائی پر چھا جاتی ہے اس طرح آفتاب کی چمک کی قوت چمگادڑ کے ضعف بصر کے ساتھ مل کر اس کی آنکھ کی چکاچوند اور بینائی سے محرومی کا سبب بن جاتی ہے پس وہ کسی چیز کو جب تک نہیں دیکھ سکتی جب تک روشنی اندھیرے میں مدغم ہو کر اس کی چمک اور تیزی کو کمزور نہ بنا دے۔

بعینہٖ یہی حال ہماری عقلوں کا ہے جو کمزور ہیں اور اللہ جل وعلا کا جمال اپنی چمک اور روشنی کے منتہائے کمال کو پہونچا ہوا ہے اور تمام عالم کو پوری طرح محیط اور شامل ہے۔ حتی کہ اس کے نور کے عموم۔ ظہور کامل اور مکمل احاطہ سے آسمان و زمین کی وسیع مملکت کا اک ذرہ بھی باہر نہیں۔

پس اس کا یہ ظہورِ کامل ہی اس کے مخفی ہونے کا سبب بن گیا پس وہ خدا کیسا مقدس و پاکیزہ خدا ہے جو اپنے نور کی روشنی میں چھپ گیا اور جو اپنے ظہورِ کامل کی وسعت میں عقلوں اور آنکھوں سے اوجھل ہو گیا۔ اور اس ذات کے انتہائی ظہور کے سبب اس کے آنکھ سے اوجھل ہو جانے پر کچھ تعجب نہ ہونا چاہئے کیونکہ تمام چیزیں اپنے مدمقابل ہی سے ظاہر اور معلوم ہوا کرتی ہیں۔ اور جس کا وجود ہر ہر جگہ عام ہو اور ہر چیز پر صرف وہی چھایا ہوا ہو حتی کہ کوئی اس کا مدمقابل ہی نہ ہو تو اس کا پالینا اور اسے معلوم کر لینا سخت دشوار امر ہے۔

پس اگر تمام اشیاء مخفی ہوں پھر بعض ان میں سے ظاہر ہو جائیں اور بعض مخفی رہیں تو ان کا فرق و امتیاز جلد ہی معلوم ہو جاتا ہے لیکن جب یکساں طریق پر سب کی سب ہی نمودار ہوں تو پھر ان میں امتیاز مشکل ہو جاتا ہے۔ اس کی مثال آفتاب کی روشنی ہے جو تمام زمین پر پھیلی ہوئی ہے اس کے متعلق ہمیں معلوم ہے کہ منجملہ دیگر اعراض کے وہ بھی اک

عارضی چیز ہے۔ وہ ظاہر ہوکر زمین پر پھیلتا اور پھر غروب آفتاب کے وقت زائل ہو جاتا ہے پس اگر آفتاب ہمیشہ روشن رہتا اور کبھی غروب نہ ہوتا تو ہم یہی رائے قائم کرتے کہ چند رنگوں کے سوا مخلوق کے اجسام کی کوئی خاص شکل و ہیئت نہیں اور وہ رنگ سیاہ و سفید اور دوسرے رنگ ہیں کیونکہ ہم سیاہ چیز میں بجز سیاہی کے اور سفید چیزیں بجز سفیدی کے اور کچھ نہیں دیکھتے۔ رہی روشنی سو ہم اسے علیحدہ نہیں دیکھتے۔ لیکن جب آفتاب غروب ہو جاتا اور سب مقامات پر اندھیرا ہو جاتا ہے تب ہمیں ہر دو حالتوں کا فرق معلوم ہوتا ہے اور اس وقت ہم یہ سمجھ سکتے ہیں کہ یہ تمام اجسام اس روشنی سے نمودار ہو گئے تھے پھر وہ غروب آفتاب کے وقت ان سے جُدا ہونے والی کیفیت سے متصف ہو گئے اس طرح ہمیں روشنی کا وجود اس کے غائب ہونے سے معلوم ہو سکا اور اگر یہ روشنی معدوم نہ ہوتی تو ہم بدقت تمام ہی ان اشیاء پر مطلع ہو سکتے تھے وجہ یہ ہے کہ صرف اندھیرا یا صرف روشنی ہی رہتی تو ہم تمام اجسام کو مشابہ اور غیر مختلف ہی دیکھتے۔

یہ حال اس کے باوجود ہے کہ روشنی تمام نظر آنے والی چیزوں میں سب سے زیادہ روشن و ظاہر ہے کیونکہ ہم اسی کے ذریعہ تمام محسوس ہونے والی چیزوں کو معلوم کر سکتے ہیں پس دیکھو کہ جو چیز فی ذاتہ ظاہر اور دوسروں کو بھی روشنی میں لانے والی ہے۔ اگر اس کا مدمقابل (ظلمت) نہ ہو تو اس کا وجود خود اپنے انتہا درجہ ظاہر ہونے کے باعث ہی کس درجہ مبہم اور مخفی ہو جاتا ہے۔

اسی طرح حق تعالیٰ تمام امور میں سب سے زیادہ ظاہر ہے اور اسی کے وجود سے عالم کی تمام اشیاء کا ظہور ہوا لیکن بالفرض اگر وہ فنا یا غائب ہو جاتا یا اس میں کوئی تغیر تبدل واقع ہو جاتا تو زمین و آسمان میں تہلکہ پڑ جاتا اور فسادِ عظیم برپا ہو جاتا اور یہ تمام نظام حکومت باطل اور ملک تباہ و برباد ہو جاتا۔ البتہ اس صورتِ حال

سے ہر دو حالتوں کا فرق و امتیاز معلوم ہو جاتا۔

بالفرض اگر بعض چیزیں اس کے وجود سے اور بعض کسی دوسرے کے وجود سے موجود ہوتیں تو ان ہر دو چیزوں کے ظہور میں فرق و امتیاز پایا جاتا لیکن خدائی وجود کا ظہور عالم کی تمام اشیاء میں یکساں اور عام ہے۔ اور اس کے وجود کے احوال دائمی اور مستقل ہیں جن میں تخلف ہونا ممکن نہیں اس لئے لازمی طور پر اس کی شدتِ ظہور نے اس کے وجود کو مخلوق سے مخفی اور اوجھل کر دیا اور یہی وہ بات ہے جو لوگوں کی سوءِ فہم کا سبب بنی ہوئی ہے۔ (احیاء العلوم کی عبارت تمام ہوئی)

جلد دوم تمام ہوئی۔ جلد سوم "اسماء باری تعالیٰ" سے شروع ہوگی۔

NPC. 154 text—4/8/53—1000 Copies
Printed by Mr. M. K. Usmani,
Manager, Mashhoor Offset Litho Press,
McLeod Road, KARACHI,